پاکستان میں
انٹیلی جینس ایجنسیوں
کا سیاسی کردار
منیر احمد

پاکستان میں انٹیلی جینس ایجنسیوں کا سیاسی کردار

منیر احمد

گورا پبلشرز ○ ۲۵ لوئر مال لاہور

ناشر : طاہر اسلم گورا
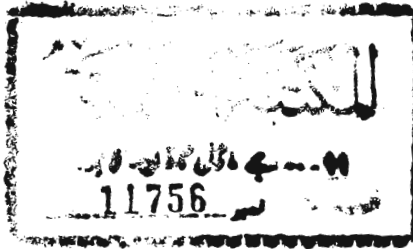
۱۹۹۵ء

زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
قیمت: ۳۰۰ روپے

بغاوت کا مقدمہ

۲۴، جولائی ۱۹۹۴ء کی شام انگریزی روزنامہ "دی نیوز" کی رپورٹر عفت گورایہ نے "فرنٹیر پوسٹ" فون کر کے مجھے اطلاع دی کہ تمہارے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج ہو گیا ہے۔ میرے لیے یہ خبر حیرت کا باعث تھی، میرے اخبار کے نیوز روم میں آنے والی اسلام آباد آفس سے عاصم حسین کی خبر نے اس اطلاع کی تصدیق کی۔ مسئلہ صرف بغاوت کے مقدمے کے اندراج کا ہوتا تو خیر تھی۔ فکر کی بات یہ تھی کہ ایف آئی اے کی ٹیم نے بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کو گرفتار کرنے کا دعویٰ کر دیا تھا۔ دونوں کی گرفتاری کا جواز میری کتاب "پاکستان میں انٹیلی جینس ایجنسیوں کا سیاسی کردار" بتائی گئی۔ ظاہر ہے کہ کتاب کے مصنف کا اپنے بارے میں فکر مند ہونا قدرتی فعل تھا۔

"فرنٹیر پوسٹ" میں چونکہ بطور رپورٹر کام کرتے ہوئے چھ برس ہو گئے تھے، اس لیے دفتر کے ساتھی بھی پریشان تھے۔ گھر والوں کو میری اور مجھے گھر والوں کی فکر تھی۔ میرے سامنے دو راستے تھے۔ اوّل یہ کہ فرار ہو جاؤں، دوم یہ کہ گرفتاری کے لیے تیار رہوں۔ میجر عامر کی گرفتاری کا دعویٰ اگلے دن غلط ثابت ہوا۔ ۲۵ جولائی ۱۹۹۴ء کے اخبارات میں بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کے خلاف بغاوت کے مقدمے کے اندراج کی خبریں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئیں۔ روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہونے والی خبر کچھ یوں تھی۔

(ب)

بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر بغاوت کے الزام میں گرفتار

آپریشن مڈنائٹ جیکالز میں 12 آڈیو کیسٹیں تیار کی گئیں۔ بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر نے ملک نعیم احمد اور دوسرے ہارس ٹریڈنگ میں ملوث پائے گئے۔ یہ کام اس سیاسی لیڈر شپ کے ایماء پر کیا جس کیلئے کام کر رہے تھے۔ مقصد قانونی حکومت کو ختم کرنا تھا۔ ایف آئی آر

مقدمہ ایف آئی اے نے درج کیا: طبی معائنہ کرالیا گیا: سپیشل جج اسلام آباد کے پاس "ان کیمرہ" سماعت ہوگی: ریمانڈ بھی حاصل کیا جائے گا: تفتیش کی نگرانی ڈپٹی ڈائریکٹر چودھری فضل کریں گے

کوئی بھی صاحب کردار آدمی کسی کو وعدہ معاف گواہ بنانے کی کوشش نہیں کرتا: اگر وہ خود مسعود محمود بننا چاہیں تو ان کی مرضی: حاجی گل شیر صرف گواہ ہیں آپریشن کے بنیادی کردار نہیں ہیں

بقیہ 30 بریگیڈیئر امتیاز /

عامر' سابق وفاقی وزیر ملک نعیم' حاجی گل شیر اور پاکستان میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کا سیاسی کردار کے مصنف منیر احمد کے خلاف بغاوت ایکٹ 1973ء کی دفعہ 3 تعزیرات پاکستان کی دفعہ 120۔ بی' 121 اے' 124 اے' 153 اے اور 109 آفیشل سیکرٹ ایکٹ کی دفعہ 3 (ی) 5 (اے) ڈی کے تحت مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔

اس بات کا امکان ہے کہ اس مقدمہ میں آئندہ 24 گھنٹوں میں ملک نعیم' حاجی گل شیر اور منیر احمد کو بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔ ایف آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر حاجی شوکت محمود نے اتوار کو مقدمہ درج کیا ہے جبکہ ڈپٹی ڈائریکٹر چودھری فضل حسین تحقیق کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اتوار کی صبح ایف آئی اے نے انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر میجر مسعود شریف پی ایم سیکرٹریٹ کے بریگیڈیئر محمد اختر خان' ایف آئی اے کرائمز کے ڈپٹی ڈائریکٹر ممتاز احمد ملک "

انٹیلی جنس بیورو کے ڈپٹی ڈائریکٹر رانا عبدالباقی کے علاوہ انٹیلی جنس بیورو کے بعض اہلکاروں کے بیانات قلم بند کئے۔

ایف آئی اے کے ذرائع کے مطابق بریگیڈیئر امتیاز سیکرٹ فنڈز کی انکوائری کے لئے راولپنڈی آئے تھے اور وہ سپیشل انوسٹی گیشن یونٹ کے پاس شامل تفتیش ہوئے۔ جب وہ واپس جا رہے تھے تو انہیں جی 9/4 اسلام آباد کے قریب گرفتار کر لیا گیا جبکہ میجر عامر کو صوابی سے گرفتار کیا گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ اتوار کو بریگیڈیئر امتیاز کی سپیشل جج کے پاس "ان کیمرہ" سماعت ہو گی۔ ایف آئی اے بریگیڈیئر امتیاز کے طبی معائنہ کے بعد ان کا ریمانڈ حاصل کیا جائے گا۔

ایف آئی اے نے بریگیڈیئر امتیاز' میجر عامر اور دیگر شخصیات کے خلاف ایف آئی آر درج کی ہے جس میں کہا گیا کہ ہے کہ حکومت پاکستان کے انٹیلی جنس بیورو نے ستمبر 1989ء میں آپریشن مڈ نائٹ جیکالز "کیا جس میں 12 آڈیو کیسٹیں تیار کی گئیں جس میں اس وقت کی قانونی حکومت کے خلاف غیر قانونی' مجرمانہ سرگرمیوں کا انکشاف ہوا۔ اس آپریشن سے ظاہر ہوا کہ اس وقت کے حاضر سروس بریگیڈیئر امتیاز احمد 17 دسمبر 90ء سے 18 اپریل 93ء تک ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے طور پر ڈی آئی بی کی حیثیت سے کام کیا۔ اور میجر (ریٹائرڈ) محمد عامر (جو اس وقت اسلام آباد میں حاضر سروس آئی ایس آئی کے میجر کمانڈنگ' تھے) ملک نعیم احمد اور دیگر افراد کے ہمراہ حکومتی ارکان قومی اسمبلی کی وفاداریاں تبدیل کرنے کیلئے ہارس ٹریڈنگ میں ملوث پائے گئے۔ انہوں نے یہ کام سیاسی لیڈر شپ کے ایماء پر کیا جس کے لئے وہ کام کر رہے تھے۔ جن کا مقصد قانونی طریقے سے قائم حکومت کو ختم کرنا تھا جبکہ مذکورہ افراد کی غیر قانونی سرگرمیاں حکومت اور مخالف' سیاسی گروپوں کے ساتھ ساتھ اس وقت کی برسراقتدار پارٹی کے ارکان کے درمیان تفرقہ بازی اور معاندانہ جذبات پیدا کرنے کا باعث بنیں۔

اس دوران بریگیڈیئر ریٹائرڈ امتیاز احمد اور میجر ریٹائرڈ محمد عامر نے غیر مجاز افراد کو خفیہ اطلاعات فراہم کیں۔ بعد ازاں بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) امتیاز احمد نے ڈائریکٹر آئی بی (93۔ 1990ء) کی حیثیت سے ایک اخبار نویس / مصنف منیر احمد سمیت غیر مجاز افراد کو خفیہ اطلاعات فراہم کیں۔ منیر احمد نے پاکستان میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سیاسی کردار پر کتاب لکھی جو آپریشن مڈ نائٹ جیکالز میں فراہم کردہ اطلاعات کی بنیاد پر لکھی گئی تھی' بریگیڈیئر ریٹائرڈ امتیاز احمد اور میجر (ریٹائرڈ) محمد عامر اور دیگر افراد نے قومی مفاد کو نقصان پہنچایا۔ لہٰذا بریگیڈیئر امتیاز احمد' میجر ریٹائرڈ محمد عامر' ملک نعیم احمد اور دوسرے افراد نے غداری مجرمانہ سازش کے مرتکب ہوئے جس سے سیاسی گروپوں اور عوام کے درمیان تفرقہ بازی اور معاندانہ جذبات پیدا ہوئے ان کی سرگرمیاں ایک قانونی حکومت کے خلاف ہیں۔ انہوں نے ایک قانونی حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کی لہٰذا ان کے خلاف بغاوت ایکٹ 1973ء کی دفعہ 3' تعزیرات پاکستان کی دفعہ 120۔ بی 121۔ بی' 121۔ اے' 124۔ اے' 153۔ اے اور 109۔ آفیشل سیکرٹ ایکٹ کی دفعہ 3 (بی)' 5 (اے) (ڈی) کے تحت مقدمہ درج کیا گیا ہے۔

گرفتاری میجر مسعود شریف ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو' بریگیڈیئر محمد اختر خان جائنٹ سیکرٹری وزیر اعظم سیکرٹریٹ ملک ممتاز احمد ڈپٹی ڈائریکٹر ایف آئی اے کرائمز' رانا عبدالباقی ڈپٹی ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو اور دیگر اہلکاروں کے بیانات کے بعد عمل میں لائی گئی ہے۔ ان افسران کے بیانات ایف آئی اے ہیڈ کوارٹر میں ایف آئی اے کے سپیشل انوسٹی گیشن یونٹ ایف آئی اے کے افسران ڈپٹی ڈائریکٹر چودھری فضل حسین اور حاجی شوکت محمود نے ریکارڈ کئے۔

ادھر وزیر داخلہ میجر جنرل ریٹائرڈ نصیر اللہ بابر نے کہا ہے کہ انٹیلی جنس بیورو کے سابق سربراہ بریگیڈیئر ریٹائرڈ امتیاز کے خلاف آئین کے آرٹیکل (6) کے تحت مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آپریشن مڈ نائٹ جیکال کے تحت انہوں نے ایک قانونی اور آئینی حکومت کے خلاف سازش کی تھی۔ وزیر داخلہ اتوار کی شام یہاں پارلیمنٹ ہاؤس میں اپنے چیمبر میں اخبار نویسوں سے بات چیت کر رہے تھے۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ بریگیڈیئر امتیاز کے خلاف بڑے الزامات ہیں۔ ایک تو انٹیلی جنس بیورو کے فنڈز خورد برد کرنے اور دوسرا "مڈ نائٹ جیکال آپریشن" کے ذریعے منتخب حکومت کا تختہ الٹنے کا الزام ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایف آئی اے بریگیڈیئر امتیاز کے خلاف تحقیقات کرے گی اور تحقیقات مکمل ہونے کے بعد ان کے خلاف عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ وزیر داخلہ سے استفسار کیا گیا کہ کیا بریگیڈیئر امتیاز کو سابق حکومت کے خلاف وعدہ معاف گواہ تو نہیں بنایا جائے گا تو وزیر داخلہ نے کہا کہ کوئی بھی صاحب کردار آدمی کسی کو وعدہ معاف گواہ بنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ اگر وہ خود مسعود محمود بننا چاہیں تو یہ ان کی اپنی مرضی ہے۔

وزیر داخلہ سے پوچھا گیا کہ کیا انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ کی طرف سے سیکرٹ فنڈز کے استعمال کو قانونی تحفظ حاصل نہیں ہوتا تو انہوں نے کہا کہ انٹیلی جنس بیورو کے کسی سربراہ کو فنڈز کے سلسلے میں قانونی تحفظ حاصل نہیں ہوتا' صرف وزیر اعظم کو اس ضمن میں استثنا حاصل ہے۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ بریگیڈیئر امتیاز کے خلاف آئی بی نے یہ رپورٹ درج کرائی تھی کہ اس کے فنڈز خورد برد کئے گئے ہیں۔ اس لئے ایف آئی اے نے انہیں گرفتار کر لیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا بریگیڈیئر امتیاز ملک سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ نہیں انہیں ایف آئی اے کے دفتر سے گرفتار کیا گیا ہے۔ وزیر داخلہ سے پوچھا گیا کہ کیا مڈ نائٹ جیکال آپریشن میں ملوث دوسرے کرداروں جن میں سینیٹر حاجی گل شیر شامل ہیں کو بھی گرفتار کیا جائے گا تو انہوں نے کہا کہ سینیٹر حاجی گل شیر صرف گواہ ہیں۔ وہ اس آپریشن کے بنیادی کردار نہیں ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ فوج نے بریگیڈیئر امتیاز کو سزا دے دی تھی اب انہیں دوبارہ گرفتار کیوں کیا گیا ہے تو وزیر داخلہ نے کہا کہ فوج نے بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کے خلاف صرف انتظامی ایکشن لیا تھا۔ اگر ان کا فیلڈ کورٹ مارشل ہوتا تو اس صورت میں دوبارہ گرفتاری نہیں ہو سکتی تھی۔ وزیر داخلہ سے پوچھا گیا کہ کیا انٹیلی جنس بیورو کا چارٹر آف ڈیوٹی دوبارہ تحریر کیا جائے گا تاکہ آئندہ کوئی سربراہ زیادتی نہ کرے تو وزیر داخلہ نے کہا کہ چارٹر آف ڈیوٹی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ لوگ اس چارٹر سے تجاوز کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم پاکستان کے لوگوں سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ بریگیڈیئر امتیاز سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کس طرح جائیداد حاصل کی۔ ایک سوال کے جواب میں وزیر داخلہ نے کہا کہ میجر عامر جب ایف آئی اے میں تھے تو اس وقت سب سے زیادہ غیر قانونی طور پر باشندے امریکہ گئے جس کے نتیجے میں پی آئی اے کو بھاری جرمانے کئے گئے۔ میجر عامر سے بھی پوچھ گچھ ہو گی کہ انہوں نے کس طرح جائیدادیں بنائیں۔

ایک سوال کے جواب میں وزیر داخلہ نے کہا کہ بریگیڈیئر امتیاز نے خود کہا ہے کہ انہوں نے 1990ء میں اس وقت کی منتخب حکومت کے خلاف کسی کی ہدایت پر سازش کی تھی۔ ہم سب کچھ عوام کے سامنے لائیں گے۔ مہران بینک سکینڈل کی تحقیقات میں جو مجرم ثابت ہوا اس کے خلاف کارروائی ہو گی۔ مہران بینک سکینڈل کی تحقیقات کے دوران کمیشن صدر کو بھی طلب کر سکتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں وزیر داخلہ نے کہا کہ آئی بی کے سربراہ کے خلاف اگر اس دفعہ ایکشن ہو گا تو آئندہ کوئی بھی سربراہ ایسا نہیں کرے گا اور اختیارات سے تجاوز نہیں کرے گا۔

بی بی سی کے مطابق بریگیڈیئر امتیاز کی اسلام آباد سے گرفتاری اور میجر عامر کی گرفتاری کے لئے ان کے آبائی شہر میں چھاپوں پر بی بی سی نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ یہ گرفتاریاں وفاقی تحقیقاتی ادارہ ایف آئی اے کر رہا ہے۔ سرکاری ذرائع کے مطابق ان دونوں افراد پر سرکاری مشینری کے ناجائز استعمال سے لیکر ایک سابق حکومت کے خلاف سازشیں کرنے کے الزامات ہیں۔ بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کے نام پاکستان کی سیاست پر نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے ملک میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کی سیاست میں مداخلت کے حوالے سے ان افراد کے نام بارہا آتے رہے ہیں اور اول روز سے وزیر اعظم مسز بے نظیر بھٹو کی جماعت انہیں اپنا مخالف تصور کرتی رہی ہے۔

1988ء میں جب مسز بے نظیر بھٹو پہلی بار برسراقتدار آئی تھیں تو اس وقت بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر فوج کے خفیہ ادارے آئی ایس آئی میں اہم عہدوں پر فائز تھے بعد ازاں جب پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش ہوئی اور پھر کچھ عرصے بعد اس حکومت کو برطرف کیا گیا تو مسز بے نظیر بھٹو نے یہ الزام لگایا تھا کہ ان کی حکومت کے خلاف سازشوں میں یہ افراد پیش پیش رہے تھے جہاں نواز شریف کے برسراقتدار آنے کے بعد بریگیڈیئر امتیاز کو سراغرسانی کے سویلین ادارے انٹیلی جنس بیورو کا سربراہ بنا دیا گیا اور میجر عامر کو ایف آئی اے کا ڈائریکٹر اور اس زمانے میں یہ تاثر عام تھا کہ یہ لوگ میاں نواز شریف کے بہت قریبی لوگوں میں سے ہیں۔

پیپلز پارٹی کے دوبارہ برسراقتدار آنے کے فوراً بعد ہی ان افراد کے خلاف تحقیقات کا آغاز ہو گیا تھا خاصا عرصہ تک بریگیڈیئر گرفتاری کے خوف سے چھپے رہے لیکن پھر ایک عدالت سے اپنی گرفتاری کے خلاف حکم امتناعی حاصل کرنے کے بعد منظر عام پر آ گئے۔ پہلے ان پر خفیہ ادارے کی بھاری رقم کے ناجائز استعمال کا الزام تھا اور اب سرکاری ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ اور میجر عامر مزید کئی سنگین الزامات میں مطلوب ہیں ماضی میں بریگیڈیئر امتیاز اپنے خلاف الزامات کی سختی سے تردید کرتے رہے ہیں لیکن یہ بات بھی سب کے علم میں ہے کہ پاکستان میں فوجی اور سویلین انٹیلی جنس ایجنسیاں ملکی سیاست میں مسلسل مداخلت کرتی رہی ہیں اور یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان دونوں افراد کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلتا ہے تو ملکی سیاست کے حوالے سے کئی اہم باتیں سامنے آئیں گی۔

(د)

۲۵ جولائی، ۱۹۹۴ء کے اخبارات میں میجر عامر کی گرفتاری کا دعویٰ کرنے والے وزیر داخلہ جنرل نصیر اللہ بابر کو اگلے دن ۲۶، جولائی ۱۹۹۴ء کے اخبارات میں شائع خبروں کے مطابق تسلیم کرنا پڑا کہ میجر عامر گرفتار نہیں ہوئے۔ ۲۵، جولائی ۱۹۹۴ء کو فوجی قیادت کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں بریگیڈئر امتیاز کیس کا جائزہ لیا گیا۔ حکومت میجر عامر کو گرفتار نہ کر سکی جبکہ بریگیڈئر امتیاز کو کئی ماہ تک جیل میں رکھا گیا۔ ان واقعات کی تفصیل آگے چل کر دی جائے گی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت نے بغاوت کے مقدمے میں بریگیڈئر امتیاز کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیوں کیا اور اس کے پسِ پردہ عوامل کیا تھے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میری کتاب جولائی ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی اور ٹھیک ایک برس بعد حکومت کو اس کتاب کا خیال آیا حالانکہ جولائی ۱۹۹۳ء کے اخبارات میں کتاب کے حوالے سے خبریں شائع ہوئیں اور کتاب کا پہلا ایڈیشن صرف ۲ ماہ کے اندر فروخت ہو گیا۔ دوسرا ایڈیشن بھی جلد ہی فروخت ہوا۔ گویا ۲ ہزار سے زائد کاپیاں چند ماہ کے اندر فروخت ہوئیں۔ لازمی طور پر متعلقہ انٹیلی جینس ایجنسیوں نے بھی کتاب کا مطالعہ کیا ہو گا۔ کتاب کا مقصد کسی ادارے کی تذلیل کرنا قطعاً نہ تھا۔ ان اداروں کی کارکردگی سے وطنِ عزیز کی سالمیّت کا براہِ راست تعلق ہے۔ خفیہ سروس کے ادارے ریاست کی آنکھ اور کان ہیں لیکن جب ان اداروں کو مخالفین کی جاسوسی پر لگا دیا جائے گا تو لامحالہ اداروں کی کارکردگی متاثر ہو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ میرے نزدیک یہ معاملہ بھی فکر کا باعث تھا کہ خفیہ سروس کے بعض ادارے حکمرانِ وقت کو بھی بعض فیصلوں سے لاعلم رکھتے ہیں۔ ان اداروں کا احتساب بھی ضروری ہے لیکن کیا کیا جائے کہ نہ حکومت کو کتاب کی سمجھ آئی اور نہ ہی ادارے میری نیّت کو سمجھ سکے۔ چھ ماہ گزرنے کے بعد عدالت نے اس کتاب سے پابندی اٹھائی اور اب یہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر میں چاہتا تو خفیہ طریقے سے کتاب شائع کروا کر لاکھوں روپے کماتا لیکن عدالت

اور قانون کے احترام میں ایسا نہ کیا۔ زندگی تو سبھی گزار لیتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہیں موت سے بھی اتنی محبت ہوتی ہے جتنا زندگی سے پیار۔ میرا ایمان ہے کہ موت کا وقت معیّن ہے۔ میں نے یہ کتاب جب لکھی تو اس وقت تصور بھی نہ تھا کہ اس طرح بغاوت کے مقدمے میں ملوث کیا جاؤں گا۔ مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا کہ میری وجہ سے بریگیڈئر امتیاز کو کئی ماہ تک جیل میں رہنا پڑا۔ خدا جانتا ہے کہ بریگیڈئر امتیاز نے مجھے کسی قسم کا کوئی ڈاکومنٹ نہیں دیا اور نہ ہی میجر عامر نے کسی سرکاری راز سے مجھے آگاہ کیا۔ یہ کتاب میری ریسرچ کا نتیجہ تھی۔ میری بے شمار لوگوں سے ملاقات رہی۔ ان میں خفیہ سروس کے حاضر اور ریٹائر حضرات بھی تھے۔ کسی نے میری ہمت بندھائی اور کسی نے خوب ڈرایا۔

میں اُن کرم فرماؤں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مقدمے کے اندراج سے قبل دوست اور بھائی ہونے کے بلند و بانگ دعوے کئے اور جس وقت بغاوت کا مقدمہ درج ہوا تو وہ کم کم نظر آنے لگے۔ خدا اللہ بھلا کرے پیر پگاڑو کا جنہوں نے اپنے دستِ راست افتخار شیخ کو کہا کہ ''منیر احمد کا وکیل بن جاؤ۔'' افتخار شیخ نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔ جس وقت وکیل حضرات بھی میرا وکالت نامہ تیار کرنے کو تیار نہ تھے، افتخار شیخ نے عملی طور پر میری مدد کی۔ بغاوت کا مقدمہ درج ہونے کے بعد حکومت سے تعلق رکھنے والے میرے جاننے والے سیاستدانوں نے مجھ سے رابطہ کر کے اظہار ہمدردی کیا۔ اُن کا خیال تھا کہ مقدمے کے اندراج کا مقصد نواز شریف کو قابو کرنا ہے کیونکہ بریگیڈئر امتیاز کا سینہ رازوں سے بھرا ہے۔ سلمان تاثیر نے کہا کہ بغاوت کے مقدمے میں میرا ملوث کیا جانا ان کے لیے باعث حیرت ہے لیکن حکومتی جماعت سے تعلق رکھنے والے کسی سیاستدان کو اس زیادتی کے خلاف آن دی ریکارڈ بات کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ کئی اہم سیاستدان میرے پاس آتے اور کہتے کہ ہماری جماعت کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے، جانے وہ کون ہے جو ایسے غلط فیصلے کروا رہا ہے لیکن جابر حکمران

کے سامنے کلمہ حق کہنے والوں کی قلت نظر آئی۔ اس مقدمے کی وجہ سے کتاب کئی ماہ تک شائع نہ ہو سکی۔ محترم طاہر اسلم گورا سے میرے ایک قابلِ اعتماد ساتھی کی معرفت رابطہ ہوا۔ طاہر اسلم گورا ایک محبت کرنے والے انسان ہیں، انھوں نے کتاب کی اشاعت مختصر وقت میں یقینی بنائی جس کے لیے میں ان کا مشکور ہوں۔

بغاوت کے مقدمے کے اندراج کے بعد جس صورتحال کا مجھے سامنا کرنا پڑا اس کے لیے کئی صفحات درکار ہیں اور ویسے بھی یہ موقع ان تفصیلات میں جانے کا نہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ عبدالستار ایدھی جیسے شخص نے انٹیلی جینس ایجنسیوں کو موردِ الزام ٹھہرا کر لندن جا کر پناہ کیوں لی اور ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین ہر حکمرانِ وقت سے خفیہ سروس کے اداروں کے خلاف شکایت کیوں کرتے ہیں۔ اگر کوئی انٹیلی جینس آفیسر کسی سیاستدان کو اقتدار کے ایوانوں تک لے جائے تو خیر لیکن اگر یہی آفیسر سیاستدان کو سیدھا کرنے کے لیے کوئی حربہ استعمال کرے تو وہ ظالم کہلاتا ہے۔ سیاستدانوں کی اولین ترجیح اقتدار حاصل کرنا ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ انٹیلی جینس ایجنسی کے ٹاؤٹ بھی بنتے ہیں اور ملک دشمن قوتوں کی مدد بھی لینے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ اس کتاب میں صرف اس بات کو موضوع بنایا گیا ہے کہ سیاستدانوں اور انٹیلی جینس ایجنسیوں کا کردار کس قسم کا ہے اور یہ کردار کیا ہونا چاہیے اگر سیاستدان انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سیاسی کردار سے نالاں ہیں تو بعض سینئر انٹیلی جینس آفیسر بھی ان سے خوش نہیں اور ان کا خیال ہے کہ ملک کو سیاستدانوں کے روپ میں کینسر کی طرح نقصان پہنچانے والے تمام افراد کو ایک بحری جہاز میں بند کر کے جہاز غرق کر دینا چاہیے جبکہ بعض کے نزدیک جہاز تباہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کارِ خیر کے لیے جہاز تباہ کرنے کی بجائے کرپٹ سیاستدانوں کو ہوائی جہاز میں سوار کر کے ہزاروں فٹ کی بلندی سے کسی صحرا میں گرا دینا چاہیے۔ یہ دونوں رویے انتہائی جذباتی تو ہیں لیکن حقیقت کے قریب۔ ایک اہم ادارے کا سابق سربراہ ملک کو درپیش

مسائل کا حل انقلاب بتاتا ہے اور انقلاب ہمیشہ خونی ہوتا ہے۔ اچھے دنوں میں تو محبت اور دوستی کا لبادہ اوڑھ کر ملنے والے بہت مل جاتے ہیں لیکن جو شخص مشکل میں ساتھ دے اصل دوست وہی ہوتا ہے۔ بریگیڈئر امتیاز کو بغاوت کے جس مقدمے کا سامنا کرنا پڑا اس کی بنیاد میری کتاب تھی۔ افسوس صرف یہی ہے کہ جس شخص سے اس کتاب کے حوالے سے میں نے معمولی سی بھی مدد نہ لی اس کو میری وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مجھے اس چیز کا بہت دُکھ ہے۔ جہاں تک اس مقدمے کے باعث مجھے پہنچنے والی تکلیف کا تعلق ہے تو اس کا ذمہ دار میں خود ہوں۔ میں جانتا تھا کہ بعض حاسد بدگمانیاں پیدا کر سکتے ہیں لیکن یہ خیال تکلیف کا احساس کم کر دیتا تھا کہ انٹیلی جینس ایجنسی کے اپنے ذرائع ہوتے ہیں اور میرے خلاف کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئے گی جو مجھے ملک دشمن ثابت کر سکے۔ کتاب کا مقصد کسی ادارے، شخص یا حکومت کی تذلیل نہ تھا۔ اگر کسی کو میرے کسی لفظ سے تکلیف پہنچی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ اس اہم موضوع پر قلم اٹھانا بھی ضروری تھا۔ مشکل کے ان لمحات میں جن احباب نے ساتھ دیا ان کا مشکور ہوں۔ امید ہے کہ آئندہ اس موضوع پر لکھنے والوں کی تعداد بڑھے گی۔ کیونکہ پڑھنے والے جاننا چاہتے ہیں کہ قومی سلامتی سے متعلقہ اداروں کو کہیں حکمرانِ وقت تباہ تو نہیں کر رہے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے لیکن اداروں کی ورکنگ کو دیکھتے ہوئے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی ملک دشمن قوت ہماری قومی سلامتی سے متعلقہ اداروں کے وقار میں کمی نہیں کر پائے گی۔

سولہ جنوری ۱۹۹۵ء کو بغاوت کیس کی سپیشل جج سنٹرل راولپنڈی جناب عبدالرشید شیخ کی عدالت میں سماعت شروع ہوئی، کمرہ عدالت میں ایف آئی اے کے حکام میرا وارنٹ گرفتاری لیے کھڑے تھے، تاہم فاضل جج نے میری گرفتاری کی اجازت نہ دی کیونکہ ایف آئی اے نے صرف کاغذی کارروائی کی تھی اور وارنٹ گرفتاری بہت پہلے حاصل کرنے کے باوجود میری گرفتاری کے لیے کوئی کوشش نہ کی۔

(ص)

مقدمے کے اہم کردار سینیٹر شیر گل کو سرکاری وفد کے ساتھ پندرہ جنوری کو مصر بھیج دیا گیا۔ عدالت نے ۲۸-فروری ۱۹۹۵ء تک میرا عبوری ضمانت نامہ تیار کیا جب ایف آئی اے کا عملہ ہتھکڑی لیے میری تاک میں کھڑا تھا۔ بعد ازاں میں نے ایف آئی اے کی تفتیشی ٹیم کے سربراہ حاجی شوکت کی زیرِ نگرانی جاری تفتیش میں شرکت کی۔ مقدمہ تاحال عدالت میں زیرِ سماعت ہے اُمید ہے کہ سچ کی جیت ہو گی۔

منیر احمد

۲۵- جنوری ۱۹۹۵ء

۳۲۸- اے، گلشن راوی

لاہور

نیا ایڈیشن

معروف صحافی منیر احمد کی کتاب "پاکستان میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کا سیاسی کردار" وطن عزیز کی سیاسی تاریخ میں ایک تہلکہ خیز موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جولائی ۱۹۹۴ء میں اس کتاب کی تقسیم و اشاعت روک دی گئی اور پھر جلد ہی عدالت نے کتاب کی تقسیم و اشاعت کی اجازت دے دی۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ کتاب جولائی ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی تو اس کا نوٹس کیوں نہ لیا گیا؟ اور ایک سال بعد اس کی "خبر" کیوں لی گئی؟ اگرچہ اس سوال کے جواب کی اہلِ فکر و نظر کو اب ضرورت نہیں رہی۔

منیر احمد نے کتاب کی صورت میں تحریری طور پر اپنے موقف، دلائل اور ریسرچ کو پیش کیا، بہتر ہوتا کہ اس کا جواب بھی تحریری طور پر ہوتا، دلائل کا جواب دلائل سے دیا جاتا، ایک موقف کے مقابلے میں ایک دوسرے موقف کو پیش کیا جاتا، ریسرچ کا جواب ریسرچ میں ہوتا مگر کتاب کی اشاعت کے ایک سال بعد اچانک شور اُٹھا۔

مثالی بات تو یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی بات کو تحمل سے سُنا کریں اور اپنے موقف کو موقف تک محدود رکھیں اور دلیل کا توڑ دلیل سے کریں۔

طاہر اسلم گورا

اخبارات کے تراشے

(ق)

میجر عامر گرفتار نہ ہو سکے: قبائلی علاقوں میں تلاش شروع: پنج پیر کا گھیراؤ

چھاپہ مار پارٹی نے خواتین کی بے حرمتی کی مساجد کا احترام نہیں کیا: بجلی اور ٹیلی فون کاٹ دیئے گئے ہیں: خاندانی ذرائع

میجر عامر رشتہ داروں کی جانب سے وارنٹ گرفتاری مانگنے کے دوران فرار ہوا: افغانستان پہنچنے کا خدشہ

پشاور (نمائندہ خصوصی) انتظامیہ اور وفاقی اور صوبائی ایجنسیاں ایف آئی اے کے سابق ڈائریکٹر امیگریشن میجر عامر کو گرفتار کرنے میں ناکام ہو گئیں۔ جس کے بعد صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ جات میں میجر عامر کی تلاش شروع کر دی گئی ہے۔ ایف آئی اے کے سابق ڈائریکٹر امیگریشن میجر عامر کی گرفتاری معمہ بن گئی ہے۔ خاندانی

بقیہ نمبر 21 صفحہ 7 کالم 4 پر

بقیہ = 21 گرفتاری میں ناکامی

ذرائع نے میجر عامر کی گرفتاری کی تردید کی ہے۔ میجر عامر پنج پیر مسلک کے روحانی پیشوا کے صاحبزادے ہیں۔ جن کے لاکھوں مرید صوبہ سرحد اور افغانستان میں ہیں آئی ایس آئی کے سابق ملازم میجر عامر کی گرفتاری کے لئے پنج پیر گاؤں میں مساجد اور گھروں میں پولیس کے چھاپوں کے خلاف ضلع صوابی کے عوام میں سخت اشتعال پایا جا رہا ہے اور منگل کی صبح ایک احتجاجی جلسہ اور مظاہرہ ہو گا جس سے جمعیت علمائے اسلام (س) کے سیکرٹری جنرل سینیٹر مولانا سمیع الحق اور میجر عامر کے چھوٹے بھائی شیخ القرآن مولانا محمد طیب جو کہ جماعت اشاعت التوحید والسنت کے سربراہ بھی ہیں خطاب کریں گے۔

میجر عامر کی گرفتاری میں ناکامی کے بعد ایف آئی اے اور پولیس نے گاؤں کا محاصرہ کر لیا تھا۔ میجر عامر کے خاندانی ذرائع نے بتایا کہ اکم ٹیکس سے ایف آئی اے میں تبدیل ہو کر آنے والے گورنر سرحد کے صاحبزادے خوشحال خان اس آپریشن کے نگران تھے۔ میجر عامر کے رشتہ داروں نے چھاپہ مار پارٹی کی روایتی مہمان نوازی کی اور ان سے وارنٹ گرفتاری مانگے جس پر چھاپہ مار پارٹی پریشان ہو گئی۔ انہوں نے چھاپہ مار پارٹی کو کہا کہ وہ وارنٹ گرفتاری لے آئیں۔ چھاپہ مار پارٹی واپس جا رہی تھی کہ ڈپٹی کمشنر نے انہیں ہدایت کی کہ وہ میجر عامر کو گرفتار کر لیں جس پر چھاپہ مار جماعت نے گھر گھر تلاشی لی اور تین گھنٹہ تک میجر عامر کے پچاس رشتہ داروں کے گھروں میں گھسے۔ اہلیان پنج پیر اور میجر عامر کے رشتہ داروں نے الزام لگایا کہ چھاپہ مار پارٹی نے خواتین کی بے حرمتی کی اور مساجد کا بھی احترام نہیں کیا۔ صوابی سے ملنے والی اطلاع کے مطابق پنج پیر گاؤں کی بجلی اور ٹیلی فون لائنیں کاٹ دی گئی ہیں۔

اور پورے علاقہ میں پولیس کی بھاری جمعیت تعینات کر دی گئی ہے اور پورے علاقہ میں گاڑیوں کی چھان بین کی جا رہی ہے۔ ایف آئی اے کے سابق ڈائریکٹر امیگریشن میجر عامر کی گرفتاری میں نااہلی کا مظاہرہ کرنے والی ایف آئی اے کی ٹیم کے خلاف محکمانہ تحقیقات کا حکم دے دیا گیا۔ باخبر ذرائع نے بتایا کہ ضلع صوابی مردان اور قبائلی علاقوں میں میجر عامر کی گرفتاری کے لئے ایجنسیوں کو چوکس کر دیا گیا اور پاک افغان سرحد پر لیڈی پولیس تعینات کی گئی ہے تاکہ وہ برقعہ پوش خواتین کے چہرے دیکھیں پولیٹیکل حکام کا کہنا ہے کہ میجر عامر کے فرار کے بعد سرحدوں پر تعینات ملیشیا کو بھی چوکس کر دیا گیا حکام کو خدشہ ہے کہ میجر عامر افغانستان فرار ہو جائے گا تاہم ایف آئی اے کے حکام کا خیال ہے کہ میجر عامر صوابی میں ہی ہیں اس لئے پورے ضلع میں پولیس تعینات کر دی گئی ہے اور گاڑیوں کی تلاشی بھی لی جا رہی ہے۔ ایف آئی اے کے ذرائع کے مطابق جب میجر عامر کے رشتہ داروں نے ڈپٹی ڈائریکٹر سے وارنٹ گرفتاری مانگے تو میجر عامر کو گھر سے فرار ہونے کا موقع ملا ان ذرائع نے بتایا کہ ڈائریکٹر کو علم نہیں تھا کہ ایف آئی آر درج ہونے کے بعد وارنٹ گرفتاری کی ضرورت نہیں تھی جس پر ڈپٹی کمشنر نے انہیں ہدایت بھی کی تھی۔

(ک)

ایف آئی اے اور پولیس چھاپے مارتی رہی میجر عامر بیرون ملک فرار ہو گئے

میجر عامر کی گرفتاری کے متعلق ایف آئی اے کا دعویٰ غلط ثابت ہوا، پولیس نے پورے ضلع صوابی کی ناکہ بندی کر لی، مختلف مقامات پر چھاپے ناکام رہے

اسلام آباد (پ پ) اسلام آباد میں سرکاری حکام نے اس امر کی تصدیق کر دی ہے کہ میجر عامر نہ صرف گرفتار نہیں ہوئے بلکہ بیرون ملک فرار ہو گئے ہیں۔ وزیر داخلہ نے بھی صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ میجر عامر بیرون ملک فرار ہو گئے

پشاور سے نمائندہ خصوصی کے مطابق میجر عامر کی گرفتاری سے متعلق

بقیہ نمبر 13 صفحہ 7 پر ملاحظہ فرمائیں

بقیہ: 13 فرار

ایف آئی اے کا دعویٰ غلط ثابت ہوا۔ تفصیلات کے مطابق ایف آئی اے نے جب میجر عامر کی گرفتاری کیلئے پنج پیر گاؤں میں چھاپہ مارا تو میجر عامر اپنی رہائش گاہ پر موجود تھے۔ میجر عامر نے ایف آئی اے حکام سے وارنٹ گرفتاری طلب کیا تو ایف آئی اے والے واضح جواب نہ دے سکے اور وارنٹ لینے کیلئے صوابی چلے گئے۔ وہ جب واپس آئے تو میجر عامر غائب ہو چکے تھے۔ پولیس نے پورے ضلع کی ناکہ بندی کر لی ہے اور مختلف مقامات پر چھاپے مارنے کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

بریگیڈیئر امتیاز کی گرفتاری کو ہائیکورٹ میں چیلنج کر دیا گیا

لاہور (وقائع نگار خصوصی) انٹیلی جنس بیورو کے سابق سربراہ بریگیڈیئر امتیاز کی گرفتاری کو لاہور ہائیکورٹ میں چیلنج کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اکرم شیخ ایڈووکیٹ کی وساطت سے دائر کی جانے والی

بقیہ نمبر 7 صفحہ 7 پر ملاحظہ فرمائیں

بقیہ: 7 چیلنج

درخواست میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ بریگیڈیئر امتیاز دل کے مریض ہیں ان کی جان کو خطرہ لاحق ہے لہذا ان کا فوری طور پر طبی معائنہ کروایا جائے اور عدالت میں پیش کیا جائے۔ درخواست میں مزید کہا گیا ہے کہ بریگیڈیئر امتیاز نے کل عدالت میں پیش ہونا تھا لہذا ان کی گرفتاری توہین عدالت کے زمرے میں آتی ہے۔ اس درخواست کی سماعت آج ہو گی۔ (پ)

میجر عامر کی گرفتاری کیلئے پاک افغان سرحد کی نگرانی

پشاور (نمائندہ خصوصی) انٹر سروسز انٹیلی جنس کے سابق افسر میجر (ریٹائرڈ) عامر کی گرفتاری کے لئے سرحدی پولیس کو الرٹ کر دیا گیا ہے۔ پاک افغان سرحد کی سخت نگرانی شروع کر دی گئی ہے۔ طورخم پر پولیٹیکل انتظامیہ کے علاوہ انٹیلی جنس بیورو اور دیگر حساس اداروں کے اہلکار بھی تعینات کر دیئے گئے ہیں۔ آپریشن مڈنائٹ

بقیہ نمبر 45 صفحہ 7 کالم 1 پر

بقیہ 45 میجر عامر

جیکالز کے سلسلے میں تحقیقاتی اداروں کو مطلوب آئی ایس آئی کے سابق افسر میجر ریٹائرڈ محمد عامر جو فرار کو وفاقی تحقیقاتی اداروں کو جل دے کر نکل گئے تھے کو گرفتار کرنے کے لئے وفاقی حکومت کی جانب سے صوبائی حکومت سے رابطہ کے بعد سرحدی پولیس کو چوکس کر دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں گزشتہ شب پولیس کے اعلیٰ افسروں کا اجلاس بھی ہوا۔ میجر عامر کے سرحد پار فرار کے خدشہ کے پیش نظر پاک افغان سرحد پر نگرانی سخت کر دی گئی ہے۔ منگل کو "نوائے وقت" نے طورخم کے پولیٹیکل تحصیلدار سرور خان سے رابطہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ میجر عامر کی گرفتاری کی ہدایت ملنے کے بعد طورخم اور دیگر سرحدی علاقوں میں خاصہ دار فورس تعینات کر دی گئی ہے۔ جبکہ اس کے ساتھ دیگر اداروں کے افراد بھی سرگرم عمل ہیں۔ ان سے جب میجر عامر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں میجر عامر کی کوئی تصاویر فراہم نہیں کی گئیں۔ تاہم ہم تمام مشکوک افراد کی کڑی نگرانی کر رہے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہمیں دھوکہ دینے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو گی۔

میجر عامر کے فرار کی تحقیقات کا حکم

اسلام آباد (نمائندہ نوائے وقت) آئی ایس آئی کے سابق میجر عامر کی گرفتاری کے بارے میں وفاقی وزارت داخلہ ایف آئی اے اور انٹیلی جنس بیورو کے متضاد بیانات نے ان محکموں کی نااہلی واضح کر دی ہے۔ یاد رہے کہ گزشتہ شب ٹی وی کی خبروں میں بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کی گرفتاری کی خبر سنائی گئی۔ اس طرح ایف آئی اے کے

بقیہ نمبر 26 صفحہ 7 کالم 6 پر

بقیہ 26 تحقیقات

ڈپٹی ڈائریکٹر کرائمز اور آپریشن مڈنائٹ جیکالز کے مرکزی کردار ممتاز ملک نے ایف آئی اے کے تھانہ واقع نیو روڈ میں منگل کی شام 6 بجے پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میجر عامر کو گرفتار کر لیا گیا ہے ان کی گرفتاری پیر کی رات ہوئی اور رات 12 بجے اس کی تصدیق ہونے کے بعد انہوں نے یہ خبر اخبار نویسوں کو دی۔ ممتاز ملک نے بتایا کہ میجر عامر کو شام تک پنڈی پہنچا دیا جائے گا تاکہ ان کو ریمانڈ لیا جا سکے۔ تاہم اسی شام وزیر داخلہ جنرل نصیر اللہ بابر نے پارلیمنٹ ہاؤس میں اخبار نویسوں کو بتایا کہ میجر عامر گرفتار نہیں ہو سکے اور فرار ہو گئے ہیں۔ میجر عامر کی گرفتاری اور فرار کے بارے میں وزارت داخلہ کے دو ترجمانوں کے مختلف بیانات نے صورتحال کو مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ تاہم باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ میجر عامر کی گرفتاری میں ناکامی اور ان کے فرار کے واقعہ کی تحقیقات کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ایف آئی اے اور انٹیلی جنس بیورو کے بعض اہلکاروں کے خلاف کارروائی کی جا رہی ہے۔

بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر پر غداری کے مقدمات غلط اقدام ہے: گل حمید

اسلام آباد (این این آئی) آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل نے بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر پر

بقیہ نمبر 38 صفحہ 5 کالم 2 پر

بقیہ 38 حمید گل

غداری کے مقدمات اور ان کی گرفتاری کے حکومتی فیصلے کو ایک انتہائی غلط اقدام قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت نے اس وقت جبکہ ملک گمبھیر صورتحال سے دوچار ہے "محاذ آرائی" کا ایک نیا دروازہ کھول دیا ہے۔ پیر کی شام "این این آئی" سے بات چیت کرتے ہوئے جنرل حمید گل نے کہا کہ ان دونوں افسران کو فوج نے ان پر عائد کئے گئے الزامات کی پہلے ہی سزا دے دی تھی اور ان کی 25 فیصد پنشن کم کر دی تھی اور انہیں "آن فالٹ" قرار دیتے ہوئے ریٹائرڈ کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک جرم کی دو دفعہ سزا دی جائے۔ انہوں نے ان افسران کے خلاف کی جانے والی حکومتی کارروائی پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ معلوم نہیں کہ موجودہ حکمران ملک کو کس ڈگر پر لے جانا چاہتے ہیں جبکہ ملک پہلے ہی سنگین مسائل سے دوچار ہے۔ موجودہ صورتحال میں تو حکومت کو ان معاملات میں پڑنا ہی نہیں چاہئے تھا کیونکہ اس وقت تو ملک میں یکجہتی کا پہلے ہی فقدان ہے اور اس اقدام کے نتیجے میں فاصلے مزید بڑھیں گے اور فوج پر عوام کا اعتماد بھی مجروح ہو گا۔

چند بڑے سیاسی رہنماؤں کی گرفتاری بھی عمل میں آ سکتی ہے: ذرائع

اسلام آباد (پی پی اے) آپریشن جیکالز کے مرکزی کرداروں بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر نے گرفتاری سے قبل [illegible] کے تعلقات پر ملک سے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔ انتہائی باخبر ذرائع کے مطابق اس سلسلے میں تمام جعلی کاغذات مکمل کر لیے گئے تھے۔ اور ایک یورپی ملک کے ٹکٹ بھی حاصل کر لئے گئے تھے لیکن حکومت کو

بقیہ نمبر 39 صفحہ 5 کالم 2 پر

بقیہ 39 گرفتاری

بروقت اطلاع ہو جانے کی وجہ سے وہ ملک سے فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ذرائع کے مطابق ابتدائی تفتیش میں سنسنی خیز انکشافات کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے آئندہ چند روز میں ملک کے اندر چند بڑے سیاسی رہنماؤں کی گرفتاری بھی عمل میں آ سکتی ہے۔

(۵)

بریگیڈیئر امتیاز کی گرفتاری کو لاہور ہائیکورٹ میں چیلنج کر دیا گیا

درخواست گزار کے خلاف کوئی دوسرا مقدمہ درج نہیں پہلے مقدمے میں ضمانت منظور ہو چکی ہے اسے گرفتار کر کے عدالت میں پیش ہونے سے روکا گیا

لاہور (وقائع نگار خصوصی) انٹیلی جینس بیورو کے سابق سربراہ بریگیڈیئر امتیاز کے وکیل مسٹر محمد اکرم شیخ نے بریگیڈیئر امتیاز کی گرفتاری کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں توہین عدالت کی درخواست دائر کر دی جس میں استدعا کی گئی ہے کہ درخواست گزار کی گرفتاری کو حبس بے جا تصور کرتے ہوئے۔ انہیں عدالت میں

بقیہ نمبر 28 صفحہ 7 کالم 6 پر

معلومات کے مطابق اس کے خلاف کوئی دوسرا مقدمہ درج نہیں ہے جبکہ اس کے خلاف پہلے سے درج مقدمہ میں اس کی ہائیکورٹ سے 26 جولائی تک ضمانت قبل از گرفتاری منظور ہو چکی ہے۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ درخواست گزار دل کا مریض ہے اس کا دل کا آپریشن ہو چکا ہے۔ اس لئے خدشہ ہے کہ اسے تشدد کا نشانہ بنانے کی صورت میں اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ درخواست گزار کی گرفتاری کی کارروائی بدنیتی پر مبنی اور اختیارات سے تجاوز اقدام ہے اس لئے اس کی گرفتاری کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی عمل میں لائی جائے۔

بقیہ = 28 چیلنج

پیش کرنے کے احکام جاری کئے جائیں اور مدعا علیہان سے اس امر کی یقین دہانی کرائی جائے کہ درخواست گزار کو نہ تو ہراساں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے گی۔ فاضل عدالت عالیہ میں دائر کی گئی اس درخواست میں یہ استدعا بھی کی گئی ہے کہ مدعا علیہان کے خلاف توہین عدالت ایکٹ کی دفعہ 3، 5 اور آئین کی دفعہ 204 کے تحت کارروائی عمل میں لائی جائے اور درخواست گزار کو مسلح افواج کے انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی میں داخل کرنے اور ان کا طبی معائنہ کرانے کی ہدایت بھی کی جائے۔

درخواست میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ درخواست گزار نے اپنے خلاف درج مقدمات میں ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست فاضل عدالت عالیہ میں 12 جولائی کو دائر کی تھی جو ابھی زیر سماعت ہے جبکہ 23 جولائی کی شام درخواست گزار کو لاہور میں اطلاع ملی کہ اسلام آباد میں اس کے گھر پر ایک روبکار بھجوائی گئی ہے۔ جس میں اسے ایف آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر عمر حیات کے روبرو تفتیش کیلئے پیش ہونے کیلئے کہا گیا ہے جبکہ وہ پہلے ہی مذکورہ کیس میں 30 سے زائد مواقع پر تفتیش کیلئے پیش ہو چکا ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی درخواست گزار نے اپنے وکیل کو اس صورتحال سے آگاہ کیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ ہائیکورٹ میں دائر درخواست گزار کی درخواست کو غیر موثر بنانے کیلئے اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ درخواست گزار کے وکیل نے اس پر ایف آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر سے رجوع کیا جنہوں نے یقین دلایا کہ درخواست گزار کو نہ گرفتار کیا جائے گا اور نہ ایسا کوئی ارادہ ہے چنانچہ درخواست گزار اس یقین دہانی کے بعد مذکورہ تفتیشی افسر کے روبرو تفتیش کیلئے پیش ہو گیا اور شام پانچ بجے تک وہاں رہا لیکن تفتیش مکمل ہونے کے بعد سادہ کپڑوں میں ملبوس اہلکاروں نے اسے حراست میں لے لیا۔

اس لئے یہ گرفتاری توہین عدالت کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ درخواست گزار کی درخواست ضمانت ہائیکورٹ میں پہلے ہی زیر سماعت ہے کیونکہ اسے گرفتار کر کے عدالت میں پیش ہونے سے روکا گیا ہے۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ درخواست گزار کی

ہائیکورٹ غداری کے مقدمہ کے اندراج کی رٹ خارج کر چکی ہے ○ ملک نعیم

کسی حکومت کو ہٹانے کے لئے عدم اعتماد پیش کرنا اور اس کے لئے لابنگ کو غداری کے مترادف قرار نہیں دیا جاسکتا

اسی الزام پر غداری کے مقدمے بننے ہیں تو پہلے بے نظیر اور ان کی کابینہ پر یہ مقدمات بننے چاہئیں

لاہور (اپنے سٹاف رپورٹر سے) سابق وفاقی وزیر اور قومی اسمبلی [کے] رکن ملک نعیم خاں نے ان کے خلاف بغاوت ایکٹ کے تحت [مقد]مہ درج کرنے کے اقدام کو احمقانہ، بے بنیاد اور جھوٹا قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ قومی اسمبلی میں کسی حکومت کو ہٹانے کیلئے عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنا اور اس کے لئے لابنگ کرنا آئین اور قانون کے مطابق ہے اسے غیر آئینی اور غداری کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لاہور میں اپنی اقامت گاہ پر اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا میں ضمانت قبل از گرفتاری نہیں کراؤں گا کیونکہ

بقیہ نمبر 23 صفحہ 7 کالم 5 پر

بقیہ 23 ملک نعیم

یہ کیس بوگس، حقائق سے دور اور بد نیتی پر مبنی ہے۔ انہوں نے کہا پیپلز پارٹی کے موجودہ سیکرٹری جنرل شیخ رفیق نے میرے، میجر عامر، ریٹائرڈ بریگیڈئر امتیاز اور گل شیر کے خلاف اسی "مڈنائٹ جیکالز" نامی دستاویز کے تحت غداری کے تحت مقدمہ درج کرنے کیلئے عدالت عالیہ میں رٹ درخواست دائر کی تھی جسے خارج کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جس بات کی آئین میں اجازت ہے اس کو غداری سے کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے 1989ء میں اس وقت کی حکومت کو ہٹانے کیلئے قومی اسمبلی کے صرف تین ارکان بے نظیر بھٹو، نصرت بھٹو اور اعتزاز احسن کے سوا تمام ارکان کی حمایت حاصل کرنے کیلئے بات چیت کی کیونکہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس وقت بے نظیر کی حکومت بدعنوانی میں ملوث ہے اور عوام کے مسائل حل کرنے کی اہل نہیں۔

انہوں نے کہا اس وقت ایم ای ایس کے ایک افسر ملک ممتاز نے حکومت کی جانب سے بات چیت میں حصہ لیا اور قومی اسمبلی کے 4 اراکین کو رقم دینے کی بات چیت کی تھی جو ارکان اسمبلی کو سینیٹر گل شیر کی رہائش گاہ پر ہم سے ملواتا تھا ہم نے اس کی دل لگی کی خاطر رابطہ جاری رکھا ایک وقت پر ملک ممتاز نے کہا کہ مجھے پیسے دو تو معراج خالد کو بھی لے آتا ہوں لیکن ہم نے کہا کہ عدم اعتماد ہو لینے دو پھر بات کریں گے جب اس نے اس طرح کی بیہودہ باتیں جاری رکھیں تو میں نے کہا کہ اب میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کے خلاف آئینی طور پر عدم اعتماد کی تحریک لانے پر ملک سے غداری کے مقدمے بنتے ہیں تو 1993ء کے بعد بے نظیر اور ان کی کابینہ پر پہلے یہ مقدمے بننے چاہئیں اس کے بعد ہم چھوٹے کارکنوں کی باری آئے گی۔ انہوں نے کہا ایسا لگتا ہے کہ موجودہ حکومت کے آخری دن آگئے ہیں اور وہ انتہائی احمقانہ طریقے سے اپوزیشن کے خلاف مقدمات درج کروا رہی ہے۔ اس وقت ہم نے قومی اسمبلی کے ارکان سے جو رابطے کئے تھے اس میں کوئی بھی خفیہ بات نہیں تھی جبکہ دو ماہ بعد ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ہماری باتیں ٹیپ کر لی گئی ہیں اور حکومت نے بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کو پاداش میں ریٹائر کر دیا ہے جب عدم اعتماد کی تحریک پیش ہوئی تو پیپلز پارٹی چالاکی سے ہمارے دو ایم این اے غلام احمد مانیکا اور اکبر لاسی کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ انہوں نے کہا ہم نے عدم اعتماد کی تحریک کے سلسلہ میں نہ قومی اسمبلی کے کسی رکن کو پیسے دیے اور نہ ہی کسی نے پیسے مانگے جبکہ بے نظیر بھٹو نے 1989ء میں پنجاب کی حکومت گرانے کے لئے رقم فراہم کی تھی اور اسے بڑی مشکل سے بچایا گیا۔

انہوں نے کہا کہ 1993ء کے بعد جس طرح بے نظیر اور اس کی کابینہ نے سرحد حکومت ہم سے چھین لی وہ بھی سب کے سامنے ہے اور اب محترمہ ہمارے پنجاب اسمبلی کے ارکان سے رابطے کر رہی ہیں کہ ہمارے ساتھ مل جاؤ تو ہم پنجاب سے وٹو کا خاتمہ کر دیں گے۔ انہوں نے کہا جب بھی آگ آخری لمحوں میں ہوتی ہے تو زیادہ شعلے چھوڑتی ہے یہی حال اب اس حکومت کا لگ رہا ہے کیونکہ ایک طرف حکومت اپوزیشن سے کشیدگی کم کرنے کی بات کرتی ہے جبکہ دوسری طرف حکومت نے کرپشن کا بازار گرم کر رکھا ہے اور ملکی سلامتی کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے اس لئے ہمیں غور کر کے ہی عدم اعتماد کی تحریک پر کام کرنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ محترمہ کے آدھے اتحادی انہیں چھوڑ چکے ہیں اور آدھے چھوڑنے کے لئے ہم سے رابطہ کر رہے ہیں اور ہاں مرتضیٰ بھٹو سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ اتنے احمقانہ اور بوگس کیس ہیں کہ میں اپنی ضمانت قبل از گرفتاری نہیں کرواؤں گا۔ بلکہ حکومت سے باقاعدہ حساب لیا جائے گا۔ ہم پر تو ایم این اے سے باتیں کرنے اور ان سے لابنگ کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے جبکہ خود 600 سکھ مروا بیٹھے ہیں اس لئے غداری کے مقدمے کے لئے تو خود ان کو تیار رہنا چاہئے۔

بریگیڈئر امتیاز کا ایک ہفتے کیلئے جسمانی ریمانڈ لے لیا گیا

راولپنڈی (پی پی اے) "آپریشن مڈنائٹ جیکالز" کے گرفتار [شدہ] مرکزی کردار اور آئی بی کے سابق سربراہ بریگیڈئر (ریٹائرڈ) [ام]تیاز احمد کو سپیشل جج اسلام آباد کی عدالت میں پیش کر کے ایک ہفتے کا جسمانی ریمانڈ لے لیا گیا ہے جبکہ اس آپریشن کے دوسرے کردار میجر (ریٹائرڈ) عامر کو کل منگل کے روز عدالت میں پیش کیا جائے گا۔

بقیہ نمبر 25 صفحہ 7 کالم 5 پر

بقیہ 25 بریگیڈئر امتیاز/ریمانڈ

پی پی اے کے مطابق بریگیڈئر (ریٹائرڈ) امتیاز کا ریمانڈ حاصل کر کے وفاقی تحقیقاتی ادارہ ایف آئی اے کے تحقیقاتی یونٹ (ایس آئی یو) نے اپنی تحقیقات کا دائرہ وسیع کر دیا ہے اور "پاکستان میں ایجنسیوں کا سیاسی کردار" نامی کتاب کے مصنف منیر احمد کو شامل تفتیش کر لیا گیا ہے جبکہ اس سارے "آپریشن" کے تمام پہلوؤں پر رول پلے کرنے والے پاکستان مسلم لیگ کے متعدد اراکین اسمبلی کو شامل تفتیش کیا جائے گا۔ تفصیلات کے مطابق انٹیلی جنس بیورو کے سابق سربراہ بریگیڈئر امتیاز کو پیر کی صبح اسلام آباد کے سپیشل جج جناب دوست محمد کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ کمرہ عدالت میں جاتے ہوئے آئی بی کے سربراہ مایوس نظر آ رہے تھے جبکہ ضلع کچہری اسلام آباد میں سول کپڑوں کا سماں تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر حساس اداروں کے افسران اور جوانوں کی ایک بڑی تعداد متحرک نظر آ رہی تھی۔ ادھر ایک انتہائی باخبر ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ بریگیڈئر امتیاز اور میجر (ریٹائرڈ) عامر دونوں مل کر افغانستان کی اعلیٰ شخصیات کے ساتھ منشیات، جدید اسلحہ کی سمگلنگ کے ساتھ دیگر غیر قانونی سرگرمیوں میں سرگرم عمل رہے ہیں جبکہ انہوں نے اربوں روپے مالیت کی جائیداد اور دیگر املاک ملک بھر میں مختلف جگہوں پر بنائی ہیں۔ ذرائع نے بتایا کہ "ڈائنامائٹ آپریشن" کے دونوں مرکزی کرداروں نے یو این او کی جانب سے افغان مہاجرین کو عطیات کے طور پر ملنے والی سینکڑوں گاڑیوں کے نمبر تبدیل کر کے آگے فروخت کیں اور درجنوں گاڑیاں اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں کو تحفے میں پیش کیں۔ ذرائع نے کہا کہ ان گاڑیوں کے اصل نمبرز تبدیل کر کے سیریل ڈی ای اور ڈی پی سیریل کے سینکڑوں نمبر لگائے گئے۔ جبکہ تحقیقاتی ادارے نے تمام گاڑیوں کی تلاش شروع کر دی ہے اور گاڑیاں حاصل کرنے والے افراد کی فہرست تیاری کے آخری مراحل میں ہے اور آئندہ چند روز تک اہم انکشافات کی توقع ہے۔ اسلام آباد میں مقیم بعض شخصیات اس کیس میں اپنے آپ کو بچانے کیلئے نامعلوم جگہوں پر چلے گئے ہیں۔

غداری کا مقدمہ اسلم بیگ کو شامل تفتیش کرنے کا فیصلہ؟

غلام اسحٰق کو بھی شامل تفتیش کیا جاسکتا ہے ○ ڈپٹی ڈائریکٹر ایف آئی اے کا دعویٰ

1989ء میں [illegible]

اسلام آباد (نمائندہ نوائے وقت) ایف آئی اے اور انٹیلی جنس بیورو کی مشترکہ تحقیقاتی ٹیم نے آپریشن مڈنائٹ جیکالز میں ملوث دو کرداروں بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) امتیاز احمد اور میجر عامر کی گرفتاری کے بعد ان تمام افراد کو بھی شامل تفتیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو 1989ء میں بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے میں ملوث تھے۔ ان میں سابق

بقیہ نمبر 30 صفحہ 7 کالم 7 پر

بقیہ = 30 ممتاز ملک

چیف آف آرمی سٹاف جنرل اسلم بیگ مرزا اور بعض دوسرے اعلیٰ عہدیدار بھی شامل ہیں اس امر کا اعلان ایف آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر [illegible] ممتاز ملک نے پیر کی سہ پہر کو پریس کانفرنس سے خطاب کے دوران ممتاز ملک نے کہا کہ ضرورت پڑی تو تفتیشی ٹیم اس کیس میں سابق صدر غلام اسحاق خان سے بھی پوچھ گچھ کرے گی۔ کیونکہ مڈنائٹ جیکالز کیس میں یہ بات بھی سامنے آگئی ہے کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے لئے حکومتی پارٹی کے ارکان کی وفاداریاں خریدنے کے دوران بریگیڈیئر امتیاز نے واضح طور پر کہا تھا کہ اگر بے نظیر کی حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد منظور نہ ہوئی تو صدر غلام اسحاق خان اسمبلیاں توڑ دے گا۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بے نظیر کی برطرفی کی سازش میں صدر کا نام بھی لیا گیا۔ ممتاز ملک نے کہا یہ ممکن ہے کہ بریگیڈیئر امتیاز نے محض صدر غلام اسحاق خان کا نام استعمال کیا ہو تاہم اس کا فیصلہ تو تفتیش کے دوران ہی ہو گا۔

ممتاز ملک نے اس موقع پر اخبار نویسوں کو اس کیس کے حوالے سے بتایا کہ بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کسی طور بھی اس حیثیت اور طاقت کے حامل نہیں ہو سکتے کہ ایک منتخب حکومت کا تختہ الٹ سکیں یا اس کے خلاف سازش کر سکیں۔ ان کے پیچھے بعض طاقتیں کارفرما تھیں جنہوں نے انہیں اس کام میں لگا رکھا تھا ہم ان عناصر تک بھی پہنچیں گے جو اس سازش کے پس پردہ کارفرما تھے اس ضمن میں قائد حزب اختلاف نواز شریف کے کردار کے بارے میں انہوں نے کہا کہ آپریشن مڈنائٹ جیکالز کے دوران آخری موقع پر جب ارکان اسمبلی کی وفاداریاں خریدنے کا سلسلہ شروع تھا وزیراعلیٰ پنجاب کی حیثیت سے نواز شریف بھی اس اہم اجلاس میں شرکت کے لئے مری سے پنڈی آ رہے تھے اور ان کی گرفتاری کی تمام تیاریاں مکمل تھیں لیکن میاں زاہد سرفراز نے چھتر کے مقام پر انہیں روک کر اس کارروائی سے باخبر کر دیا اس طرح نواز شریف مری کے بغیر سیدھے لاہور چلے گئے اور انہوں نے جہاز کا سفر کرنے کی بجائے سڑک کے ذریعے لاہور جانے کو ترجیح دی کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ اسلام آباد ائرپورٹ پر انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ ممتاز ملک نے کہا کہ اگر اس دن نواز شریف اس اجلاس میں پہنچ جاتے تو اس ملک کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ممکن ہے کہ اس صورت حال کے نتیجہ میں مارشل لاء لگ جاتا لیکن نواز شریف وزیراعظم نہ ہوتے۔

[illegible] نے کہا کہ بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کے خلاف جن الزامات کے تحت مقدمہ درج کیا گیا ہے انہیں انہی الزامات کے تحت فوج سے نہیں نکالا گیا بلکہ آئی ایس آئی کے افسران کی حیثیت سے ان کے سیاسی طرز عمل کے خلاف وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے جی ایچ کیو کو شکایت کی تو جی ایچ کیو نے [illegible] ایکشن کے تحت ان افسروں کو ریٹائر کر دیا حالانکہ ایک منتخب حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والے افسران کا کورٹ مارشل ہونا چاہئے تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایڈیم ایکشن تو ان فوجی افسروں کے خلاف لیا جاتا ہے جو [illegible] ہوں ریزمی پر کھڑے ہو کر چھولے کھاتے ہوں یا ان کی وردی ٹھیک نہ ہو تو ایسے افسر کو آرمی سے فارغ کر دیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس موقف کو غلط قرار دیا کہ [illegible] ایک ہی جرم میں دو بار سزا نہیں دی جا سکتی [illegible] میجر عامر اور بریگیڈیئر امتیاز اس جرم کی سزا آرمی سے پانے کے بعد اب سول قانون کا نشانہ نہیں بن سکتے ممتاز ملک نے کہا کہ جو جرم ان دونوں نے کیا ہے اس کی سزا تو انہیں ملی ہی نہیں۔

جہاں تک آپریشن مڈنائٹ جیکالز کے کرداروں کے خلاف کارروائی میں تاخیر کا تعلق ہے تو 1989ء میں بے نظیر کو سینٹ میں اکثریت حاصل نہیں تھی قومی اسمبلی میں بھی ان کے خلاف سازشیں جاری تھیں صدر غلام اسحاق خان اور چیف آف آرمی سٹاف اسلم بیگ سمیت بعض فوجی افسران سازشوں میں معروف تھے بے نظیر بھٹو نے محاذ آرائی کی بجائے صبر سے کام لیا لیکن اب سازش کے سارے کرداروں کو بے نقاب کرنے اور کیفر کردار تک پہنچانے کا وقت آ گیا ہے تاہم حکومت اس حوالے سے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرے گی قانون اپنا راستہ خود متعین کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ جولائی 1993ء میں انٹیلی جنس کے کردار کے عنوان سے منیر احمد نے جو کتاب لکھی اس میں بعض ٹاپ سیکرٹ معلومات اور دستاویزات کا حوالہ دیا گیا جو ماضی کی حکومتوں سے متعلق ہیں یہ ساری معلومات انٹیلی جنس بیورو کی فائلوں میں موجود تھیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ منیر احمد کو یہ راز کیسے مل گئے یہ کتاب بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر نے لکھوائی ہے جس میں ساری معلومات حتیٰ کہ فائلیں تک مصنف کے حوالے کی گئیں۔ ان معلومات کی وجہ سے بھارت کو ہماری قومی سلامتی سے متعلق بعض اہم راز معلوم ہو گئے اس طرح پاک فوج کو بھارت سے متعلق جو اہم معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ ذرائع بھارت نے بلاک کر دیئے ہیں۔

اس طرح بریگیڈیئر امتیاز نے اس طرز عمل سے پاکستان کی سلامتی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا انہوں نے کہا کہ آپریشن مڈنائٹ جیکالز کی 12 کیسٹیں تھیں جن میں سے 7 دستیاب ہیں جبکہ 5 غائب ہیں ہم بقیہ 5 کیسٹوں کی برآمدگی کیلئے بریگیڈیئر امتیاز اور میجر ناصر سے پوچھ گچھ کریں گے اسی طرح منیر احمد کو بھی شامل تفتیش کریں گے کہ اس نے یہ عسکری معلومات کیسے حاصل کیں ہمیں یقین ہے کہ وہ وعدہ معاف گواہ بن جائے گا ممتاز ملک نے کہا کہ بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کا جہاد افغانستان اور کشمیر سے کوئی تعلق نہیں یہ محض اپنے حامیوں سے اس قسم کے قصے لکھواتے رہے اگرچہ اتنے چالاک اور سیانے افسر ہوتے تو میرے گھر میں ان کی گفتگو کی ریکارڈنگ ہوتی رہی اور انہیں علم نہیں ہو سکا ان دونوں نے اپنے دور میں مخالفین کے علاوہ اپنے حامیوں کے ٹیلی فون ٹیپ کئے ان کی ویڈیو فلمیں بنوائیں بعد میں بریگیڈیئر امتیاز چائے پر بلا کر ان رہنماؤں کو ان کی فلمیں دکھا کر بلیک میل کرتا رہا۔

بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ چند روز قبل کیا گیا کیونکہ یہ دونوں ملک سے فرار ہونے کی کوشش میں مصروف تھے اس ضمن میں بریگیڈیئر امتیاز نے فیصل آباد کے ایک شخص اسلم چودھری سے بھی رابطہ کیا حاجی لعل دین ساکن گورونانک روڈ سے بھی ان کا رابطہ تھا بریگیڈیئر امتیاز نے 2 لاکھ روپے دے کر جعلی پاسپورٹ بنوایا گذشتہ 5 دنوں سے وہ گھر سے غائب تھا اور اس نے 5 مختلف موبائل فون نمبروں سے اپنے گھر رابطہ کیا وہ کل بیرون ملک فرار ہونے کیلئے آخری بار گھر آیا جس کے بعد اسے گرفتار کر لیا گیا۔ میجر عامر کے بارے میں ممتاز ملک نے کہا کہ یہ شخص انتہائی بدعنوان تھا اس نے اپنے گاؤں میں جو کوٹھی بنوائی اس کے لئے صرف 5 لاکھ روپے کی لکڑی بیرون ملک سے درآمد کی گئی جو شریف چودھری نامی اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایف آئی اے لیکر کراچی سے آیا تھا میجر عامر نے ڈائریکٹر امیگریشن کی حیثیت سے 20 ہزار غیر قانونی افراد امریکہ یورپ کینیڈا اور جاپان بھجوائے اور کروڑوں روپے کمائے اس کام میں اس کے بھائی نے خان تورز کے نام سے بلیو ایریا میں ٹریول ایجنسی کھول رکھی تھی جو میجر عامر کے جاتے ہی ختم ہو گئی۔ میجر عامر کے اس طرز عمل کی وجہ سے امریکہ نے دھمکی دی کہ وہ غیر قانونی تارکین وطن کو روکنے کیلئے پی آئی اے کی پروازوں پر پابندی لگوا دے گا اس عرصہ میں پی آئی اے کو غیر قانونی مسافروں کو امریکہ لے جانے کی وجہ سے جرمانہ ادا کرنا پڑا حتیٰ کہ امریکی حکومت نے میجر عامر کو ڈائریکٹر امیگریشن کے عہدے سے ہٹانے کا مطالبہ کیا جس پر نواز شریف [illegible] کی طاقت نہیں رکھتے تھے میجر عامر ڈرگ کی سمگلنگ اور اسلحہ کے کاروبار میں بھی ملوث تھا اسلحہ کے لین دین میں بریگیڈیئر امتیاز بھی شریک تھا آئی ایس آئی میں اپنی تعیناتی کے دوران یہ دونوں افراد افغان مجاہدین کے لئے بیرون ملک سے آنے والا امدادی اسلحہ مجاہدین کے ہاتھ فروخت کرتے تھے اندرون ملک بھی افغان تنظیموں کا اسلحہ فروخت کرنے کا کاروبار انہوں نے گرم کر رکھا تھا بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کے پاس 1993ء سے قبل گھر اور گاڑی تو کجا کوارٹر اور سائیکل تک نہ تھی

لیکن ضیاء الحق اور میاں نواز شریف کی مہربانیوں سے یہ دونوں کروڑوں روپے کے مالک بن گئے ہیں۔ بریگیڈیئر امتیاز کی ملکیت مکان نمبر 206 سٹریٹ 18 ایف ٹین تو اسلام آباد مکان نمبر 412 ایف الیون ون اسلام آباد، مسز نسرین امتیاز (اہلیہ) پلاٹ نمبر 412 ایف الیون ون اسلام آباد، عمر امتیاز (بیٹا) پلاٹ نمبر 589، آئی 10/6 اسلام آباد، ندیم امتیاز (بیٹا) مکان نمبر 577 جی ٹین تو اسلام آباد، مریم امتیاز مکان نمبر [illegible] ایف ٹین ون ہیں۔ یہ مکانات 2 سال کے عرصہ میں بنائے گئے۔ جن کی مالیت ساڑھے تین کروڑ روپے ہے۔ اس کے علاوہ سندھ میں پلازے اور فارم ہیں اس خاندان کی ملکیت ہیں۔ یہ مکانات راسکو نامی تعمیراتی کمپنی نے تعمیر کر کے دیئے جو سی ڈی اے اور پی سی میں بریگیڈیئر امتیاز کی مدد سے ٹھیکے حاصل کرتی رہی۔ ممتاز ملک نے کہا کہ بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر نے اپنے دوست صحافیوں کو بھی بڑا نوازا۔ ان کی تعداد 35 ہے۔

انٹیلی جنس بیورو کی گاڑیاں ان صحافیوں کو دی گئیں۔ انہیں نقد رقم بھی دی گئی۔ ان صحافیوں میں سے جن 8 افراد کے نام انہوں نے لئے ان میں زاہد ملک، خلیل ملک، حافظ اسحاق، نذیر ناجی، کامران خان، صالح ظافر، نصرت جاوید اور مسعود ساحر شامل ہیں۔ ان صحافیوں کو بریگیڈیئر امتیاز نے انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ کی حیثیت سے محکمے کی گاڑیاں دیں۔ جو کئی کئی ماہ تک ان کے پاس رہیں۔ ان گاڑیوں کے ڈرائیور سرکاری تھے اور پٹرول کا خرچ محکمہ ادا کرتا تھا۔ ایک صحافی کے بیٹے کے ویسے کا بل جو 35 ہزار روپے تھا وہ بھی انٹیلی جنس بیورو کے کھاتے سے ادا کیا گیا۔ انٹیلی جنس بیورو کے سیکرٹ فنڈ سے لاہور اور اسلام آباد سے ایک اردو اخبار نکالا گیا جسے کروڑوں روپے دیئے گئے۔ اس اخبار کے نام کے بارے میں استفسار پر ممتاز ملک نے کہا کہ اس اخبار کا کام صرف شرفاء کی پگڑیاں اچھالنا ہے آپ خود سمجھ جائیں کہ یہ کون سا اخبار ہے۔

میجر عامر ڈائریکٹر امیگریشن کی حیثیت سے تین صحافیوں کو دوبئی لے گیا۔ حیات ریجنسی ہوٹل میں ٹھہرا اور انہیں لاکھوں روپے کی شاپنگ کرائی۔ انہوں نے کہا "نوائے وقت" ایک بڑا اخبار ہے اس کے ایڈیٹر مجید نظامی کے زیر استعمال بھی انٹیلی جنس بیورو کی گاڑی رہی۔ دریں اثناء "نوائے وقت" کے ایگزیکٹو ایڈیٹر اور دی نیشن کے ایڈیٹر مسٹر عارف نظامی نے کہا ہے کہ ایف آئی اے کے ایک جونیئر لیول کے افسر نے چیف ایڈیٹر "نوائے وقت" کے بارے میں جو بے بنیاد اور بے سروپا الزام عائد کیا ہے وہ اس حد تک مضحکہ خیز ہے کہ اس کی تردید کی بھی ضرورت نہیں چونکہ ایف آئی اے کے افسر ممتاز ملک نے یہ بات ریکارڈ پر کہی ہے اور اسے کردار کشی کی مہم کا ایک حصہ بنایا گیا ہے جو قومی سطح کے افراد کے خلاف بعض حلقوں کی طرف سے چلائی جا رہی ہے۔ اس لئے ادارہ "نوائے وقت" اس افسر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھتا ہے اور اس سلسلے میں اپنے قانونی ماہرین سے مشورہ کر رہا ہے۔ ممتاز ملک نے کہا کہ حکومت ان صحافیوں کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرے گی۔ جو انٹیلی جنس بیورو کے وسائل استعمال کرتے رہے۔

ہم ان کا معاملہ صحافتی تنظیموں پر چھوڑتے ہیں۔ اس ضمن میں مزید تفصیلات بھی جاری کی جائیں گی۔ انہوں نے اس امر کی تردید کی کہ وہ بے نظیر کی سابق حکومت کے خاتمے کے ساتھ سرحد عبور کر کے بھارت چلے گئے تھے جہاں انہوں نے بھارتی پاسپورٹ پر نیپال سے برطانیہ کا سفر کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ من گھڑت الزامات ہیں میں چھٹی لے کر برطانیہ گیا تھا اور اگر میں "را" کا ایجنٹ ہوتا تو حکومت پاکستان مجھے یہاں کیوں تعینات کرتی۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ بریگیڈیئر امتیاز کا ایک ہفتہ کا ریمانڈ ایڈیشنل سیشن جج اسلام آباد دوست محمد کی عدالت سے حاصل کر لیا گیا ہے۔ جبکہ میجر عامر کو پشاور سے اسلام آباد پہنچایا جا رہا ہے۔ بریگیڈیئر امتیاز سکس روڈ [illegible] ٹاؤن راولپنڈی میں ایف آئی اے کے تھانہ میں ہیں۔ تاہم انہیں ائرکنڈیشنڈ کمرے میں رکھا گیا ہے۔

(ب)

صحافی پر غداری کا مقدمہ بنانے کیخلاف سینیٹ سے اخبار نویسوں کا واک آؤٹ

کیا مجید نظامی آئی جی سے امداد لے سکتا ہے مسعود ساحر ثبوت دیں ہم متعلقہ صحافیوں کا منہ کالا کریں گے ورنہ ملک ممتاز کا منہ کالا کریں گے [illegible]

اسلام آباد (نامہ نگار خصوصی) وفاقی وزیر قانون و انصاف سید اقبال حیدر نے کہا ہے کہ حکومت صحافیوں، سیاستدانوں اور عام شہریوں کے خلاف کسی قسم کا پراپیگنڈہ کرنے پر یقین نہیں رکھتی اور ایف آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر ممتاز ملک نے صحافیوں کے نام لئے بغیر جو الزامات عائد کئے ہیں وہ غلط ثابت ہوئے تو اس کے خلاف کارروائی کی جائیگی۔ انہوں نے ان خیالات کا اظہار منگل کے روز سینٹ میں پریس گیلری سے صحافیوں کے واک آؤٹ کرنے پر وضاحتی بیان میں کیا۔ کل [illegible] پریس گیلری سے اخبار نویس لاہور کے صحافی کے خلاف [illegible]

بقیہ صفحہ 7

صحافی واک آؤٹ

[illegible] اخبار نویسوں کی بات سن کر وزیر قانون نے کہا کہ انہیں اس واقعہ کا علم نہیں ہے اور وزیر داخلہ کے ایوان میں موجود [illegible] غداری کا مقدمہ بنانے کے واقعہ پر واک آؤٹ کر گئے تھے تو وزیر قانون سید اقبال حیدر اور سینیٹر شفقت محمود انہیں منانے کیلئے پریس گیلری میں آئے جہاں اخبار نویسوں نے ان سے طویل [illegible] ہر صورت میں واقعہ کی تحقیقات کرائیں گے اخبار نویسوں سے وزیر قانون کی اس طرح سے گفتگو ہوئی۔

نصرت جاوید: ایف آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر ممتاز ملک نے صحافیوں کو بریفنگ دی ہے اور میرے بارے میں جو کہا گیا ہے کہ میں آئی بی سے گاڑی [illegible] دو سال سے لے رہا ہوں [illegible] [illegible] جائے۔

وزیر قانون: یہ تو بہت سنگین الزام ہے میں تحقیق کراؤں گا۔

مسعود ساحر: حکومت کو فوری طور پر اس معاملے کی تحقیق کیلئے [illegible] کمیشن تشکیل دینا چاہئے کیونکہ جس ممتاز ملک نے ہم پر الزام لگائے ہیں وہ تو خود [illegible] سے [illegible] وزیر قانون آپ یہ بتائیے کہ کیا مجید نظامی آئی جی سے امداد لے سکتا ہے۔

طارق [illegible]: اگر واقعی برادری میں کچھ ایسے لوگ ہیں تو ہمیں بتائیں ہم ان کا منہ کالا کریں گے ورنہ اس ممتاز ملک کا منہ کالا کر کے [illegible] گے۔

وزیر قانون: میں مسعود ساحر کی تجویز سے متفق ہوں اور کوشش کروں گا کہ تحقیقی کمیشن بنایا جائے۔ میں اس طرح سے صحافیوں کی توہین کی اجازت نہیں دے سکتا۔

وزیر قانون کی مفاہمت [illegible] پر اخبار نویس [illegible] پریس گیلری چلے گئے اور وزیر قانون نے ایوان کے اندر کہا کہ حکومت کسی کے خلاف کردار کشی کی مہم نہیں [illegible] اگر کسی صحافی کے خلاف غداری کا مقدمہ بنایا گیا ہے [illegible] اخبار نویس [illegible] گیلری میں آنے پر [illegible]

Newsmen stage token walkout

ISLAMABAD, July 26: The journalists covering proceedings of Senate, on Tuesday, staged a token walkout from the Press gallery to protest against "levelling of charges by a FIA official against some journalists for getting favours from the Intelligence Bureau".

They were of the view that charges have been levelled without substantial proof.

Law Minister Iqbal Haider, along with Senator Shafqat Mahmud, came to the Press gallery and assured the journalists that the government would look into the matter and take up the issue with the concerned departments.

The journalists told the minister that if any journalist was involved in any corruption, the charges against him should carry substantial proof. After assurance of the minister, the journalists returned to the Press Gallery.

Later, making a statement in the House, Haider said intelligence agencies should not hurl allegations on members of the Press without proof.

The minister told the House that the walkout was staged because a criminal case had been registered against Munir Ahmed.

The allegations had been made by an agency's official against some newsmen that they were on its pay-roll or received remuneration.

The minister assured the House that both the allegations would be investigated and facts would be brought before it on Wednesday.

He categorically stated that the government was not at all in favour of mud-slinging or character-assassi[illegible]

citizen.

"We condemn the tendency of levelling false allegationns", he added.

He assured the House that the agency's officials would either substantiate the allegations or withdraw them. If the circumstances so warranted, the official concerned would be punished.

FIA MAN CRITICISED: Senator Tariq Chaudry criticised the levelling of charges of corruption by an FIA official against some journalists.

He was talking to newsmen in the cafeteria of Parliament House on Tuesday. Describing the statement by FIA official as "irresponsible", he said he knew some journalists personally. They had clean character beyond any doubt, he said.

Parliamentary leader in the Senate and chairman of FACC, Malik Mohammad Qasim strongly condemned the statement against journalists and demanded the sacking of the FIA official, Malik Mumtaz.

He asked the journalists, accused of using Intelligence Bureau cars during the Nawaz government, to file cases against the concerned FIA official.

Talking to journalists in the parliament cafeteria, he said that Malik Mumtaz had no business to issue such an irresponsible statement, being himself no angel.

He said there could not be a bigger charge than corruption. The IB officials who allegedly bribed the journalists, were equally responsible and guilty.

He demanded that the concerned FIA official should apologise to the

انتساب

توصیف اختر کے نام جن
کی سنگت سے جیون آسان لگا

ترتیب

1

سر آغاز

"تمہارا دماغ ٹھیک تو ہے؟"

یہ فقرہ مجھے اپنے ہر اس دوست سے سننا پڑا جس کے سامنے میں نے یہ ذکر کیا کہ میں " خفیہ اداروں کے سیاسی کردار" کے موضوع پر کتاب لکھ رہا ہوں۔

کچھ دوستوں نے تو یہاں تک رائے دی کہ میں اگر زندگی چاہتا ہوں تو اس چکر میں ہی نہ پڑوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض دوست ایسے بھی تھے جنہوں نے اس آئیڈیا کی تعریف کی اور مجھے ہر ممکن مدد فراہم کرنے کا یقین دلایا۔ لیکن افسوس کہ بعض مصلحتوں کے باعث میں ان کا نام لے کر انہیں خراج تحسین پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے اس عمل کی اگر "سزا" ملنی ہے تو مجھے ہی ملے۔

خفیہ اداروں کے سیاسی کردار کے متعلق کچھ لکھنے کا خیال مجھے آپریشن مڈنائٹ جیکال کے منظر عام پر آنے کے بعد آیا۔ جب سیاستدانوں سے اس کا تذکرہ کیا تو ان سب کو اس بات سے متفق پایا کہ "اب تو سب کچھ خفیہ اداروں کے ہی ہاتھ میں ہے۔" مجھے اس بات کا تذکرہ کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی کہ مجھے بچپن ہی سے جاسوس بننے کا شوق تھا۔ اس کا باعث جاسوسی ناول بنے، جو میں آج بھی بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ لیکن قسمت میں انٹیلی جنس آفیسر بننا نہیں لکھا تھا سو نہ بن سکے۔ آئی ایس آئی کے ایک انتہائی قابل جاسوس طارق اسماعیل ساگر کے لکھے ناولوں کے مطالعہ سے یہ حسرت اور بھی بڑھی کہ اصل کام تو خفیہ سروس میں شامل ہو کر ملک و قوم کے لئے جان قربان کرنا ہے۔ لیکن بطور صحافی جب مجھے خفیہ

اداروں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو مجھے اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنا پڑی۔ خفیہ سروس کے جن چند ایک احباب سے میری دوستی ہوئی' انہیں میں نے اس نوکری سے تنگ پایا۔ ان کا خیال تھا کہ حکمران انہیں اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور بعض انتہائی اہم رپورٹوں پر سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے عمل نہیں ہوتا۔ یہ ایک عجیب معاملہ ہے۔ ایک طرف تو ملک کو انتہائی مشکل حالات کا سامنا ہے اور دشمن اس کوشش میں مصروف ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہمیں نقصان پہنچائے' جبکہ دوسری طرف حکمران ہیں کہ خفیہ اداروں کو دشمن کا پتہ چلانے کی بجائے سیاستدانوں کی جاسوسی کروانے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

یہ ایک تشویشناک بات تھی۔ خفیہ سروس کے ادارے بھی ہمیں اس قدر عزیز ہیں جس قدر ہمیں وطن کی مٹی سے محبت ہے ہم ان اداروں سے الگ نہیں' مجھے ان انٹیلی جینس آفیسروں پر فخر ہے جو اپنی جان پر کھیل کر بھی دشمن کے راز چوری کر کے لاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ وہی انٹیلی جینس آفیسر جو کبھی "خاد" کبھی "را" اور کبھی "موساد" کا ایجنٹ بن کر دشمن کی سازشوں کا پتہ چلاتا رہا' اسے ایک سابقہ حکمران نے سیاستدانوں کی جاسوسی کا مشن سونپ دیا۔ اپریشن مڈنائٹ جیکال کے اس اہم کردار' میجر عامر کا جب نام منظر عام پر آیا تو ان کے "باس" نے آنکھیں پھیر لیں۔ انکوائری میں اس کو بے قصور ثابت کیا گیا۔ لیکن فوج کے سربراہ نے اسے آئی ایس آئی سے فارغ کر دیا۔

یہ صرف ایک مثال ہے جو اپریشن مڈنائٹ جیکال کے حوالے سے ہمارے سامنے آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکمرانوں نے اپنی کرسی بچانے کے لئے ایک خفیہ ادارے کو دوسرے خفیہ ادارے کی جاسوسی پر لگا رکھا ہے۔ یہ سلسلہ جو اسکندر مرزا کے دور سے شروع ہوا' آج تک جاری ہے سابق وزیراعظم میاں نواز شریف پر الزام ہے کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو آئی ایس آئی کا سربراہ بنا دیا جو انٹیلی جینس کی ابجد سے بھی واقف نہ تھا۔ لیکن پھر لوگوں نے دیکھا کہ لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر کو نگران حکومت نے برطرف کر دیا۔

شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو گا جو بریگیڈیئر امتیاز کو نہ جانتا ہو۔ بریگیڈیئر صاحب نے قومی اسمبلی ٹوٹنے پر احتجاجاً استعفیٰ دے دیا تھا۔ اپوزیشن ہر چھوٹے بڑے واقعہ کا ذمہ دار انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ کو قرار دیتی رہی ہے بریگیڈیئر امتیاز کس قدر ملک دشمن ہیں اور کس قدر محب وطن اس کا جواب اگلے ابواب میں ملے گا۔

اس کتاب کو تالیف کرنے کا مقصد خفیہ سروس کے ادارے کی خامیوں اور خوبیوں کو

لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا قارئین کا کام ہے کہ کس کس حکمران نے کس کس وقت خفیہ سروس کے اداروں کا غلط استعمال کیا۔ اگر کسی حکمران یا خفیہ ادارے کو اپنی غلطی کی اصلاح کرنے کی توفیق ہو گئی تو کتاب لکھنے کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے یہ جاننے میں بھی مدد ملے گی کہ پاکستان میں امریکی سی آئی اے کی طرز پر ایک نظر نہ آنے والی حکومت Invisible Government تو قائم نہیں ہو چکی۔ ہمارے ہاں شطرنج کی بساط پر موجود مہرے سیاستدان ہیں' انہیں چلانے والے ہاتھ کل کی طرح آج بھی پس پردہ ہیں۔ اس کتاب میں ان خفیہ ہاتھوں کو بھی بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کی تیاری کے دوران کئی بار دل سے یہ بات نکلی کہ "حکمرانو! خفیہ اداروں کو سیاست میں نہ دھکیلو۔ انہیں اپنا کام کرنے دو۔" دوسری طرف خفیہ اداروں کا بھی یہ کام نہیں کہ وہ اپنے فیصلے حکومتوں سے زبردستی تسلیم کروائیں۔

آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل حمید گل نے اسلامی جمہوری اتحاد کیوں بنوایا؟ اس کا جواب اگلے ابواب میں ملے گا۔ اسلامی جمہوری اتحاد واحد ایسا سیاسی اتحاد ہے جس کے قیام میں نوابزادہ نصراللہ خاں کا ہاتھ نہ تھا۔ آج تک عام لوگوں اور سیاستدانوں کے ذہنوں میں جنرل جیلانی کا جو تصور موجود تھا' زیر نظر کتاب پڑھ کر شاید اس میں تبدیلی آجائے۔ ضیاالحق کو فوج کا سربراہ بنوانے کا الزام جنرل جیلانی پر لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جنرل جیلانی نے ضیاء الحق کو فوج کا سربراہ بنانے کی مخالفت کی تھی اور "پھانسی کے اس پھندے" کو بھٹو نے خود منتخب کیا تھا۔ جنرل جیلانی نے بھٹو کو یکم جولائی کو اور پھر 2 اور 3 جولائی کو خبردار کیا تھا کہ فوج مارشل لا لگانے کی تیاری مکمل کر چکی ہے' اس لئے آپ اپوزیشن سے سمجھوتہ کر لیں۔ لیکن اپوزیشن کی طرف سے اصغر خان' شیرباز مزاری اور نسیم ولی خان نے سمجھوتہ نہ ہونے دیا' جبکہ بھٹو کی طرف سے عبدالحفیظ پیرزادہ نے 48 گھنٹے کی غیر ضروری تاخیر کروادی۔ نتیجتاً" ضیاء ایک لمبی مدت کے لئے اقتدار پر قابض ہو گیا۔

اس سارے عرصے کے دوران بھٹو نے خفیہ اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے کس طرح استعمال کیا' اس کی ایک جھلک آپ کو کتاب میں نظر آئے گی۔ اسی طرح قائداعظم سے آج تک خفیہ اداروں کا سیاست میں کیا کردار رہا' زیر نظر کتاب میں اس کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کو مرتب کرتے وقت میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن احتیاط کی تھی

کہ ہمارا کوئی قومی راز "لیک" نہ ہو جائے۔ اسی لئے کشمیر' افغانستان اور خالصتان کے معاملے کو کتاب میں زیر بحث نہیں لایا گیا۔

میں اپنے دوستوں اور رفقاء کا ممنون ہوں کہ انہوں نے قدم قدم پر میرا حوصلہ بڑھایا۔ جن لوگوں نے خفیہ اداروں کی طرف سے یا اپنی ذاتی حیثیت میں مجھے ڈرایا' دھمکایا میں ان کا بھی ممنون ہوں۔ اگر کوئی مجھے Discourage نہ کرتا تو شاید مجھ میں اس چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت بھی پیدا نہ ہوتی۔

منیر احمد

25 مئی 1993ء

خفیہ ادارے کیوں؟

پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے۔ یہ ملک مسلمانوں نے دو قومی نظریئے کی بنیاد پر حاصل کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ ہندو "بھارت ماتا" کو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے' قائداعظم کی انتھک محنت اور لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آگیا۔ لیکن بھارت نے نہ تو پاکستان کو اس کے قیام کے وقت دل سے تسلیم کیا تھا اور نہ ہی وہ آج ہمیں تسلیم کرنے کیلئے تیار ہے۔

بھارت کی ہمیشہ کی طرح آج بھی یہی کوشش ہے کہ پاکستان کو غیر مستحکم کر کے اسے مزید ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس لئے بھارت کی طرف سے کبھی سندھ کو پاکستان سے الگ کرنے کی سازش کی جاتی ہے تو کبھی بلوچستان کو آزاد ملک قرار دینے کا عزم کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بھارتی وزیراعظم بنفس نفیس تو انجام نہیں دے گا' اس مقصد کے حصول کے لئے بھارتی حکومت اپنے جاسوسوں کو پاکستان میں داخل کرتی ہے جو وطن عزیز میں انتشار پھیلانے میں مصروف رہتے ہیں۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جنگ مسائل کا حل نہیں ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ جنگ ٹینکوں اور توپوں کی مدد سے ہی لڑی جائے اور طیاروں کے ذریعے ہی بمباری کی جائے۔ موجودہ دور میں نفسیاتی جنگ' کھلی جنگ سے کہیں زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے اور یہ طریقہ جنگ انتہائی موثر ثابت ہوا ہے۔ جو مقصد آپ کسی جنگ کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتے' وہ نفسیاتی جنگ کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تخریب کاری' نفسیاتی جنگ کا ایک

انتہائی اہم اور مؤثر ہتھیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمن ملک ایک دوسرے کی جاسوسی کروانے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں بھی مصروف رہتے ہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ افغانستان کی جنگ کے آغاز سے ہی "خاد" نے پاکستان کے اندر تخریب کاری کا آغاز کر دیا تھا تاکہ ملک کے مختلف حصوں میں بموں کے دھماکے کروا کر حکومت کو غیر مستحکم کیا جا سکے۔ جنرل ضیاء الحق میں لاکھ خامیاں سہی لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے پامردی سے اس نفسیاتی جنگ کا مقابلہ کیا۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جب بھارت نے RAW کے ذریعے ملک میں بموں کے دھماکے کروانے کی وارداتیں کیں تو یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ دھماکے "خاد" کروا رہی ہے یا RAW- لیکن مشرقی پاکستان میں سکھ حریت پسندوں کی تحریک مزاحمت ہمارے لئے غیبی امداد ثابت ہوئی۔ سکھوں نے ہندوستان کے اندر تخریب کاری کا آغاز کر دیا۔ اسے اتفاق کہا جائے یا کچھ اور لیکن حقیقت یہی ہے کہ جن دنوں پاکستان کے اندر بموں کے دھماکوں کا سلسلہ شروع ہوا انہی دنوں سکھ حریت پسند بھی متحرک ہو گئے اور بھارت میں تخریب کاری کے واقعات رونما ہوئے۔ بھارتی حکومت مسلسل یہ الزام لگا رہی ہے کہ پاکستان سکھ علیحدگی پسندوں کو اسلحہ اور دوسری مدد فراہم کر رہا ہے' سکھوں کو پاکستان کے بعض علاقوں میں گوریلہ جنگ لڑنے کی تربیت دے کر بھارت بھیجا جا رہا ہے جہاں وہ تخریب کاری میں مصروف ہیں۔ تاہم بھارتی حکومت ابھی تک اس ضمن میں کوئی قابل ذکر ثبوت پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اسی طرح بھارتی حکومت مسلسل یہ پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہے کہ پاکستان کشمیریوں کو جنگی ہتھیار فراہم کر رہا ہے اور تربیت یافتہ کمانڈوز مقبوضہ کشمیر میں بھیجے جا رہے ہیں۔ ان الزامات میں صداقت ہے یا نہیں' یہ ایک الگ بات ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ مشرقی پنجاب میں اگر سکھوں نے بھارتی حکومت کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ جاری نہ رکھا ہوتا تو بھارت کبھی کا ہم پر حملہ آور ہو چکا ہوتا۔ اگر بھارت 'سندھ' میں جی ایم سید کے ذریعے علیحدگی کی تحریک شروع کروا سکتا ہے تو پھر ہم نے بھی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔ بھارت نے سندھ کے اندر بڑی تعداد میں اپنے جاسوس داخل کر رکھے ہیں۔ جو وہاں فوج کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس امر کا پرچار کرنے میں مصروف ہیں کہ سندھ کو پاکستان سے الگ ہو جانا چاہئے۔ مجوزہ "جناح پور" کا قیام اسی سازش کا حصہ تھا اگرچہ نواز شریف حکومت نے بعض مصلحتوں کی وجہ سے جناح پور کے قیام کی کسی سازش سے لاتعلقی کا اظہار کیا تھا لیکن باخبر حلقے ابھی تک اس بات پر قائم ہیں کہ سندھ کے ایک حصے کو

پاکستان سے الگ کر کے "جناح پور" قائم کرنے کی سازش ہوئی تھی اور بھارتی حکومت نے ایم کیوایم کے ذریعے "جناح پور" کے قیام کے لئے راہ ہموار کرنا شروع کردی تھی۔ تاہم حیرت کی بات ہے کہ جب یہ خبر پاکستان کے اخبارات میں شائع ہوئی تو اسلامی جمہوری اتحاد کے وزیروں نے قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران اس کی تردید کردی حتیٰ کہ آئی ایس آئی نے بھی اس سے لاعلمی کا اظہار کردیا۔ ان حالات میں جبکہ ملک کی سلامتی کو مختلف اطراف سے خطرات درپیش ہوں' خفیہ اداروں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد خفیہ اداروں کے قیام کا ایک انتہائی اہم مقصد یہ تھا کہ وہ "سٹیٹ سیکیورٹی" کے حوالے سے اپنا لائحہ عمل مرتب کریں۔ اور جو لوگ ملک کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں ان کے خلاف کاروائی کی جائے۔ جنرل حمید گل جن دنوں آئی ایس آئی کے سربراہ تھے' ان دنوں انہوں نے بلوچستان کی صورت حال اور افغانستان کے جاسوس ادارے "خاد" کے ساتھ منسلک افراد کی ایک فہرست تیار کی تھی جو پاکستان میں بیٹھ کر "خاد" کی مدد کر رہے تھے۔ ان میں محمود اچکزئی' ولی خاں اور جئے سندھ کے سرکردہ رہنما شامل تھے۔ جماعت اسلامی کی طرف سے مسلسل ولی خاں پر الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ تاہم جنرل حمید گل کا تو یہاں تک خیال تھا کہ محمود اچکزئی افغان جنگ کے دوران ملک میں بموں کے دھماکے کروایا کرتے تھے۔ اس الزام میں حقیقت ہے یا نہیں' لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ ہمارے بعض سیاستدانوں کے امریکی سی آئی اے' اسرائیلی "موساد" بھارتی RAW' روسی KGB اور افغانستان کی خفیہ ایجنسی "خاد" کے ساتھ روابط رہے ہیں۔ چونکہ سٹیٹ سیکیورٹی کے حوالے سے خفیہ سروس کے اداروں کے ذمہ ایک انتہائی اہم کام یہ بھی ہے کہ تخریب کاری کو روکا جائے' اس لئے خفیہ ادارے اس مقصد کے حصول کے لئے ان سیاسی جماعتوں میں اپنے جاسوس داخل کردیتے ہیں جن پر ملک دشمنی کا الزام ہوتا ہے۔ چونکہ سانحہ مشرقی پاکستان کے زخم ابھی تازہ ہیں اور ہمیں اس بات کا علم ہے کہ ہمارے ملک کے ایک انتہائی اہم حصے کو غیر ملکی سازش کے تحت الگ کیا گیا تھا اور اس سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سیاستدانوں اور جرنیلوں نے نمایاں کردار ادا کیا' اس لئے فوج اور سول کے خفیہ ادارے اس بات پر مسلسل نگاہ رکھتے ہیں کہ کوئی ملک دشمن شخص ہمارے سیاستدانوں اور جرنیلوں کے ساتھ روابط تو نہیں بڑھا رہا۔

خفیہ سروس کے اداروں کی اہمیت

عہد حاضر میں جبکہ جدید ترقی کے باعث اقوام عالم کے درمیان موجود فاصلے سمٹ گئے ہیں' خفیہ سروس کے اداروں کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس ملک کے ساتھ آپ کے دوستانہ تعلقات ہوں وہ ملک آپ کی جاسوسی نہ کروائے۔ ہر ملک کے اندر بشمول پاکستان' دوسرے ممالک کے جاسوس سرگرم عمل ہیں۔ پاکستان چونکہ ایشیا میں کافی اہمیت کا حاصل ملک سمجھا جاتا ہے' اور خصوصی طور پر مجوزہ مسلم بلاک کے قیام میں یہ ایک نہایت اہم کردار ادا کر سکتا ہے' اس لئے امریکہ نے جو بد قسمتی سے واحد سپرپاور کی شکل میں ابھرا ہے' ہمارے اندرونی معاملات میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی دلچسپی لینا شروع کر دی ہے۔ امریکی سی آئی اے اس وقت پاکستان میں پوری طرح سرگرم عمل ہے۔ سی آئی اے کے حکام نے افغان جنگ کے دوران پاکستان میں قیام کیا تھا اور اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کے لئے سی آئی اے افغانوں اور پاکستانیوں کو استعمال کرتی رہی۔ اگرچہ افغان جنگ ختم ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود امریکی سفارتکاروں کے بھیس میں پاکستان آنے والے بعض امریکی ایجنٹ بدستور یہاں موجود ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے کام کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اسی طرح روس اور بھارت کے جاسوس بھی ملک کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ جبکہ اسرائیلی خفیہ ادارہ موساد بھی یہاں سرگرم عمل ہے۔ ان حالات میں یہ بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ غیر ملکی جاسوسوں اور ان کے ایجنٹوں پر پوری نظر رکھی جائے تاکہ وہ ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ نہ بن سکیں۔ اور اگر کوئی ملک پاکستان کے اندر تخریب کاری کروانا چاہتا ہے تو نہ صرف اس ملک کے ایجنٹوں کو پکڑا جا سکے بلکہ

اس کے ساتھ ساتھ متعلقہ ملک کے اندر بھی اپنی جاسوس داخل کرکے یہاں ایسے حالات پیدا کیے جاسکیں کہ اس ملک کو اپنی پڑ جائے اور اس کی توجہ بٹ جائے۔ یہ حکمت عملی ہر ملک، خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا اپنائے ہوئے ہے۔ اگر ہم اپنے ارد گرد موجود حالات پر نظر ڈالیں گے تو ہمیں اس کا ثبوت مل جائے گا۔

دوسرے ممالک کی طرح پاکستان بھی متعدد خطرات کا شکار ہے۔ کچھ خطرات وہ ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں جیسے بھارتی افواج کی ہماری سرحدوں کے قریب نقل و حرکت، بھارتی افواج کی تعداد میں اضافہ، پاکستان کے لئے امریکی امداد کی بندش، بھارت کے ایٹمی پروگرام پر عمل درآمد کی رفتار کا تیز ہونا، بھارت کا روس، امریکہ اور دوسرے ممالک سے جدید نوعیت کے جنگی ہتھیار خریدنا، افغانوں کا پاکستان کی سرحد کے نزدیک ایک دوسرے سے برسرپیکار ہونا اور مقبوضہ کشمیر میں ہندوؤں کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ خطرات ان خطرات کے مقابلے میں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتے جو ہمیں نظر نہیں آتے لیکن ہمیں یہ خطرات درپیش ہیں۔ بھارت اپنے خفیہ ادارے RAW کے ذریعے سندھ کو پاکستان سے الگ کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کرچکا ہے۔ امریکی حکام کی بلوچستان میں نقل و حمل بڑھتی جارہی ہے۔ اسرائیل ہمارے ایٹمی پروگرام کو نشانہ بنانے پر تلا ہوا ہے اور اس ضمن میں اسرائیلی کمانڈوز نے سیاحوں کے روپ میں مقبوضہ کشمیر کے اندر ریہرسل کی حد تک کام مکمل کرلیا ہے اور اس حملے کے نتیجے میں کہوٹہ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ اب بھی موجود ہے۔ ان حالات میں جبکہ خفیہ سروس کے اداروں کو اپنی تمام تر توجہ کسی بھی قسم کی ممکنہ جارحیت کا مقابلہ کرنے کی جانب مبذول رکھنی چاہیے، حکمران ان اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کررہے ہیں۔ ملٹری انٹیلی جینس، آئی ایس آئی، ایف آئی یو، انٹیلی جینس بیورو، سپیشل برانچ اور حتیٰ کہ اضلاع کی حد تک موجود سی آئی اے بھی سیاسی کاموں پر لگی رہتی ہے۔ اپوزیشن سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی اور دیگر سیاستدانوں کی جاسوسی کے ساتھ ساتھ حکومت میں شامل سیاستدانوں کی بھی جاسوسی کروائی جارہی ہے۔ خفیہ سروس کے ادارے اپنے اصل کام سے ہٹ کر یہ پتہ چلانے میں مصروف ہیں کہ پیرپگاڑو نے کس کس سیاستدان کو فون کیا۔ بے نظیر بھٹو کا کس کس شخص سے رابطہ ہوا۔ اصغر خان کے عزائم کیا ہیں۔ جتوئی کی مصروفیات کیا ہیں اور صدر غلام اسحاق خاں کے عزائم کیا ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قدرتی عمل ہے کہ جب خفیہ سروس کے اداروں کو ان کے اصل کام سے ہٹا کر ایسے

کاموں پر لگا دیا جائے گا تو ان کی کارکردگی متاثر ہو گی اور وہ دشمن ملک کے ایجنٹوں کے خلاف کام کرنے کی بجائے اپنے ہی وطن کے باسیوں کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں گے۔ اور اس وقت بد قسمتی سے ہمارے ملک میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اپوزیشن رہنماؤں کی جاسوسی کروانا معمول بن گیا ہے۔ دوسری جانب خفیہ سروس کے اداروں کا حکومتی امور میں اثر و رسوخ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ان اداروں کے سربراہ اکثر اہم امور سے حکومت وقت کو بھی بے خبر رکھتے ہیں۔ اسی لئے تو بے نظیر بھٹو نے این بی سی کے پروگرام میں کہہ دیا تھا کہ ان کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں اپنے خفیہ اداروں کی نسبت امریکی سی آئی اے سے زیادہ معلومات حاصل ہوئیں۔ بے نظیر بھٹو کو یہ بیان دینا چاہئے تھا یا نہیں یہ ایک الگ بات ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ خفیہ سروس کے ادارے صدر' وزیر اعظم' وزیر داخلہ' وزیر خارجہ اور سیکرٹری داخلہ تک کو بعض امور میں اعتماد میں لینا پسند نہیں کرتے؟ حتیٰ کہ دفاعی نوعیت کے معاملات کے متعلق کور کمانڈروں کو اعتماد میں نہیں لیا جاتا۔ مرزا اسلم بیگ جب پشاور میں کور کمانڈر تھے تو انہیں افغان آپریشن کے متعلق بھنک تک نہ پڑنے دی گئی۔

ان حالات میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ خفیہ سروس کے اداروں کا بھی احتساب کیا جائے۔ یہ وہ چیلنج ہے جسے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے قبول کیا تھا لیکن بھٹو کے بقول اس وقت کے ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی غلام جیلانی خاں نے ضیاء الحق کو ان کے عزائم سے آگاہ کر دیا۔ نتیجتاً" میری حکومت کو پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں سے احتجاجی تحریک چلوا کر ختم کروا دیا گیا۔ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو کی صاحبزادی کا بھی دعویٰ ہے کہ انہوں نے وزیر اعظم بننے کے بعد خفیہ اداروں کے منہ زور گھوڑے کو لگام ڈالنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں بری طرح ناکام ہوئیں۔ بے نظیر بھٹو آئی ایس آئی انٹیلی جنس بیورو اور ملٹری انٹیلی جنس کو ایک بااختیار بورڈ کے ماتحت کرنا چاہتی تھیں اور ان خفیہ سروس کے اداروں کا احتساب کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں آئی ایس آئی کے سیاسی کردار کو محدود کیا تو یہ کام ملٹری انٹیلی جنس نے سنبھال لیا۔ خفیہ اداروں کا کام یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے فیصلوں کو حکومت وقت سے زبردستی تسلیم کروائیں۔ خفیہ سروس کے اداروں کو حکومت کے لئے آنکھ اور کان۔ کے طور پر کام کرنا چاہئے۔ جبکہ یہ حق حکومت کے پاس ہی رہنا چاہئے کہ وہ کس فیصلے پر عمل کرنا چاہتی ہے اور کس پر نہیں!

خفیہ اداروں کا طریقہ کار

انٹیلی جینس بنیادی طور پر Offence مکینزم ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کو معاف نہیں کرتا۔ جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے' بالکل اسی طرح بڑے ممالک چھوٹے اور کمزور ملک کو مختلف طریقوں سے اپنا غلام بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ اس لئے ہر باعزت اور غیرت مند قوم کی طرح ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ اپنے دشمنوں کے مذموم عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں دو باتوں کو مد نظر رکھنا ہو گا۔ اول یہ کہ دشمن ملک کے ایجنٹ ہمارے ہاں کس کس جگہ پر موجود ہیں۔ یہ پتہ چلانے کے لئے پاکستان اپنے جاسوسوں کو مختلف سرکاری محکموں' سیاسی جماعتوں' مزدور تنظیموں اور کاروباری طبقے میں شامل کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کے باوجود متعلقہ مشن مکمل نہ ہو سکے تو ہمیں اپنے جاسوسوں کو متعلقہ دوست یا دشمن ملک کے اندر قانونی یا غیر قانونی طریقے سے داخل کرنا پڑتا ہے۔ اگر بھارت' روس' اسرائیل اور امریکہ کے جاسوس ہمارے ملک میں موجود ہیں تو ہمیں یہ اعتراف کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے کہ ہمارے جاسوس بھی ہر اہم ملک کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر بھارت اور مقبوضہ کشمیر میں ہمارے جاسوس موجود نہ ہوتے تو ہمیں کبھی بھی یہ پتہ نہ چل سکتا کہ اسرائیل نے بھارت کی مدد سے کہوٹہ ایٹمی پروگرام تباہ کرنے کے لئے حکمت عملی وضع کر لی ہے اور اس ضمن میں اسرائیلی کمانڈوز مقبوضہ کشمیر کے اندر سیاحوں کے روپ میں ریہرسل میں مصروف ہیں۔ جس طرح دشمن کو ہمارے خفیہ رازوں کو حاصل کرنے کا بڑا شوق ہے اسی طرح ہمارا بھی حق بنتا ہے کہ ہم دشمن کے خفیہ

راز حاصل کریں اور اپنے دفاعی نظام کو مؤثر بنائیں۔ اگر RAW کے ہیڈ کوارٹر سے پاکستان کی سلامتی کے لئے خطرہ بننے والی کوئی فائیل پاکستان پہنچ سکتی ہے تو پھر ہمیں اس خوش فہمی میں بھی ہرگز نہیں رہنا چاہئے کہ ہمارے فوجی راز دشمن کی دسترس سے محفوظ ہیں!

ایک حساس ادارے کے انتہائی ذمہ دار آفیسر کا کہنا ہے کہ "انہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ امریکہ' روس' بھارت' اسرائیل یا کوئی اور ملک زراعت' صنعت و تجارت' خلائی ترقی اور جنگی سازو سامان کی تیاری کے حوالے سے کیا منصوبے بنا رہا ہے۔ بلکہ ہماری دلچسپی اس میں ہے کہ یہ ممالک پاکستان کے خلاف کیا عزائم رکھتے ہیں۔ اگر بھارت کے اندر ٹریکٹر سازی کا کارخانہ لگتا ہے تو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں' لیکن اگر ہمیں یہ پتہ چل جائے کہ ٹریکٹر بنانے والا کارخانہ ٹینک یا دوسرے جنگی ہتھیار بھی بنانے میں ممد معاون ثابت ہو سکتا ہے تو ہماری دلچسپی اس کارخانے میں بڑھ جائے گی۔ اسی طرح یہ نہیں سمجھنا چاہئے جنگ صرف سرحدوں پر ھی لڑی جائے گی بلکہ جنگ کئی محاذوں پر لڑی جاتی ہے۔ ان میں تعلیم صحت اور صنعت و حرفت بھی شامل ہے۔ سکھوں کے بارے میں مشہور ہے کہ جب کسی سکھ زمیندار کی فصل اتنی اچھی ہو جائے کہ وہ بے ساختہ سینہ پھیلا کر "بلے بئی بلے" کہہ دے تو سمجھ لیں کہ اس سکھ کے ہاتھوں کسی کا قتل ہو گیا کیونکہ کئی بار یہ سننے میں آیا ہے کہ ایک سکھ کی فصل اچھی ہوئی تو وہ اپنے وکیل کے پاس پہنچ گیا اور اسے کہنے لگا کہ وکیل صاحب کیس لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ اب میں نے قتل کرنا ہے۔ مشرقی پنجاب میں سکھوں کے اندر بے چینی کی دوسری وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں بہت بڑی مقدار میں گندم پیدا ہوتی ہے اور بھارت کی 40 فیصد گندم کی ضروریات مشرقی پنجاب پوری کرتا ہے۔ یہاں سے گندم بھارتی فوج کو بھی سپلائی کی جاتی ہے یہ مثال دینے کا مقصد یہ ہے کہ دشمن ملک کی ہر ممکن یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کے مخالف ملک کے معاشی حالات اچھے نہ ہوں خفیہ اداروں نے اس حوالے سے جو تحقیق کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن ملک اپنے جاسوسوں کے ذریعے دوسرے ممالک کی زراعت اور صنعت و حرفت کو تباہ کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ پاکستان اگر ایک زرعی ملک ہونے کے باوجود خوراک میں خود کفیل نہیں ہو سکا تو ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہو گا کہ زرعی پالیسی تیار کرنے والے افراد کون ہیں؟ اسی طرح تعلیم کے شعبے پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ قیام پاکستان کے بعد ہندوؤں کی بڑی تعداد مشرقی پاکستان میں ہی موجود رہی اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بنگال کے 90 فیصد تعلیمی اداروں کے سربراہ یا اہم اساتذہ ہندو تھے' ان ہندوؤں

نے تعلیمی اداروں میں یہ پرچار کرنا شروع کردیا کہ بنگالیوں کی ثقافت الگ ہے' ان کی زبان الگ ہے' ان کے رہنے سہنے کا انداز مغربی پاکستان سے مختلف ہے اور وہ ہندوؤں کی رسموں کے زیادہ نزدیک ہیں۔ یہ سارا کام مشرقی پاکستان میں ہندوؤں نے بھارتی انٹیلی جینس ایجنسیز کے کہنے پر کیا اور بد قسمتی سے ہمارے خفیہ اداروں کو ان حالات کا بروقت علم نہ ہو سکا کیونکہ ایوب خاں اور یحییٰ خان تو خفیہ سروس کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کر رہے تھے اس کے ساتھ ساتھ اس میں خفیہ سروس کی نالائقی کا بھی عمل دخل شامل تھا۔ تاہم جب یہ معاملہ خفیہ سروس کے علم میں آیا تو تب حالات بگڑ چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو تعلیمی اداروں پر بھی نظر رکھے ہوئے ہے۔ ایک زمانہ یہ بھی تھا کہ پاکستانی حکمران کمیونسٹوں کو اپنا دشمن نمبر ایک سمجھتے تھے اور کمیونسٹ پارٹی سے تعلق رکھنے والے ہر لیڈر اور کارکن کی نگرانی کی جاتی تھی۔ کیونکہ کمیونسٹ ممالک سے پاکستان میں موجود ان کے ایجنٹوں کو رقم اور لٹریچر فراہم کیا جا رہا تھا جس کے ثبوت خفیہ سروس کے اداروں کے پاس موجود تھے۔ چونکہ کمیونسٹوں سے خوف زدہ رہتے تھے اس لئے انہوں نے خفیہ سروس کے اداروں کے ذریعے کمیونزم کا پرچار کرنے والوں کو کبھی پھلنے پھولنے نہ دیا"

پاکستان کے خفیہ سروس کے اداروں کے سابق سربراہوں اور ان اداروں میں اعلیٰ عہدوں پر تعینات آفیسرز اس بات سے متفق ہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد جتنے بھی حکمران آئے' انہوں نے اپنی حکومت کو درپیش خطرے کو "ریاست کو درپیش خطرہ" قرار دے کر خفیہ اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ حکمرانوں کو ہمیشہ اپنی گدی کی فکر رہی اور وہ ملک کو مضبوط کرنے کی بجائے خود کو مضبوط کرنے کے چکر میں پڑے رہے۔ اس سے نہ صرف جمہوری اداروں کو دھچکا پہنچا بلکہ اس کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ خفیہ سروس کے اداروں کے اندر بھی سیاست داخل ہو گئی۔ اس کے علاوہ خفیہ سروس کے اداروں نے حکمرانوں کی مرضی کے مطابق حکومتوں کو توڑنے اور بچانے کے ساتھ ساتھ اپنی مرضی کی حکومتوں کو بھی بنوانا اور تڑوانا شروع کر دیا۔ اسی طرح ملک کے اندر ایک "نظر نہ آنے والی حکومت" قائم ہو گئی جس نے ملک پر حکمرانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد محمد خان جونیجو دوسرے حکمران تھے جنہوں نے خفیہ اداروں کے قبلہ کو درست کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ جبکہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے حوالے سے "آپریشن مڈ نائٹ جیکال" کے قصے عام ہیں۔ آئی ایس آئی کا اس ضمن میں موقف ہے کہ "آپریشن مڈ نائٹ

جیکال" آئی ایس آئی کے سربراہ شمس الرحمٰن کلو کے کہنے پر شروع کیا گیا تھا جبکہ جنرل کلو ابھی تک اس معاملے میں خاموش ہیں۔

جس طرح باقی اداروں کے کام کرنے کا اپنا طریقہ کار ہے' اسی طرح خفیہ سروس کے اداروں کے کام کرنے کا انداز بھی الگ ہے۔ خفیہ سروس کے اداروں کا ذکر آتے ہی ہمارے ذہن میں ایسے جاسوس کا تصور ابھرتا ہے جس نے لمبا سا اوور کوٹ پہن رکھا ہو گا۔ اس کے سر پر فلیٹ ہیٹ ہو گا اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ ہو گا۔ اگر اس جاسوس کے ہاتھ میں ایک عدد بریف کیس اور اوور کوٹ کے اندر موجود ریوالور کی ہلکی سی جھلک بھی نظر آ جائے تو ایک جاسوس کا تصور مکمل ہو جائے گا۔

فن جاسوسی کے حوالے سے لکھی جانے والی کتابوں اور ناولوں میں جاسوس کو جن مافوق الفطرت خصوصیات کا حامل بیان کیا جاتا ہے' حقیقت اس سے بہت نزدیک نہیں ہے تو پھر دور بھی نہیں ہے۔ جاسوسی ناولوں میں سیکرٹ سروس سے متعلقہ جاسوس جس انداز میں اپنا مشن مکمل کرتے ہیں اس میں سے افسانے کا پہلو' جسے محض زیب داستان کے لئے شامل کیا جاتا ہے' نکال دیا جائے تو ایک قابل عمل آپریشن نظر آ جائے گا۔ ہمارے جاسوس اپنی جان پر کھیل کر واقعی ایسے ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آئی ایس آئی ملٹری انٹیلی جینس اور انٹیلی جینس بیورو کے بے شمار کارنامے ایسے ہیں جنہیں اگر یہاں بیان کر دیا جائے تو وہ بظاہر ایک ناول کی کہانی یا جاسوسی فلم کا حصہ نظر آئیں گے۔

ایک طرف تو ان اداروں کی یہ اہمیت ہے لیکن دوسری طرف بدقسمتی دیکھئے کہ حکمرانوں نے ان خفیہ اداروں کو کونسلروں کی جاسوسی پر لگا رکھا ہے۔ خفیہ سروس سے متعلقہ ایک ایسا جاسوس جو اپنی صلاحیتوں کو ملکی مفاد کے لئے استعمال کر سکتا ہے' اسے حکمرانوں کی کرسی بچانے کے لئے معمور کر دیا جاتا ہے جو ایک مجرمانہ فعل ہے۔

پاکستانی سیکرٹ سروس سے متعلقہ ہر جاسوس کو اس کے عہدے کے لحاظ سے تربیت دی جاتی ہے لیکن ایک اصول سب کے لئے واضح ہے کہ "اتنا جانو جتنا جاننے کی ضرورت ہے" یعنی اپنے کام سے کام رکھو۔ عموماً آئی ایس آئی۔ انٹیلی جینس بیورو اور ملٹری انٹیلی جینس کے انسپکٹر کی سطح کے ملازمین کو اپنے متعلقہ ادارے کے متعلقہ شعبے کے علاوہ کسی اور شعبے کے متعلق جاننے کا موقع نہیں ملتا۔ یا دوسرے معنوں میں وہ خود بھی دوسرے شعبوں کے متعلق جاننے کی ہمت نہیں کرتے۔ انٹیلی جینس بیورو کے ایک انسپکٹر کے مطابق تجسس کرنا ہر شخص کی

فطری عادت ہے۔ ایک دن میری ٹیبل پر ایک ایسی فائل بھی پہنچ گئی جو مجھ سے متعلقہ نہ تھی لیکن اس فائل میں ایک انتہائی اہم قومی راز موجود تھا۔ ایک لمحہ کو تو مجھے خیال آیا کہ فائل کھول کر دیکھ لوں کیونکہ میرے کمرے میں کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا۔ لیکن جیسے ہی میں نے فائل کو ہاتھ لگایا مجھے اپنے انسٹرکٹر کی بات یاد آگئی کہ اپنا کام "Need to know basis" کے اصول کے تحت کرنا اور میں نے وہ فائل اپنے سیکشن کے سربراہ کے حوالے کر دی اور اسے کہا کہ یہ غلطی سے میری میز پر پہنچ گئی تھی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ فائل جان بوجھ کر میری میز پر پہنچائی گئی تھی تاکہ میرا امتحان لیا جاسکے اور اس فائل کے اندر سادہ کاغذات کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ تاہم فائل کے اوپر جو نام لکھا تھا اس سے لگتا تھا کہ فائل میں انتہائی اہم قومی راز موجود ہے"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خفیہ سروس کے ادارے انتہائی محتاط انداز میں کام کرتے ہیں کیونکہ ہمارے ملک میں بے شمار لوگ غیر قانونی طریقے سے داخل ہوئے تھے لیکن انہوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں کا قومی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ تک حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو روپے کی طاقت کے سامنے نہیں جھکتے ورنہ تو ہر شخص پیسے کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور سیکرٹ سروس کے ملازم بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔

خفیہ سروس سے متعلق افراد کو بعض اوقات خود بھی اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ جو کام کر رہے ہیں اس کی اہمیت کیا ہے۔ لیکن سیکرٹ سروس کا ایک اصول ہے کہ کوئی بھی انفریشن بیکار نہیں ہوتی۔ آج حاصل ہونے والی کوئی اطلاع کل کام آسکتی ہے۔ ایک دفعہ برطانوی خفیہ ادارے کو اپنے ایک اعلیٰ افسر پر شک ہوا کہ وہ KGB کا ایجنٹ ہے۔ چنانچہ برطانوی خفیہ ادارے سے متعلقہ حکام نے اس آفیسر کے خلاف انکوائری کی لیکن انہیں اس کے روسی جاسوس ہونے کا ثبوت نہ مل سکا۔ آخر کار برطانوی سیکرٹ سروس نے امریکی سی آئی اے سے رابطہ قائم کیا اور ان سے مدد مانگی۔ امریکی سی آئی اے کے ملازمین کی فوج روس کے اندر چپے چپے پر پھیلی ہوئی ہے اسی لئے تو روس کا شیرازہ بکھرا ہے۔ بہر حال امریکی سی آئی اے کے کام کرنے کا یہ انداز ہے کہ وہ KGB سے متعلقہ ہر جاسوس کی نگرانی کرواتی ہے چنانچہ سی آئی اے نے برطانوی خفیہ ادارے کے مذکورہ آفیسر کے بارے میں کوائف طلب کئے اور یہ بھی معلومات حاصل کیں کہ اس نے کس کس برس کون کون سے ملک کا دورہ کیا تھا۔ دوسری طرف

سی آئی اے کے پاس KGB کے جاسوسوں کی نقل و حرکت کا ریکارڈ موجود تھا۔ اس لئے جب اس برطانوی خفیہ کے آفیسر کے غیر ملکی دوروں کی تفصیل کا سی آئی اے کے پاس موجود معلومات سے موازنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ KGB کا ایک جاسوس جس جس برس میں جس ملک میں گیا اسی برس برطانوی آفیسر بھی اس ملک میں موجود تھا۔ اس طرح یہ تصدیق ہو گئی کہ برطانوی خفیہ ادارے میں روسی جاسوس موجود ہیں۔ لیکن روسی جاسوسی ادارے KGB کے جاسوس پر نظر رکھنے والے سی آئی اے کے حکام کو علم نہ تھا کہ وہ آج جو کام کر رہے ہیں وہ کل کسی اہم مشن کی تکمیل میں کام آسکتا ہے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو پاکستان کا خفیہ ادارہ انٹر سروسز انٹیلی جینس (آئی ایس آئی) امریکہ سی آئی اے کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو گیا ہے کیونکہ آئی ایس آئی نے عملی طور پر افغان جنگ لڑی تھی جس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خفیہ سروس کا کوئی ادارہ حکمران وقت یا کسی اہم شخصیت کو خبردار کرتا ہے کہ اس پر فلاں تاریخ کو فلاں وقت قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے اس لئے وہ محتاط رہیں۔ اس معاملے میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خفیہ سروس کے اس ادارے کے پاس موجودہ اطلاع درست ہو۔ تاہم اس امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ خفیہ سروس کا ادارہ اس طرح کوئی چال چل رہا ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ یاسر عرفات نے ایک عرب ملک کے سربراہ کو ایک مرتبہ آگاہ کیا کہ ان کی انٹیلی جینس کی اطلاع کے مطابق فلاں گروپ فلاں وقت ان پر قاتلانہ حملہ کرے گا۔ اس عرب ملک کے سربراہ نے اس اطلاع کی صداقت کو جاننے کے لئے اپنی گاڑی میں کسی اور شخص کو سوار کرا کر جب متعلقہ مقام کے نزدیک سے گزارا تو وہاں بم کا دھماکہ ہوا۔ عرب ملک کا وہ سربراہ اس طرح یاسر عرفات کا مرید ہو گیا اور اس نے یاسر عرفات کی خواہش کے مطابق انہیں بھاری مقدار میں اسلحہ اور رقم فراہم کر دی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ یاسر عرفات نے وہ دھماکہ بھی خود ہی کرایا تھا اور انٹیلی جنس ایجنسی کی اطلاع بھی ایک ڈرامے کا حصہ تھی۔ اس طرح خفیہ سروس کے ادارے بعض اوقات انسان کو نفسیاتی چال چل کر اپنے قابو میں کر لیتے ہیں اور پھر اسے اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ وہ بیچارہ شخص اس چکر میں خفیہ سروس کے اداروں کے لئے کام کرتا رہتا ہے کہ اس کی زندگی اس ادارے نے بچائی تھی۔

سیکرٹ سروس کے ادارے ملک دشمن عناصر کو گرفتار کرنے کے بعد پولیس کی طرح

وحشیانہ تشدد کا نشانہ نہیں بناتے۔ بلکہ اس مقصد کیلئے جدید طریقے استعمال کئے جاتے ہیں جس کے بعد تربیت یافتہ جاسوس کیلئے بھی خاموش رہنا ممکن نہیں رہتا۔ شاہی قلعے کے عقوبت خانے میں بلاشبہ قیدیوں کو تشدد کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہوگا لیکن شاہی قلعہ کی دہشت ہی اس قدر زیادہ تھی کہ بڑے سے بڑا مجرم بھی وہاں داخل ہوتے ہی اپنے کردہ یا ناکردہ جرائم کا اعتراف کر لیتا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس Anti Terrorist Cell کا بھی ماضی میں سیاستدانوں کو کچلنے اور ان کی وفاداریاں تبدیل کروانے کیلئے غلط استعمال ہوتا رہا۔ میاں نواز شریف نے شاہی قلعے کے عقوبت خانے کو ختم کیا تو خفیہ اداروں نے دوسرے مقامات پر ایسے مراکز قائم کر لئے۔ سپیشل برانچ نے عقوبت خانہ چلڈرن کمپلیکس میں قائم کر دیا جہاں سے اسے اب ٹھوکر نیاز بیگ میں منتقل کیا جا چکا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو شاہی قلعے سے عقوبت خانے کے خاتمے سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا کیونکہ ملک دشمن عناصر کا پتہ چلانے کیلئے اس سیل نے انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔

خفیہ سروس کے اداروں کا سیاست میں ہمیشہ سے ہی ایک مخصوص کردار رہا ہے۔ یہ کردار ہمیں انگریزوں سے ورثے میں ملا تھا۔ غلامی کے دنوں میں انگریز حکمرانوں کو غیر ملکی جارحیت کے ساتھ ساتھ اندرونی طور پر بھی خطرہ لاحق رہتا تھا۔ چونکہ انگریزوں نے ایک سازش کے تحت مسلمانوں کو اقتدار سے محروم کیا تھا اس لئے لازمی طور پر انہوں نے 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا اور انہیں ہمیشہ مسلمانوں سے خطرہ لاحق رہا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ روابط بڑھائے۔ جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے خفیہ سروس کے اداروں کے ذریعے ان لوگوں کی نگرانی شروع کروا دی جو برطانوی حکومت کے خلاف دوبارہ بغاوت شروع کر سکتے تھے۔ بھارت میں موجود تمام سیاسی جماعتوں کے اندر انگریزوں کے جاسوس داخل ہو گئے اور انہوں نے حکومت وقت کو سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں کے متعلق پل پل کی خبریں فراہم کرنا شروع کر دیں۔ لیکن جاسوسی کے اس مربوط نظام کی موجودگی کے باوجود انگریزوں کو آئندہ 90 برس کے بعد اقتدار سے الگ ہو کر مسلمانوں کو آزادی دینا پڑی۔ اور خفیہ سروس کے تمام ادارے برطانوی حکومت کو ختم ہونے سے نہ بچا سکے۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد قائم ہونے والی تمام حکومتوں نے اس تلخ حقیقت کو فراموش کر دیا۔ اور یوں خفیہ اداروں کی بیساکھی کے سہارے حکمران اپنی کرسی مضبوط بنانے کے چکر میں جمہوری اداروں کو کمزور اور خفیہ اداروں کو مضبوط کرتے چلے گئے۔ اور آج حالت

یہ ہے کہ شطرنج کی بساط پر سیاستدانوں کی حیثیت مہروں کی سی رہ گئی ہے خفیہ ہاتھ کوئی اور ہیں۔ یوں حکمرانوں کی نااہلی کی وجہ سے ملک میں ایک نظر نہ آنے والی حکومت قائم ہو چکی ہے جس کا کنٹرول خفیہ اداروں کے ہاتھ میں ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح جب گورنر جنرل بنے تو انہوں نے خفیہ سروس کے اداروں کو ملک کی نظریاتی سرحدوں کی بھی نگرانی کا حکم دیا تا کہ کوئی دشمن پاکستان کی سلامتی کے لئے خطرہ نہ بن سکے۔ تاہم ان کے دور حکومت میں نہ تو تمام سیاستدانوں کے ٹیلی فون ٹیپ نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی سیاستدانوں کے خلاف جاسوسی کروائی جاتی تھی۔ بلکہ خفیہ سروس کے اداروں کا ایک مخصوص کردار تھا۔ تاہم حکومت کو جن سیاسی رہنماؤں پر شک تھا ان پر مسلسل اور کڑی نگاہ رکھی گئی اور قائداعظم نے خفیہ سروس کے اداروں کو فعال بنانے کے لئے اہم اقدامات کئے۔

قائداعظم نے کانگریس نواز سیاستدانوں کی نگرانی کروائی۔ چونکہ جماعت اسلامی اور سرخ پوشوں نے غفار خاں کی قیادت میں قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی اس لئے 14/اگست 1947ء کے بعد خفیہ سروس کے اداروں کو یہ مشن سونپا گیا کہ وہ اس بات پر انتہائی کڑی نظر رکھیں کہ بھارتی حکومت کے ساتھ کن جرنیلوں' سیاستدانوں اور دوسرے افراد کا رابطہ ہے کیونکہ جواہر لعل نہرو نے قائداعظم کو کہا تھا کہ پاکستان زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکے گا۔

قائداعظم کی وفات کے بعد لیاقت علی خاں نے سب سے پہلے خفیہ سروس کے اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال شروع کیا۔ مگر یہ کام انتہائی رازداری سے اور محدود پیمانے پر کیا گیا۔ لیاقت علی خاں کو اطلاع ملی تھی کہ بعض سیاسی جماعتیں اور سیاستدان ان کی حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ چنانچہ قائد ملت نے اس سازش کا پتہ چلانے کے لئے فوج اور سول کے خفیہ اداروں سے کام لیا۔ مگر اس کے بعد خفیہ اداروں سے سیاسی کام لینے کا سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ یہ کبھی ختم نہ ہوا۔ گورنر جنرل غلام محمد' خواجہ ناظم الدین' چوہدری محمد علی' حسین شہید سہروردی' ملک فیروز خاں نون' اسکندر مرزا' ایوب خاں' یحییٰ خاں' ذوالفقار علی بھٹو' ضیا الحق محمد خان جونیجو' بے نظیر بھٹو' غلام مصطفیٰ جتوئی اور میاں نواز شریف نے خفیہ اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال جاری رکھا۔

خفیہ سروس کا ادارہ انٹیلی جینس بیورو ہمیں قیام پاکستان کے وقت ورثے میں ملا تھا۔ تاہم آئی ایس آئی کی تشکیل 1948ء میں ہوئی آئی ایس آئی کو اس کے قیام کے وقت مخصوص

چارٹر دیا گیا اس وقت آئی ایس آئی میں سیاسی شعبہ قائم نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم اس کا سیاسی کردار رہا۔ چونکہ آئی ایس آئی کو فوج کا ایک حصہ تصور کیا جاتا تھا اس لئے آنے والی حکومتوں نے اس ادارے پر زیادہ انحصار کرنا شروع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آئی ایس آئی میں شامل فوج کے آفیسرز زیادہ تربیت یافتہ تھے۔ فوج کا سیاست کے ساتھ ہمیشہ سے ایک مخصوص تعلق رہا ہے۔ اس لئے آئی ایس آئی میں جو فوجی افسران شامل کئے گئے انہوں نے سیاسی امور میں بھی مداخلت شروع کر دی۔ آئی ایس آئی کا اس وقت سربراہ ایک کرنل ہوا کرتا تھا۔ فوج کے پاس چونکہ سیاستدانوں کی سرگرمیوں کے حوالے سے ہمیشہ سے ایک "سیل" موجود تھا اس لئے آئی ایس آئی کو ملٹری انٹیلی جینس کے اس سیل سے کافی مفید معلومات حاصل ہوئیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ ملٹری انٹیلی جینس سے کافی تعداد میں آفیسرز کو آئی ایس آئی میں ڈیپوٹیشن پر بھیج دیا گیا۔

فوج چونکہ ہمیشہ سے ہی ایک سیاسی جماعت رہی ہے' اس لئے آئی ایس آئی کے قیام کے بعد اس ادارے کے فوجی افسران کو سیاستدانوں کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ دوسری طرف چونکہ قائد ملت لیاقت علی خاں کے قتل کے بعد ملک میں مستحکم حکومتیں قائم نہ ہو سکیں' اس لئے آئی ایس آئی کو اپنی طاقت کا مزید احساس ہوا۔

فوج کا ایک عجیب مزاج یہ ہے کہ وہ سویلین پر زیادہ اعتماد نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ آئی ایس آئی نے اپنے طور پر ایک "سیاسی سیل" قائم کر لیا جس نے سیاستدانوں کی نگرانی شروع کر دی۔ دوسری طرف انٹیلی جینس بیورو کو بھی سیاستدانوں کی نگرانی کے لئے متحرک کر دیا گیا۔ 1948ء کے بعد قائم ہونے والی وزارتیں ناپائیدار ثابت ہوئیں اور ہر نیا آنے والا حکمران دوسرے سے کمزور ثابت ہوا۔ آئی ایس آئی' ملٹری انٹیلی جینس اور انٹیلی جینس بیورو جیسے خفیہ اداروں حکومتوں کے اندر ٹوٹ پھوٹ اور سیاستدانوں کے اندر موجود نفاق کا بنظر غور مطالعہ کرتے رہے۔ 1958ء میں جب ایوب خاں نے ملک کے اندر مارشل لاء لگایا تو یہ کوئی حیرت انگیز اقدام نہ تھا۔ بلکہ آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کا فوج کے کمانڈر انچیف ایوب خاں کے ساتھ مسلسل رابطہ تھا اور اسکندر مرزا کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے ایک جامع پلان کیا گیا تھا۔

ایوب خاں نے اقتدار میں آنے کے بعد آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس پر بہت زیادہ انحصار کیا۔ اس کے علاوہ سپیشل برانچ اور انٹیلی جینس بیورو کو بھی ایوب خاں کے مخالفین کے خلاف جھوٹے سچے مقدمات قائم کرنے پر معمور کر دیا گیا۔ غرض ایوب خاں نے ملک میں

پہلی مرتبہ کھل کر خفیہ سروس کے اداروں کا سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ جب ایوب خاں نے مارشل لا لگایا تو اس وقت بریگیڈئر حیات آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر تھے۔ چونکہ انہیں خفیہ سروس کے سول اداروں پر اعتماد نہ تھا اس لئے انہوں نے آئی ایس آئی کو سیاسی کردار سونپ دیا۔ بریگیڈئر حیات سے سرزد ہونے والی غلطیوں کا نتیجہ آج یہ نکلا ہے کہ آئی ایس آئی ایک نظر نہ آنے والی حکومت بن چکی ہے۔ جنرل حمید گل کے مطابق آئی ایس آئی ایک سمندر ہے اور اس کے حساس شعبوں سے منسلک ایک جاسوس کو دوسرے کی موجودگی کا علم نہیں ہوتا۔ ایوب خاں کی حکومت کے قیام میں اگر خفیہ اداروں کا ہاتھ تھا تو ان کی حکومت بھی خفیہ سروس کے اداروں کی وجہ سے ختم ہوئی۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خاں کا جب ساتھ چھوڑا تو ملٹری انٹیلی جینس اور آئی ایس آئی نے ان کی نگرانی شروع کردی۔ ذوالفقار علی بھٹو جب ایوب خان کی حکومت کو خیرباد کہہ کر لاہور پہنچے تو ان کا یہاں تاریخی استقبال ہوا۔ ایوب خاں کے آخری دور حکومت میں خفیہ اداروں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ملٹری انٹیلی جینس اور آئی ایس آئی کا جنرل یحییٰ خاں کے ساتھ مکمل رابطہ تھا اور یحییٰ خاں اس طرح خفیہ سروس کے اداروں کے ذریعے اقتدار میں آگئے۔ تاہم جنرل یحییٰ خاں بھی زیادہ عرصہ تک چین سے حکومت نہ کرسکے۔ یحییٰ خاں کی مے نوشی اور عورتوں سے "لگاؤ" کی عادت نے ملک کو بہت نقصان پہنچایا۔ جن دنوں بھارت مشرقی پاکستان میں تخریب کاری کروانے میں مصروف تھا' یحییٰ خاں ایوان صدر میں شراب کے جام چڑھانے اور رقص و سرور کی محفلیں منعقد کروانے میں مصروف تھے۔ یحییٰ خاں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے آخری حربے کے طور پر ملٹری انٹیلی جینس' آئی ایس آئی' انٹیلی جینس بیورو اور سپیشل برانچ کا سہارا لیا۔ یحییٰ خاں کی کوشش تھی کہ انتخابات میں کسی بھی سیاسی جماعت کو واضح اکثریت حاصل نہ ہوسکے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو این اے رضوی کی خدمات حاصل کیں اور بعض جرنیلوں نے سیاستدانوں کے ساتھ رابطے قائم کرلئے۔ آئی ایس آئی کو یحییٰ خاں نے اس کام پر لگا دیا کہ پیپلزپارٹی کو مغربی پاکستان میں کامیابی حاصل نہ ہوسکے اور یوں خفیہ ادارے قیوم بیگ کو کامیاب کروانے کے لئے کوششوں میں مصروف ہوگئے۔ یحییٰ خاں خفیہ سروس کے اداروں کے ذریعے صنعت کاروں اور تاجروں سے کروڑوں روپے اکٹھے کئے اور یہ رقم مخصوص سیاستدانوں کے حوالے کی گئی۔ تاہم یحییٰ خاں کے علم میں لائے بغیر انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر این اے رضوی اور جنرل عمر

نے لاکھوں روپے ہضم کر لئے۔ این اے رضوی سے یہ رقم بعد ازاں ذوالفقار علی بھٹو نے وزیر اعظم بننے کے بعد وصول کی۔ آئی ایس آئی کے ذرائع کا دعویٰ ہے کہ خفیہ سروس کے اداروں کو سیاسی کردار سب سے پہلے ذوالفقار علی بھٹو نے تفویض کیا۔ بھٹو نے 1975ء میں بحیثیت وزیر اعظم آئی ایس آئی کو ڈائریکٹو دے کر ایجنسی کے اندر ایک سیاسی سیل قائم کر دیا۔ اسی قسم کا سیل انٹیلی جینس بیورو میں بھی قائم کیا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو میں "پولیٹیکل سیل" 1971ء کے سانحہ مشرقی پاکستان سے سبق حاصل کر کے قائم کروایا تھا۔ اس وقت تک محمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ بھٹو کے سامنے پیش ہو چکی تھی اور وہ بحران کے دور سے گزر چکے تھے۔ قدرتی طور پر انہوں نے یہ کوشش کی کہ وہ ان سیاستدانوں کی جاسوسی کروائیں جن کے دشمن ممالک کے ساتھ روابط تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو اس وقت بھارت کو دشمن نمبر اول سمجھتے تھے جبکہ وہ امریکی سی آئی اے کے عزائم سے بھی آگاہ تھے جس کے پاکستان کے بعض سیاستدانوں کے ساتھ روابط تھے لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے خفیہ سروس کے اداروں کو ایک مخصوص حد تک سیاسی کردار دیا تھا۔ اگرچہ بھٹو نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کو سیاستدانوں کے ٹیلی فون ٹیپ کرنے کی اجازت دے دی تھی تاہم اس کے لئے وزیر اعظم سے تحریری اجازت حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ وزیر اعظم کے علم میں لائے بغیر خفیہ سروس کے ادارے سیاستدانوں' مزدور رہنماؤں' تاجروں' صنعت کاروں' صحافیوں' وکلاء' غیر ملکی اور ملکی سفارتکاروں اور ارکان اسمبلی کے ٹیلی فون ٹیپ کر رہے ہیں۔ خفیہ سروس کے اداروں کو اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ اس طرح ایک غیر قانونی اقدام کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

بھٹو دور حکومت میں خفیہ اداروں کا سیاسی کردار

5 جولائی 1977 کے آمرانہ اقدام کے بعد جنرل ضیاالحق نے ملک کے تمام خفیہ اداروں کا ریکارڈ "سیل" کروا دیا تا کہ ان کے ریکارڈ کی چھان بین کر کے اسے مناسب وقت پر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف شائع کیا جانے والا وائٹ پیپر بھی خفیہ اداروں کی دن رات کی محنت کا نتیجہ تھا۔ ضیاالحق نے 5 جولائی 1977ء کو مارشل لاء لگانے سے قبل جو حکمت عملی مرتب کی تھی، خفیہ ایجنسیوں کا ریکارڈ "سیل" کرنا اس کا ایک اہم حصہ تھا کیونکہ ضیاء کو کم از کم یہ تو معلوم تھا کہ بعض معاملات میں فیڈرل سیکیورٹی فورس (FSF) کا غلط استعمال ہوتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ اپوزیشن نے بھٹو پر 1977ء کے انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگایا تھا اس لئے ضیاالحق نے اس اقدام کو ثابت کرنے کیلئے خفیہ اداروں کا سہارا لیا۔ ملٹری انٹیلی جنس کے بعض ذرائع نے ضیا الحق کو جون 1977ء میں ہی خبردار کر دیا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے بطور وزیراعظم اس کی سرگرمیوں کی نگرانی شروع کرا دی ہے۔ انٹیلی جنس بیورو (IB) کو خصوصی طور پر اس مقصد کیلئے استعمال کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ ضیاالحق نے مارشل لاء لگانے کے فوراً بعد بھٹو مرحوم کے خلاف مواد اکٹھا کرنے کیلئے انہی خفیہ ایجنسیوں کا سہارا لیا جو کبھی بھٹو کے لئے کام کر رہے تھیں۔

ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں خفیہ ایجنسیوں کا سیاسی مقاصد کے لئے جو استعمال ہوا اس کا جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھٹو کے دور میں خفیہ اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال بہت کم ہوا۔ آج تو حالات یہ ہیں کہ کابینہ سے محض پہلے سے طے شدہ

فیصلوں پر "انگوٹھا" لگوانے کا کام لیا جا رہا ہے۔ اور اصل فیصلہ خفیہ ادارے کرتے ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور حکومت میں خفیہ اداروں کی تنظیم نو کے لئے بھی ہر ممکن اقدامات کئے تھے۔ کابینہ کے سیکریٹری وقار احمد نے 24 اکتوبر 1975 کو سابق وزیر اعظم کو ایک مراسلہ ارسال کیا جس میں انہوں نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کی تنظیم نو کے لئے فنڈز کی کمی کا مسئلہ اٹھایا۔ تاہم بعد ازاں بھٹو کو آگاہ کیا کہ وزارت خزانہ نے فنڈز کی فراہمی کے لئے حامی بھر لی ہے۔

وقار احمد کی طرف سے وزیر اعظم کو بھجوائے جانے والے ایک "ٹاپ سیکرٹ" مراسلے میں لکھا گیا تھا کہ "حکومت پر پی پی پی کے ناراض رہنما کافی تنقید کر رہے ہیں، خصوصی طور پر اس وقت حکومت کو ان لیڈروں کی تنقید کا سامنا ہے جو پارٹی چھوڑ چکے ہیں۔ ان رہنماؤں کا مطالبہ ہے کہ ملک سے ہنگامی حالت ختم کر کے عوام کے بنیادی حقوق بحال کئے جائیں، صوبوں کو خود مختاری دی جائے، فیڈرل سیکیورٹی فورس کو فوج میں Merge کر دیا جائے اور نیشنل پریس ٹرسٹ ختم کر دیا جائے۔ انہی دنوں تحریک استقلال نے بھی اپنے 41 نکاتی منشور کا اعلان کر دیا تھا۔ تحریک استقلال کے منشور میں سماجی اور اقتصادی اصلاحات کا ذکر تھا۔ جبکہ اصغر خان نے پی پی پی کے ناراض کارکنوں کی مدد سے حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ مہم شروع کر دی تھی۔ وقار احمد کی رائے تھی کہ ان حالات میں حکومت کو آنے والے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے منصوبہ بندی کر لینی چاہئے۔ اس سلسلے میں ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی قائم ہونی چاہئے۔ جو حکومت کو اپوزیشن کی طرف سے کی جانے والی تنقید کا مؤثر انداز میں جواب دینے کے لئے گائیڈ کرے اور ایسے سیاستدانوں کے خلاف ایکشن لیا جائے جو حکومت پر سخت تنقید کر رہے ہیں۔ وقار احمد نے بھٹو کو مشورہ دیا کہ ایسے سرکاری ملازمین اور تاجروں کے خلاف کاروائی کی جائے جو بھٹو کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کے خلاف انکم ٹیکس ایکٹ اور فارن ایکسچینج ریگولیشن کا استعمال کیا جائے۔ اس کے علاوہ صوبائی خود مختاری کے مطالبے پر حکومت کی طرف سے تفصیلی طور پر وضاحت کی جائے، کرپشن کا آہنی ہاتھ سے خاتمہ کیا جائے، امن عامہ کی صورت حال کو بہتر بنانے کیلئے سخت اقدامات کئے جائیں، قیمتوں میں اضافے کو روکنے کے لئے فوری اقدامات کئے جائیں، سرکاری ملازمین میں موجود عدم تحفظ کے احساس کو دور کیا جائے۔ اس کے علاوہ اسمبلی اور اسمبلی سے باہر جلد ہی مطالبہ کیا جائے گا کہ یحییٰ خان پر مقدمہ چلایا جائے۔

سیکریٹری کابینہ کی مذکورہ تجاویز میں سے اکثر کو بھٹو نے منظور نہ کیا جبکہ یحییٰ خاں بھی

مقدمہ چلانے کے ممکنہ مطالبے کے حوالے سے بھٹو نے ایک "کوارڈی نیشن" کمیٹی قائم کرنے کی منظوری دی۔ اس کے علاوہ حکومت کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنے والے سیاستدانوں کے خلاف ایکشن لینے کی تجویز بھٹو نے مسترد کردی۔ بھٹو نے کاروباری طبقے کے خلاف ایکشن لینے کے لئے انکم ٹیکس قوانین کا سہارا لینے کی تجویز سے بھی اتفاق نہ کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بھٹو اپنے فیصلے خود کرتے تھے اور وہ خفیہ اداروں پر انحصار نہیں کرتے تھے۔

سیکریٹری کابینہ نے اپنے ایک اور مراسلے کے ذریعے بھٹو کو آگاہ کیا تھا کہ حکومت کو مستقبل قریب میں سب سے زیادہ قادیانی' سی ایس پی گروپ' تاجروں اور صنعت کاروں' زمینداروں اور ان فوجی اور سول حکام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا جن کو قبل از وقت ملازمت سے فارغ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سیکریٹری کابینہ نے بھٹو کو مشورہ دیا کہ بری شہرت کے حامل تمام افراد کے خلاف ایکشن لیا جائے اور اسے صرف ملازمین تک ہی محدود نہ رکھا جائے بلکہ بری شہرت کے حامل کچھ وزراء اور پارٹی کارکنوں کے خلاف بھی کاروائی کی جائے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اس تجویز سے اتفاق کرلیا اور بری شہرت کے حکام وزراء اور اعلیٰ افسران کی فہرست تیار کرلی گئی۔

سیکریٹری کابینہ نے 24 اکتوبر 1975ء کے اسی مراسلے میں لکھا کہ وزارت اطلاعات و نشریات کی تنظیم نو کی جائے۔ کیونکہ یہ محکمہ موجودہ حالات میں تسلی بخش طریقے سے کام نہیں کر رہا۔ بھٹو نے اس کی تجویز کی بھی منظوری دے دی۔ سیکریٹری کابینہ 'سیکریٹری کابینہ نے بھٹو کو تجویز پیش کی کہ خفیہ ایجنسیوں کو فعال بنانے کے لئے ہر ممکن اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ بھٹو نے اس تجویز سے بھی اتفاق کیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے 5 اپریل 1977ء کو تمام صوبائی وزرائے اعلیٰ سیکریٹری داخلہ' ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو' ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی' مساوات کے چیف ایڈیٹر میر جمیل الرحمن اور ہلال پاکستان کے ایڈیٹر سراج الحق کو انتہائی خفیہ مراسلہ بھجوایا تھا جس میں انہوں نے کہا کہ "1967ء سے اب تک حنیف رامے' غلام مصطفیٰ کھر' قیوم خان' یوسف خٹک اور میر رسول بخش تالپور نے میری حمایت میں جتنی بھی تقریریں کی ہیں اور جتنے بھی اخباری بیانات جاری کئے ہیں ان کے متعلق مجھے فوری طور پر آگاہ کیا جائے۔"

بھٹو مرحوم کے اس اقدام کا مقصد مذکورہ سیاستدانوں کی ممکنہ مخالفت کا توڑ نکالنا تھا کیونکہ حنیف رامے' غلام مصطفیٰ کھر' قیوم خان' ۔یوسف خٹک اور میر رسول بخش تالپور نے

بھٹو کی پالیسی سے اختلاف کرنا شروع کردیا تھا۔ بھٹو کا خیال تھا کہ وہ ان سیاستدانوں کے بدلتے انداز کے متعلق عوام کو آگاہ کریں گے۔

ذوالفقار علی بھٹو کا خیال تھا کہ وہ عوام کو بتائیں گے کہ پیپلز پارٹی کے وہی رہنما جو کل تک میری تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے وہ آج دشمن کی شہ پر میرے خلاف تقریریں کر رہے ہیں۔ بھٹو نے یہ مراسلہ لکھنے کے بعد صوبوں کے وزرائے اعلیٰ اور خفیہ ایجنسیوں کو تاکید کی تھی کہ وہ ان کے احکامات پر انتہائی خفیہ طریقے سے عمل کریں اور کسی کو اسکی کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔

بھٹو کو 5 اپریل 1976ء کو ہی پتہ چل گیا تھا کہ ان کے بعض ساتھی جن میں حنیف رامے، کھر، قیوم خان اور میر رسول بخش تالپور شامل ہیں کسی بھی وقت پی پی پی سے الگ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے احتیاطاً ان کے ریکارڈ کو جمع کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بھٹو اس بات سے خوف زدہ بھی تھے کہ کہیں ان کے اس اقدام کا کسی کو علم نہ ہو جائے۔ بھٹو نے مراسلے میں لکھا کہ ہم اپنی طرف سے کھر، رامے، وغیرہ کو کچھ نہیں کہیں گے لیکن اگر وہ ہمارے دشمنوں کے چکر میں آکر ان کے ساتھ مل گئے تو پھر وہ اپنے کئے کے ذمہ دار خود ہوں گے۔ بھٹو نے وزراء اعلیٰ اور خفیہ ایجنسیوں کو ھدایت کی تھی کہ وہ اپنے کام کی تکمیل کے لئے سی آئی ڈی، سپیشل برانچ اور ہوم ڈیپارٹمنٹ سے بھی رجوع کر سکتے ہیں جو انہیں ہر ممکن مدد فراہم کریں گے۔

جن دنوں سپریم کورٹ میں بھٹو کے خلاف نواب احمد خان کے قتل کا مقدمہ چل رہا تھا۔ انہی دنوں ضیاالحق نے اے کے بروہی کے ذریعے سپریم کورٹ کو باور کرایا کہ "بھٹو خفیہ ایجنسیوں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتا رہا ہے۔ اے کے بروہی نے سپریم کورٹ میں کہا کہ "جب راؤ رشید نے 21 اکتوبر 1976ء کو بھٹو کو مشورہ دیا کہ پی پی پی کے امیدواروں کی مدد کے لئے انٹیلی جینس بیورو کو استعمال کیا جائے تو بھٹو نے اس سے اتفاق کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ راؤ عبد الرشید نے بھٹو کو 21 اکتوبر کو ایک انتہائی خفیہ مراسلہ بھجوایا جس میں انہوں نے کہا کہ "وزیر اعظم نے اس تجویز کی منظوری دے دی ہے کہ انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے انتخابی حلقوں کا سروے کرایا جائے تاکہ اس بات کا علم ہو سکے کہ پی پی پی کے لئے کون سا امیدوار سب سے زیادہ موزوں رہے گا۔ حکومت نے انٹیلی جینس بیورو کو ھدایت کی تھی کہ وہ ان امیدواروں کی فہرست 30 نومبر 1976ء تک مکمل کرلے جو پی پی پی کے لئے موزوں ہیں۔ جبکہ

فیڈرل سیکیورٹی فورس کے انٹیلی جینس ڈائریکٹوریٹ نے یہ کام اکتوبر میں ہی مکمل کرلیا تھا۔ اسکے علاوہ ذوالفقار علی بھٹو نے چاروں صوبوں کے وزراء اعلیٰ کو بھی ایک مراسلہ لکھا جس میں انہوں نے انہیں ھدایت کی کہ آئندہ عام انتخابات کے لئے موزوں امیدواروں کی فہرست مجھے ارسال کریں۔ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی ھدایت پر خفیہ اداروں نے پی پی پی کے لئے موزوں امیدواروں کی تلاش شروع کر دی۔ انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر اکرم شیخ نے آئندہ انتخابات کے حوالے سے خفیہ سروے کرایا۔ انٹیلی جینس بیورو میں اس مقصد کے لئے ایک ریسرچ سیل قائم کیا گیا۔ جس نے انتہائی محنت سے تیار کردہ سروے رپورٹیں وزیر اعظم کو ارسال کیں۔ انٹیلی جینس بیورو نے ایک سروے یہ کرایا تھا کہ کیا ایک جماعت کے مقابلے میں 9 سیاسی جماعتوں کا اتحاد زیادہ مؤثر رہے گا۔ جس پر 77 فیصد لوگوں نے رائے دی کہ 9 جماعتوں کے اتحاد کی بجائے ایک مضبوط سیاسی جماعت زیادہ بہتر ثابت ہوگی۔ اور یہ جماعت پی پی پی ہوگی۔ جبکہ 23 فیصد لوگوں کا خیال تھا کہ 9 سیاسی جماعتوں کے اتحاد کو کامیابی حاصل ہوگی۔ ایک اور سروے کے مطابق 66 فیصد لوگوں نے پی پی پی کو پسند کیا جبکہ 33 فی صد عوام نے پاکستان قومی اتحاد کے حق میں فیصلہ دیا۔ 79ء9 فی صد افراد نے ارکان اسمبلی کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا جبکہ 2ء1 فی صد لوگ اپنے ارکان اسمبلی سے خوش تھے۔ البتہ 95 فی صد لوگوں نے حکومتی پالیسیوں پر تنقید کی اور شکایت کی کہ روز مرہ اشیاء کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں' شہری آزادی میں کمی آئی ہے' امن عامہ کی صورت حال خراب ہو رہی ہے' صنعتوں کو قومیائے جانے سے پیداوار میں کمی آگئی ہے۔ جبکہ لوگوں کے ذہن میں سانحہ مشرقی پاکستان کے حوالے سے بھٹو کے متعلق شکوک و شبہات موجود ہیں۔

انٹیلی جینس بیورو نے یہ سروے Institute of Research and Analysis کے cover میں مکمل کیا تھا۔ سروے کے دوران لوگوں کو ایک سوالنامہ جاری کیا گیا تھا۔ جن لوگوں نے سروے میں حصہ لیا ان میں وکیل' صحافی' تاجر' صنعت کار' مزدور' طالب علم اور ڈاکٹر شامل تھے۔ انٹیلی جینس بیورو نے مذکورہ انسٹی ٹیوٹ کو نجی شعبے میں قائم کیا تھا جس کے اکثر ارکان کو اس بات کا علم تک نہ تھا کہ ان کے تیار کردہ سروے کو کوئی خفیہ ایجنسی استعمال کرے گی۔"

انٹیلی جینس بیورو نے 1976ء میں بھٹو کو آگاہ کیا کہ انتخابات سے قبل کرائے جانے والے سروے کے دوران یہ بات سامنے آئی ہے کہ لوگ اب بھی آپ کو ایک ذہین سیاستدان مانتے ہیں لیکن پی پی پی کی مقبولیت کچھ کم ہوتی جارہی ہے۔ اور اس کی وجہ پی پی پی کے ارکان

اسمبلی کی غیر تسلی بخش کارکردگی ہے۔ لوگوں کی اکثریت کو امید ہے کہ بھٹو ان کے مسائل حل کرے گا لیکن عوام پی پی پی کے دوسرے درجے کے رہنماؤں کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔ انٹیلی جینس بیورو کا خیال تھا کہ انتخابات کے بعد پاکستان قومی اتحاد ختم ہو جائے گا اگرچہ وقت نے آئی بی کے اس سروے کو درست ثابت کیا۔ انتخابات کے بعد پی این اے تو ختم ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ بھٹو حکومت کی بھی چھٹی ہو گئی۔ پی این اے کو ختم کرنے میں ضیا الحق نے بھرپور کردار ادا کیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے فیڈرل سیکیورٹی فورس ایک اچھی نیت سے قائم کی تھی۔ لیکن اس کا استعمال بعد ازاں اچھا نہ ہوا کیونکہ ایف ایس ایف نے 19 اکتوبر 1975ء کو غلام مصطفیٰ کھر کے جلسے کو خراب کیا تھا۔ جس میں متعدد لوگ مارے گئے۔ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ ایف ایس ایف نے غلام مصطفیٰ کھر اور ایر مارشل اصغر خان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس طرح دوسرے اپوزیشن سیاستدانوں سے نپٹنے کی منصوبہ بندی بھی کی گئی تھی۔ جے اے رحیم کو بھی ایف ایس ایف نے مارا پیٹا تھا۔ جبکہ لاہور اور کوئٹہ میں بموں کے دھماکے بھی ایف ایس ایف کے ذریعے کروائے گئے تھے۔ ایف ایس ایف نے حکومت کے مخالفین کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے محکمہ انکم ٹیکس کو بھی استعمال کیا کیونکہ انکم ٹیکس والوں نے ایف ایس ایف کے کہنے پر صنعت کاروں اور تاجروں کو نوٹس جاری کئے۔

اے کے بروہی کے مطابق بھٹو مخالفین کو کچلنے کے لئے ایف ایس ایف کے کارنامے سن کر خوش ہوتے تھے۔ مثلاً قادر بخش نظامی کی ضمانت ایف ایس ایف کی وجہ سے نہ ہوئی ایف ایس ایف کو سیاسی مخالفین کے اغواء اور قتل کے لئے بھی استعمال کیا گیا۔ اس سلسلے میں دلائی کیمپ کافی مشہور ہوا اور ضیا الحق نے دلائی کیمپ میں تشدد کا نشانہ ۔بننے والوں کی زبانی ٹی وی پر ظلم کی داستان کے عنوان سے پروگرام پیش کئے۔

ایف ایس ایف کے حوالے سے افتخار تاری کے ساتھ ہونے والی زیادتی سب سے زیادہ مقبول ہوئی اور ضیا الحق نے خصوصی طور پر افتخار تاری کو ٹی وی پر اپنے اوپر ہونے والی زیادتیوں کی داستان بیان کرنے کا موقع دیا۔ وہ لوگ جو بھٹو دور حکومت میں آنکھیں بند کر کے ہر قسم کے کام کر رہے تھے یا وہ لوگ جو بھٹو سے غلط کام کروا رہے تھے انہوں نے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد پینترا بدلا اور عدالتوں میں بیان بازی کا سلسلہ شروع کر کے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بھٹو ایک انتہائی ظالم انسان ہے اس لئے اس کو زندہ چھوڑنا مظلوموں کے ساتھ زیادتی کے

مترادف ہے۔ ایف ایس ایف نے بھٹو دور حکومت میں اگر سیاسی مخالفین پر ظلم کئے تو اس کی ذمہ داری اس فورس کے سربراہ پر بھی عائد ہوتی ہے لیکن ایف ایس ایف کے ڈائریکٹر جنرل مسعود محمود بھٹو کے خلاف مقدمہ قتل میں وعدہ معاف گواہ بن گئے اور اس دور میں جن لوگوں نے بھٹو کا ساتھ دیا وہ یا تو پیپلز پارٹی سے نکالے جا چکے ہیں اور یا نکالے جا رہے ہیں اور یہ فریضہ بے نظیر بھٹو انجام دے رہی ہیں۔ مسعود محمود جیسے افراد آج بھی بے نظیر بھٹو کے ارد گرد موجود ہیں اور محترمہ کو ان کی وفاداری پر کوئی شک نہیں جبکہ پارٹی کے وفادار باہر بیٹھے یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔

مسعود محمود نے 5 اگست 1977ء کو لاہور ہائی کورٹ میں خفیہ ایجنسیوں کے کردار کے حوالے سے بیان دیا اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بھٹو نے خفیہ اداروں بشمول FSF کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اور بھٹو کے حکم پر انتخابات سے قبل مخالف سیاستدانوں کے خلاف سخت کاروائی کی گئی۔ مسعود محمود نے کہا کہ بھٹو نے مجھے کہا تھا کہ میں انہیں کوڈ ورڈز میں رپورٹ ارسال کیا کروں۔ ایف ایس ایف کے انٹیلی جینس یونٹ کو منتظم کرنے میں مسعود محمود اور حبیب الرحمٰن کا ہاتھ تھا۔ حبیب الرحمٰن کو بعد ازاں ضیاالحق نے سندھ پولیس کا آئی جی لگا دیا۔ بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ مسعود محمود کی طرح حبیب الرحمٰن بھی ضیاالحق کے لئے مفید ثابت ہوئے تھے۔ مسعود محمود کے مطابق سیاسی مخالفین کی فہرست کو حتمی شکل بھٹو کی زیر صدارت منعقدہ ایک اجلاس میں دی گئی۔

خفیہ ادارے اور 1977ء کے انتخابات

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ بھٹو دور حکومت میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ 1977ء کے انتخابات کے حوالے سے چاروں صوبوں میں ایک سروے کرایا جائے گا جس کیلئے خفیہ اداروں سے بھی مدد لی جائے گی۔ اس ضمن میں تیار کردہ ایک سروے رپورٹ وزیراعظم کو بھجوائی گئی۔ یہ رپورٹ آئی ایس آئی' انٹیلی جینس بیورو' فیڈرل سیکیورٹی فورس اور سپیشل برانچ کی الگ الگ تیار کردہ رپورٹوں کی مدد سے تیار کی گئی تھی۔

جس کے مطابق پی پی پی کو سرحد میں قومی اسمبلی کی 26 نشستوں میں سے 7 نشستوں پر یقینی طور پر کامیابی ہو سکتی تھی جبکہ اپوزیشن کے 12 امیدواروں کی کامیابی کا امکان تھا۔ پنجاب میں 116 نشستوں میں سے پی پی پی کو آسانی سے 54 نشستیں ملنے کی توقع تھی' سندھ میں اسے 43 میں سے 30 اور بلوچستان میں 7 میں سے 4 نشستیں حاصل ہو سکتی تھیں۔ لیکن جب نتائج سامنے آئے تو پی پی پی کو صوبہ سرحد میں 26 میں سے 8 پنجاب میں 116 میں سے 108' سندھ میں 34 میں سے 32 اور بلوچستان میں ساتوں کی ساتوں نشستیں حاصل ہو گئیں۔

انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کی جانب سے ذوالفقار علی بھٹو کو روزانہ رپورٹیں ارسال کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے اپوزیشن کے امیدواروں کے خلاف مواد اکٹھا کیا گیا۔

اس کے علاوہ خفیہ اداروں نے ارکان اسمبلی اور اہم سیاستدانوں سے سرزد ہونے والے جرائم کے متعلق بھی خصوصی فائلیں تیار کی تھیں تاکہ انہیں بوقت ضرورت استعمال کیا

جاسکے۔ بھٹو کے پاس ارکان اسمبلی کے پاس موجود منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا مکمل ریکارڈ تھا۔ اس ریکارڈ سے بھٹو مرحوم تو فائدہ نہ اٹھا سکے لیکن ضیاء الحق نے مارشل لاء لگانے کے بعد اس کا خوب استعمال کیا اور سیاستدانوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کیا۔ اس کے علاوہ بھٹو کے پاس ان نامور تاجروں اور صنعت کاروں کی بھی ایک فہرست موجود تھی جو اپوزیشن کا ساتھ دے رہے تھے لیکن وہ ٹیکس چوری یا سمگلنگ میں ملوث تھے۔ یہ تاجر اور صنعت کار بھی ضیاالحق کے بہت کام آئے۔

خفیہ اداروں کا کردار بھٹو دور حکومت میں صرف پاکستان تک ہی محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے آزاد کشمیر میں 18 مئی 1975ء کو ہونے والے انتخابات کے متعلق بھی انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کے ذریعے ایک سروے کروایا تھا تاکہ انہیں اس بات کا علم ہو سکے کہ ان انتخابات میں کس امیدوار کو ٹکٹ دیا جائے اور کس کو نہیں۔ بھٹو نے اس ضمن میں سردار محمد حیات تمن کو آزاد کشمیر کے انتخابات کا انچارج مقرر کیا تھا۔

اپوزیشن نے بھٹو پر الزام لگایا تھا کہ انہوں نے آزاد کشمیر کے انتخابات میں سرکاری وسائل اور حکومتی مشینری استعمال کر کے اپنے حامی امیدواروں کو کامیاب کروایا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ انہوں نے خفیہ اداروں کے فنڈز کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ ایک رپورٹ کے مطابق 1977 تک وزیراعظم کو انٹیلی جینس بیورو کے فنڈز سے 38 لاکھ روپے فراہم کئے گئے۔ جبکہ دوسرے سیاستدانوں کو بھی انٹیلی جینس بیورو کے فنڈز سے رقم فراہم کی گئی جن میں محمد افضل وٹو' محمد خالد ملک اور سردار غوث بخش رئیسانی شامل تھے جبکہ الیکشن سے قبل آغا حسن عابدی نے ایک ملک کے سربراہ کی طرف سے بھٹو کو 3 کروڑ روپے پیش کئے تاکہ وہ یہ رقم انتخابی مہم پر خرچ کر سکیں۔

انٹیلی جینس بیورو نے اپنے فنڈز میں سے حکومت کے حامی سیاستدانوں کو 99 لاکھ 84 ہزار 578 روپے فراہم کئے۔ انٹیلی جینس بیورو نے انتخابات سے قبل جن سیاستدانوں کو رقم فراہم کی ان میں نصراللہ خاں خٹک' ممتاز علی بھٹو' غلام مصطفیٰ جتوئی' خورشید حسن میر' ناصر علی رضوی' مبشر حسن' ڈاکٹر غلام حسین' حیات محمد خاں شیرپاؤ اور زہرہ بیگم کے نام شامل ہیں۔ انٹیلی جینس بیورو کے ہی فنڈ سے پی پی پی کو مزید ڈیڑھ لاکھ روپے اور اس وقت کے صوبائی وزراء اعلیٰ اور گورنروں کو 25 لاکھ روپے ادا کئے گئے۔ انٹیلی جینس بیورو کے متفرق اخراجات کی مد میں 16 لاکھ روپے مختلف لوگوں کو ادا کئے بعد ازاں انٹیلی جینس بیورو نے پیپلز پارٹی پر مزید

50 لاکھ روپے خرچ کئے۔ اس طرح بھٹو دور حکومت میں سیکرٹ فنڈز کا سیاسی مقاصد کیلئے استعمال ہوا۔

ذوالفقار علی بھٹو کیلئے پریشانی کا دور ان کے اقتدار میں آنے کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا کیونکہ یحییٰ خان نے انٹیلی جینس ایجنسیوں کے ذریعے عوام میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ سانحہ مشرقی پاکستان کی ذمہ داری بھٹو پر عائد ہوتی ہے۔ بھٹو جب اقتدار میں آئے تو ڈائریکٹر انٹیلی جینس ایس اے رضوی نے بھٹو کے خلاف موجود ریکارڈ جلانے کی کوشش کی تاکہ وہ عتاب سے بچ جائیں۔ لیکن بھٹو مرحوم کو اس کا علم ہو گیا اور انہوں نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کا ریکارڈ سربہ مہر کرنے کا حکم دے دیا۔ وقتی طور پر تو بھٹو کے خلاف کسی نے کوئی بات نہ کی لیکن 1977ء کے الیکشن کے دوران بھٹو مرحوم کو غدار تک کہا گیا اور اپوزیشن نے انتخابات کے نتائج کو مسترد کر دیا۔ کہتے ہیں کہ بھٹو مرحوم نے ریفرنڈم کا اعلان بھی انٹیلی جینس بیورو کے مشورے سے کیا تھا جسے عوام نے مسترد کر دیا۔ پاکستان قومی اتحاد کی احتجاجی تحریک کے دوران دینی جماعتوں کے رہنماؤں سمیت دیگر سیاستدانوں نے خوب مال کمایا۔ کیونکہ ان کو ایک انتہائی خفیہ رپورٹ کے مطابق بڑے بڑے تاجر اور صنعت کار فنڈز فراہم کر رہے تھے، جن میں شہزادہ عالم منوں، نسیم سہگل، فضل دین اینڈ سنز اور شیخ سلیم شامل تھے۔ انٹیلی جینس بیورو کی رپورٹ کے مطابق پی این اے کو سب سے زیادہ رقم گوجرانوالہ کے تاجروں اور صنعت کاروں نے فراہم کی تھی۔

وفاداری بدلتی ہے!

کابینہ کے سابق سیکرٹری وقار احمد کو 5 جولائی 1977ء کے بعد ضیاء الحق نے بھٹو کے خلاف مواد حاصل کرنے کیلئے سب سے زیادہ استعمال کیا۔ جنرل ضیاء نے 1977ء کے انتخابات میں دھاندلیوں کے اقدامات کی چھان بین کیلئے جو ٹیم مقرر کی تھی اس کے ایک رکن بریگیڈئر نعیم نے وقار احمد کا ایک حلفیہ بیان قلم بند کیا جس میں کابینہ کے سابقہ سیکرٹری نے کہا کہ بھٹو الیکشن کمیشن کی کارکردگی سے مطمئن نہ تھے کیونکہ حلقہ بندیوں کے معاملے میں الیکشن کمیشن پی پی پی کی قیادت کے مشورے تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ اس لئے بھٹو نے الیکشن کمیشن پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے اسے وزارت قانون کی بجائے براہ راست وزیراعظم سیکریٹیریٹ کے ماتحت کردیا۔ (یہ وہی بیوروکریٹ ہے جو کل تک بھٹو کا وفادار تھا اور مرحوم کو نت نئے مشورے دیا کرتا تھا۔)

وقار احمد کے بیان کے مطابق بھٹو نے انتخابات کرانے کیلئے منصوبہ بندی کا آغاز 1976ء کے شروع میں ہی کردیا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مسٹر تمن کی تقرری کی۔ مسٹر تمن نے مجھے کہا کہ ان "مناسب" لوگوں کی فہرست تیار کرو جنہیں ہم اے ایس آئی' سب انسپکٹر' ڈی ایس پی' نائب تحصیلدار اور تحصیلدار مقرر کرسکیں تاکہ حکومت کو الیکشن کے ایام میں ان سے مدد حاصل ہوسکے۔ کیبنٹ ڈویژن نے صوبوں کے وزراء اعلیٰ کی مدد سے یہ فہرستیں تیار کیں اور جنوری 1977ء میں حکومت نے اے ایس آئی' سب انسپکٹر ڈی ایس پی' تحصیلدار اور نائب تحصیلداروں کی تقرریاں کرنا شروع کردیں

وقار احمد نے کہا کہ پنجاب کے آئی جی پولیس چوہدری فضل حق نے چیف سیکریٹری' راؤ رشید' افضل سعید خاں اور سعید احمد خاں کے ساتھ ایک میٹنگ کی جس میں طے پایا کہ شہری علاقوں میں اگرچہ دھاندلی نہیں ہونی چاہئے۔ تاہم اگر دیہی علاقوں میں دھاندلی ہو تو حکومت کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ الیکشن کے دن مجھے انٹیلی جنیس بیورو اکرم شیخ نے بتایا کہ جب رات 12 بجے کنٹرول روم میں نتائج پہنچے تو بھٹو بہت غصے میں تھے اور انہوں نے کہا کہ پی پی

پی الیکشن ہار رہی ہے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ اس دوران پنجاب کے چیف سیکریٹری کے پاس ہدایات گئیں جس کے بعد پنجاب میں وسیع پیمانے پر دھاندلی ہوئی۔

1977ء کے انتخابات میں یحییٰ بختیار ہار رہے تھے لیکن اعلیٰ حکام کی ہدایت پر ان کو جتوایا گیا اور 8 مارچ 1977ء کو پشین سکاؤٹس فورٹ میں خالی بیلٹ پیپروں پر انگوٹھے لگا کر یحییٰ بختیار کو کامیاب کرایا گیا۔ یہ تمام کام کمشنر کوئٹہ کے کہنے پر کیا گیا۔ ریٹرننگ آفیسر محمد افضل نے یحییٰ بختیار کو دھاندلی کے ذریعے کامیاب کرانے کی مخالفت کی تھی اور وہ 8 مارچ 1977ء کو کوئٹہ شہر چھوڑ گئے۔ اور بعد ازاں ان کی جگہ یحییٰ بختیار کو کامیاب کرانے کا فریضہ ایک ایس ڈی او منظور حسین نے انجام دیا۔

پشین سکاؤٹس میں یحییٰ بختیار کو کامیاب کرانے کے لئے جب جعلی بیلٹ پیپر تیار کئے گئے اس وقت کمشنر کوئٹہ، مرزا منور، نیر آغا، محمد اعظم اسسٹنٹ کمشنر پشین، تحصیلدار حسن جو گیزی تحصیلدار راجہ نوید، تحصیلدار عبدالفن، جمعہ خاں جعفر اور ایک نائب تحصیلدار موجود تھا۔ بیلٹ بکسوں کو جعلی ووٹوں سے بدلنے کے بعد انہیں سیل کیا گیا۔ یہ بیلٹ بکس 9 مارچ کی رات کو بھی قلعے میں پڑے رہے جنہیں بعد ازاں ڈی سی آفس میں منتقل کیا گیا۔

ہوم سیکریٹری سندھ کا حلفیہ بیان

ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سندھ کے ہوم سیکریٹری محمد خاں جونیجو نے ضیاء کی انکوائری ٹیم کو ضیاء الحق کی مرضی کے مطابق ایک بیان جاری کر دیا جس میں انہوں نے کہا "پی پی کی حکومت نے سیاسی مخالفین کو دبانے کیلئے ہر ممکن اقدامات کئے اور اس کوشش میں سپیشل برانچ اور انٹیلی جینس بیورو کو بھی استعمال کیا گیا۔ سندھ کے بعض شہروں میں دفعہ 144 لگا دی گئی تا کہ اپوزیشن جلسے نہ کر سکے۔ مگر پی پی کے رہنماؤں نے دفعہ 144 کے نفاذ کے باوجود جلسے کئے۔ ہمیں حکم تھا کہ اپوزیشن پر خصوصی طور پر نگاہ رکھی جائے۔ بھٹو کے حکم پر سندھ کے اپوزیشن لیڈروں کو تنگ کیا گیا۔ ممتاز علی بھٹو کے حکم پر ہم نے پی پی کے مخالفین کو تنگ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ممتاز علی بھٹو نے اے کے بروہی کے گھر میں آتش گیر مادہ پھینکوایا تھا۔ شروع میں جام صادق علی اور ممتاز بھٹو میں دوستی تھی لیکن بعد میں وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ 1973ء کے آخری مہینوں میں ذوالفقار علی بھٹو نے مجھے ڈائریکٹ فون کیا۔ وہ پوچھنا چاہتے تھے کہ کیا پی پی کا کوئی وزیر یا سینیٹر رہنما کراچی میں موجود ہے یا نہیں۔ میں نے بھٹو کو بتایا کہ تمام وزیر، چیف سیکریٹری اور اعلیٰ حکام سیلاب کی ڈیوٹی پر گئے ہوئے ہیں جس پر بھٹو نے کہا کہ جام صادق علی آج کراچی پہنچ رہے ہیں۔ امن وعامہ کی صورت حال کو قابو میں رکھنے کے لئے وہ ایک انچارج کی حیثیت سے کام کریں گے۔ جام صادق علی اس وقت کابینہ میں وزیر کی حیثیت سے شامل تھے۔ بعد ازاں آئی جی پولیس اور دوسرے متعلقہ حکام کو میں نے اکثر جام صادق علی کے گرد منڈلاتے دیکھا۔ کچھ دنوں بعد وزیر اعلیٰ ممتاز علی بھٹو نے ایک اجلاس بلایا جس میں

وزیر اعلیٰ سندھ، چیف سیکریٹری مسٹر بشیر، آئی جی پولیس فضل حق چوہدری، سپیشل برانچ کے سربراہ کے علاوہ میں خود بھی موجود تھا۔ جام صادق علی نے چھوٹتے ہی وزیر اعلیٰ سندھ کو کہا کہ ضلع سانگھڑ کی انتظامیہ میرے کنٹرول میں کام کرے گی۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے جام صادق علی کی بات سے اتفاق نہ کیا اور انہوں نے جام صادق کو کہا کہ تم اپنے احکامات کے متعلق آئی جی پولیس کو آگاہ کرنا، جس پر عمل کیا جائے گا۔ سندھ کے وزیر اعلیٰ کی اس بات سے جام صادق علی نے اتفاق نہ کیا۔ اجلاس میں موجود اعلیٰ حکام اس صورت حال کو دیکھ کر ششدر رہ گئے کیونکہ اختیارات کے استعمال کے حوالے سے وزیر اعلیٰ ممتاز علی بھٹو اور جام صادق علی میں تلخی بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ جام صادق علی اپنے احکامات سے ایس پی سانگھڑ اور ڈی ایس پی سانگھڑ کو آگاہ کیا کرے گا۔ (چونکہ جام صادق علی نے وزیر اعلیٰ ممتاز بھٹو کے اختیارات کا استعمال شروع کر دیا تھا اور ممتاز بھٹو کے کہنے کے باوجود ذوالفقار علی بھٹو نے اس کا نوٹس نہ لیا اور اس کیلئے وزیر اعلیٰ سندھ نے دسمبر 1973ء میں استعفیٰ دیا)

سابق ہوم سیکریٹری محمد خاں جونیجو کے مطابق ممتاز بھٹو نے اس لئے استعفیٰ دیا کہ جام صادق علی نے وہ اختیارات بھی استعمال کرنا شروع کر دیئے تھے جو آئین کے مطابق وزیر اعلیٰ کا حق تھا۔ جام صادق علی نے وزیر اعلیٰ کے مشورے کے بغیر ہی ضلعی انتظامیہ اور پولیس کو اپنے احکامات جاری کرنا شروع کر دیے تھے۔ قبل ازیں ایک موقع پر جب ممتاز بھٹو نے منور ادریس کی سیکریٹری منصوبہ بندی اور ہاؤسنگ کے طور پر تقرری کی تو جام صادق علی نے بھٹو سے کہہ کر یہ تقرری ختم کرا دی۔ اور مظہر رضا کو سیکریٹری منصوبہ بندی اور ہاؤسنگ مقرر کر دیا گیا۔ ایک دفعہ وزیر اعظم سیکریٹریٹ سے براہ راست حکم آیا کہ ممتاز بھٹو کے بھائی اور بہن کے گھر کی تلاشی لی جائے، مگر اس اقدام سے قبل ہوم ڈیپارٹمنٹ اور پولیس کے علاوہ ضلعی انتظامیہ کو بھی آگاہ نہ کیا گیا۔ ممتاز علی بھٹو جن دنوں وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھے ان دنوں بھی ضلع لاڑکانہ کی انتظامیہ کو احکامات وزیر اعلیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ وزیر اعظم سیکریٹریٹ کی طرف سے ملتے تھے۔ حکومت نے لاڑکانہ میں امن عامہ کی صورت حال کے حوالے سے جو اقدامات کیے ان کے متعلق بھی وزیر اعلیٰ کو بے خبر رکھا گیا۔ ممتاز علی بھٹو کے مستعفی ہونے کے بعد غلام مصطفیٰ جتوئی کو وزیر اعلیٰ سندھ مقرر کر دیا گیا، جن کے دور میں سیاسی مخالفین کو کچلنے کا سلسلہ بند ہو گیا اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ جتوئی اپنے احکامات براہ راست آئی جی اور ڈی سی کو دیتا تھا اور کبھی کبھی وہ مجھے بھی کہہ دیتے تھے میرے احکامات سے آئی جی اور ڈی سی کو آگاہ کر دو۔

ایک دفعہ جتوئی نے مجھے حکم دیا تھا کہ سابق وزیر اعظم کی بہن کا گھر خالی کراؤں لیکن میں نے اس پر عمل نہ کیا۔ میں نے ممتاز بھٹو اور جتوئی کے غلط احکامات کو ماننے سے انکار کیا۔ میں نے جیل حکام کو سختی سے کہا تھا کہ سیاسی قیدیوں پر ظلم وزیادتی باکل نہ کریں۔ محمد خاں جونیجو کے مطابق انہوں نے کبھی کرپشن نہیں کی۔ ان کے پاس 50 ہزار روپے کا سیکرٹ فنڈ تھا جبکہ اس کے برعکس آئی جی پولیس کے پاس سالانہ 5 لاکھ کا خفیہ فنڈ موجود تھا۔ اس طرح انٹیلی جینس بیورو کا سیکرٹ فنڈ بھی تھا جو ہمارے (ہوم ڈیپارٹمنٹ) مقابلے میں کہیں زیادہ تھا۔ آئی جی پولیس اور انٹیلی جینس بیورو کے سیکرٹ فنڈ میں سے رقم خرچ کرنے سے قبل کبھی بھی حکومت سے منظوری نہیں لی گئی اور نہ ہی ان فنڈز کے اکاؤنٹ کا آڈٹ ہوتا تھا۔ لیکن میں نے ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سیکرٹ فنڈ کو ہمیشہ وزیر اعلیٰ کی منظوری سے خرچ کیا۔ وزیر اعلیٰ کے حکم پر ہم سیکرٹ فنڈ سے کچھ رقم طالب علموں کو بھی دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ رقم طالب علموں کو "Source" ظاہر کرکے دی جاتی تھی۔ وزیر اعلیٰ کے حکم پر سپیشل برانچ اور پولیس نے ان سیاسی مخالفین کو گرفتار کیا جو حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک چلا رہے تھے۔ حکومت نے جن اعلیٰ افراد کو ملازمت سے نکالنے کا فیصلہ کیا تھا ان میں میرا نام بھی شامل تھا اور جتوئی نے مجھے ہوم سیکریٹری کے عہدہ سے ہٹانے کی منظوری دے دی تھی۔ 1977ء کے انتخابات سے قبل جتوئی نے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس بلایا جس میں انہوں نے کہا کہ چونکہ اس وقت پیپلز پارٹی کی حکومت اقتدار میں ہے اس لئے پولیس اور ضلعی انتظامیہ کو پی پی پی کے امیدواروں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ جتوئی نے انتخابات میں پی پی پی کو کامیاب کرانے کیلئے اپوزیشن رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاری اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کا حکم دیا۔ جتوئی کے حکم پر لوگوں کو پانی' گیس اور بجلی کے کنکشن فراہم کئے گئے۔ اور ان کے حکم پر صوبے میں 3 الیکشن سیل قائم کئے گئے تھے ان میں سے ایک ڈیفنس سوسائٹی میں قائم کیا گیا۔ جبکہ اسی طرح کا ایک سیل سیکریٹریٹ میں قائم کرکے اس کا سربراہ سپیشل برانچ کے ایک اعلیٰ عہدے دار کو مقرر کیا گیا تھا۔ اس سیل نے حکومتی وسائل کا غلط استعمال کیا تاکہ پی پی پی سے تعلق رکھنے والے امیدواروں کو کامیاب کرایا جاسکے۔ جام صادق علی نے تمام محکموں کی گاڑیوں پر قبضہ کرکے انہیں پی پی پی کے کارکنوں کے حوالے کردیا تاکہ وہ انتخابی مہم جاری رکھ سکیں اس کے علاوہ تیسرا سیل ہوم ڈیپارٹمنٹ میں قائم کیا گیا جس کا مقصد صوبے میں ہونے والے مظاہروں اور انتخابی جلسوں وغیرہ کا ریکارڈ جمع کرنا تھا۔

محمد خاں جونیجو کا کہنا ہے کہ "میں نے ہوم سیکریٹری کے طور پر اپنی مرضی کے خلاف کام کیا تھا میں اس عہدے پر کام کرنے کے حق میں نہ تھا۔ کیونکہ اس عہدہ پر فائز ہونے کی وجہ سے میں ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ مسلسل ذہنی دباؤ کی وجہ سے میں بلڈ پریشر کا مریض بن گیا۔ میں نے وزیر اعلیٰ سے کئی بار کہا تھا کہ میرا کسی اور جگہ تبادلہ کردیں لیکن وزیر اعلیٰ سندھ نے میری درخواست مسترد کردی اور میں نے طویل رخصت لے لی۔ کیونکہ بھٹو دور حکومت میں سرکاری ملازمین عدم تحفظ کا شکار تھے۔ حکومت کے غیر قانونی احکامات نہ ماننے پر ان کے خلاف کارروائی کی جاتی تھی۔ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو براہ راست حکم دے کر سیاستدانوں اور پریس کو ظلم کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔ 1973ء میں ایک دفعہ وزیر اعلیٰ سندھ ممتاز بھٹو نے مجھے بلایا تاکہ میں الطاف گوہر کو گرفتار کرنے کیلئے ایک کیس تیار کروں۔ الطاف گوہر ان دنوں روزنامہ ڈان کے ایڈیٹر تھے۔ ان کے خلاف کارروائی کا حکم وزیر اعظم نے دیا تھا اور اس حکم نامے کے متعلق وزیر اعظم سندھ ممتاز بھٹو نے مجھے آگاہ کیا تھا۔ ممتاز بھٹو نے کہا کہ الطاف گوہر کے خلاف ایک زبردست کیس تیار کرو اور اس کی گرفتاری کیلئے تیار رہو کیونکہ وزیر اعظم کسی بھی وقت گرفتاری کا سگنل دے سکتے ہیں۔

ممتاز بھٹو نے مجھے الطاف گوہر کا ایک جعلی پاسپورٹ اور کچھ رسائل دیئے جن کو الطاف گوہر کے گھر ڈال کر انہیں گرفتار کرنا مقصود تھا۔ میں نے پولیس حکام کو اس صورت کے بارے میں آگاہ کیا اور انہیں کہا کہ الطاف گوہر کی گرفتاری کے لئے تیار رہو۔ دریں اثناء رات گئے مجھے ممتاز بھٹو کا فون آیا کہ بھٹو کی طرف سے گرین سگنل مل گیا ہے۔ چنانچہ الطاف گوہر کو گرفتار کرنے کیلئے جو اپریشن کیا گیا اس کی نگرانی میں نے خود کی۔ میں پولیس کو لے کر ڈیفنس سوسائٹی پہنچا اور الطاف گوہر کو گرفتار کرکے اسکے خلاف مقدمہ درج کرلیا گیا۔ یہ مقدمہ جھوٹا تھا۔

اسی دوران بھٹو نے خواجہ خیرالدین کو بھی ملک بدر کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا کیونکہ ان کے نزدیک وہ پاکستانی نہ تھے۔ بھٹو کا خیال تھا کہ خواجہ خیرالدین پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان تعلقات خراب کروا رہے ہیں۔ ایک دن پولیس نے خواجہ خیرالدین کا پاسپورٹ ضبط کرلیا۔ میں نے وزیر اعلیٰ سندھ کے حکم سے خواجہ خیرالدین کو ملک بدر کرنے کا کیس مکمل کیا۔ چونکہ خواجہ خیرالدین کا پاسپورٹ پولیس کے پاس موجود تھا اس لئے میں نے وزیر اعلیٰ کو کہا کہ کوئی فضائی سروس بھی پاسپورٹ کے بغیر خواجہ خیرالدین کو ملک سے باہر لے کر نہیں جائے گی۔

جس پر وزیر اعلیٰ نے کہا کہ خواجہ خیرالدین کو کسی کشتی میں بٹھا کر اور انہیں کچھ رقم دے کر ملک سے نکال دو۔ چنانچہ میں نے ایک کشتی کا بندوبست کیا جس کے ذریعے خواجہ خیرالدین کو بھارت کے شہر احمد آباد پہنچا دیا۔ تاہم خواجہ خیرالدین دوبارہ واپس آ گئے اور انہوں نے ہائی کورٹ میں ایک رٹ دائر کر دی۔ چونکہ خواجہ خیرالدین نے بھٹو کی مخالفت کی تھی اس لئے انہیں 1977ء تک پاکستان کی شہریت نہ دی گئی۔

ہوم سیکریٹری محمد خاں جونیجو کے مطابق حروں کے قتل کی ذمہ داری جام صادق علی پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ اکبر کے قتل کے بعد جام صادق علی سانگھڑ چلا گیا تھا۔ ممتاز بھٹو اس وقت حیدر آباد کے سرکٹ ہاؤس میں موجود تھے اور جام صادق علی نے ان سے وہاں جا کر ملاقات کی تھی۔ میں اس ملاقات کے وقت موجود نہ تھا۔ تاہم آئی جی پولیس اس وقت حیدر آباد میں موجود تھے۔ چونکہ سندھ یونیورسٹی میں قتل کے متعدد واقعات رونما ہو چکے تھے اس لئے جام صادق چاہتا تھا کہ تمام تعلیمی اداروں کے ہوسٹلوں کی تلاشی لے کر وہاں سے اسلحہ برآمد کیا جائے۔ جام صادق کو چونکہ ممتاز بھٹو پر اعتبار نہ تھا اس لئے انہوں نے مجھے کہا کہ میں اکبر کے قتل کے سلسلے میں وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔ بعد ازاں جب سانگھڑ میں حروں کا قتل ہوا تو میں جام صادق علی کے کردار سے مشکوک ہو گیا کچھ دنوں بعد ڈی آئی جی حیدر آباد نے مجھے بتایا کہ سانگھڑ میں ہونے والے پولیس مقابلے جعلی تھے۔

جے رحیم کے خلاف بھٹو کی کاروائی

سندھ کے ہوم سیکرٹری محمد خاں جونیجو کے مطابق جے اے رحیم کو تسلسل کے ساتھ ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ جے رحیم کو جب کابینہ سے الگ کیا گیا تو انہوں نے بیرون ملک جانے کا فیصلہ کرلیا۔ بھٹو نے ایک دفعہ حکم دیا کہ جے رحیم کے گھر کے پانی اور بجلی کے کنکشن کاٹ دیئے جائیں۔ پھر ایک دفعہ بھٹو کا حکم آیا کہ جے رحیم کے گھر کی تلاشی لی جائے کیونکہ ان کے غیر ملکی افراد کے ساتھ تعلقات ہیں۔ میں نے جے اے رحیم کے گھر کی تلاشی کے وارنٹ حاصل کئے اور ان کے گھر سے کچھ کاغذات برآمد کرلیے اور وزیر اعلیٰ کے توسط سے انہیں وزیر اعظم کو بھجوا دیا جو اس وقت حیدر آباد میں مقیم تھے۔ میری بھٹو کے ساتھ براہ راست ملاقات نہ ہوئی۔ ایک دفعہ جام صادق علی نے مجھے فون کیا کہ جے رحیم کے خلاف جو مواد حاصل کیا گیا ہے وہ کافی نہیں۔ اس کے خلاف مقدمہ درج کرنے کے لئے مزید مواد حاصل کیا جائے۔ جام صادق نے کہا کہ وزیر اعظم نے تمہارے ساتھ ٹیلی فون پر بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن تم نے کیوں بہانہ بنا کر ان سے بات نہ کی۔ جب جام صادق مجھ سے فون پر بات کر رہے تھے تو انہیں یہ پیغام ملا کہ ذوالفقار علی بھٹو ان سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ جس پر جام صادق نے بھٹو سے کہا کہ وہ جلد ہی انہیں جے رحیم کے خلاف کئے جانے والے اقدامات سے متعلق آگاہ کریں گے۔

جام صادق نے بھٹو کو بتایا کہ وہ اپنے غنڈوں کے ذریعے جے رحیم کو سبق سکھائے گا اور جے رحیم کو بتا دیا جائے گا کہ اگر اس نے دوبارہ بھٹو کے خلاف کوئی بات کی تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ جام صادق نے بھٹو کو ٹیلی فون پر یقین دلایا کہ وہ ان کے (بھٹو کے) حوالے

سے جے رحیم کو نہیں ڈرائے گا بلکہ اسے کہے گا کہ تم غیر ملکی ایجنٹ ہو اس لئے اپنے آپ میں رہو۔ جام صادق علی نے مجھے کہا کہ اب بہتر ہے کہ جے رحیم کے خلاف کاروائی میں حکومت کے ساتھ تعاون کرو کیونکہ وزیراعظم تمہارے خلاف بھی کاروائی کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ میں یہ صورت حال دیکھ کر ڈر گیا کہ کہیں جام صادق، جے رحیم کی طرح مجھے بھی کسی کیس میں ملوث نہ کردے۔ چنانچہ میں نے جام صادق کو کہا کہ میں جے رحیم کے گھر سے برآمد ہونے والے مواد پر انحصار کرتے ہوئے جے رحیم کو نہ صرف گرفتار کروں گا بلکہ اس کے خلاف مقدمہ بھی درج کروں گا۔ تاہم میں نے جام صادق سے تھوڑا وقت مانگا تاکہ میں وزیراعلیٰ غلام مصطفیٰ جتوئی سے بھی اس معاملے میں بات کرلوں۔ چنانچہ میں نے جتوئی سے ملاقات کی۔ وزیراعلیٰ نے مجھے بتایا کہ وزیراعظم کا خیال ہے کہ جے رحیم کا رابطہ دشمن ممالک کے ساتھ ہے اور وہ انہیں حساس "دستاویزات" ارسال کررہا ہے اس لئے جے رحیم کے خلاف فوری طور پر مقدمہ درج کرکے اسے گرفتار کرلیا جائے۔ میں نے جتوئی سے کہا کہ عینی گواہوں کا بندوبست کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ چنانچہ جتوئی نے مجھے کہا کہ سپیشل برانچ میں جے رحیم کے خلاف کافی مواد موجود ہے، اس کا مطالعہ کرنے کے بعد جے رحیم کو فی الفور گرفتار کرلیا جائے۔ چنانچہ میں نے سپیشل برانچ سے رابطہ قائم کیا۔ سپیشل برانچ نے جے رحیم کے متعلق کچھ جعلی رپورٹیں مجھے ارسال کردیں اور بعدازاں جتوئی سے حکم نامہ حاصل کرنے کے بعد ہم نے جے رحیم کے خلاف تھانے میں ایف آئی آر درج کروادی۔ اور جے رحیم کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس دوران جتوئی نے مجھے حکم دیا کہ جے رحیم کو گرفتار کرکے جام صادق کے گھر میں نظربند کیا جائے گا۔ چنانچہ میں نے اس پر اعتراض کیا کہ اگر جے رحیم کو جام صادق کے گھر نظربند کرنا مقصود ہے تو اس کے لئے آپ کو (جتوئی) دوبارہ نیا حکم نامہ جاری کرنا پڑے گا جس پر جتوئی نے کہا کہ تم میرے احکامات پر عمل کرو نیا حکم نامہ جاری کردیا گیا۔ چنانچہ میں نے ایک پولیس افسر نور خاں کو جام صادق علی کی رہائش گاہ کا جائزہ لینے کیلئے بھجوادیا تاکہ اس بات کا علم ہوسکے کہ انہیں کس جگہ پر نظربند کرنا ہے۔ بعدازاں مجھے رپورٹ ملی کہ جے رحیم کو جام صادق علی کی رہائش گاہ پر نظربند کردیا گیا ہے جب میں جام صادق علی کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ ایک غنڈہ جے رحیم کی نگرانی کررہا ہے۔ اس غنڈے نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں۔ میں نے پرس کھول کر اس کو تمام رقم جو 500 روپے تھی دے دی اس غنڈے نے اس رقم سے جے رحیم کیلئے کھانا وغیرہ منگوانے کا اعلان کردیا۔ ایک دفعہ جب میں نے جام صادق علی کو کہا کہ میں جے رحیم کے

ساتھ ملاقات کرنا چاہتا ہوں تو جام صادق علی نے کہا کہ جے رحیم سے کسی کو ملاقات کی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ مجھے غصہ آگیا اور میں نے وزیر اعلیٰ سندھ جتوئی کو فون کیا کہ یہ انتہائی نامناسب اقدام ہے۔ جس پر جتوئی نے کہا کہ وہ بھٹو سے بات کرنے کے بعد مجھے صورت حال سے آگاہ کریں گے۔ اگلے دن جام صادق علی نے مجھے اور سپیشل برانچ کے ایک افسر عرفان کو بلوایا۔ جام صادق علی نے عرفان سے کہا کہ جاکر جے رحیم اور اس کے بیٹے کو دیکھ آؤ جو جام صادق کے گھر میں نظر بند تھے۔ چنانچہ عرفان نے آکر مجھے بتایا کہ جے رحیم اور اس کا بیٹا ٹھیک ٹھاک ہیں۔ تاہم وہ کافی ڈرے ہوئے اور ہراساں لگ رہے ہیں۔ میرے مطالبے پر بعد ازاں جام صادق نے یہ بات مان لی کہ جے رحیم اور اس کے بیٹے کو جام صادق کی اپنی رہائش گاہ پر نظر بند کردیا جائے۔ جے رحیم کو جس دن ان کے گھر لایا گیا تھا اس دن میں نے اطمینان کا سانس لیا جبکہ جے رحیم کی حفاظت کے لئے پولیس کا پہرہ بھی لگادیا گیا۔ جے رحیم کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے وکیل سے بھی ملاقات کرے۔ میں نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو بھی کہا کہ وہ جے رحیم کی نگہداشت کریں۔ ہم نے اس بات کا خیال رکھا کہ پولیس اور جام صادق جے رحیم کو ہراساں نہ کریں۔ میرا ضمیر ابھی تک اس بات پر ملامت کرتا ہے کہ میں نے جے رحیم کے خلاف جھوٹا کیس تیار کیا۔ لیکن وزیر اعظم کے حکم پر میں یہ کیس تیار کرنے پر مجبور تھا۔

جتوئی کا بدکاری کے اڈوں کا تحفظ کرنا

تاج ہوٹل سکینڈل کے بارے میں محمد خاں جونیجو نے کہا کہ یہ ہوٹل عورتوں سے بدکاری کرانے کا اڈہ بن گیا تھا اور حکومت کو اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ ہوٹل میں بعض ہندو افراد مسلمان لڑکیوں کو جسم فروشی پر مجبور کرتے ہیں۔ ہوٹل کا مالک اڈوانی اس معاملے سے واقف تھا' جس کی طرف سے علاقے کے متعلقہ ایس ایچ او کو رشوت پیش کی جاتی تھی۔ 1973ء میں ایک دفعہ سابق وزیر اعلیٰ ممتاز بھٹو کا مجھے فون آیا کہ انہیں ترکی کے قونصل خانے سے ایک شکایت موصول ہوئی ہے کہ ہوٹل کی انتظامیہ نے ترکش لڑکیوں کو ہوٹل میں رکھا ہوا ہے اور انہیں جسم فروشی پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اس لئے ہوٹل کے متعلقہ حکام کو گرفتار کرکے لڑکیوں کو آزاد کرایا جائے۔ میں نے فوری طور پر ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کو فون کرکے صورت حال سے آگاہ کیا جنہوں نے متعلقہ ایس ایچ او کو مقدمہ درج کرنے کا حکم دیا۔ پولیس نے اڈوانی کو گرفتار کرلیا اور لڑکیوں نے اپنے بیان میں مذکورہ الزام کی تصدیق کردی۔ لیکن حیرت ہے کہ اڈوانی کو ضمانت پر رہا کردیا گیا جس پر ترکی کے سفارت خانے نے سخت احتجاج کیا۔ کچھ عرصے کے بعد ہمیں بھٹو کی طرف سے ایک حکم نامہ موصول ہوا کہ ملک کے تمام ہوٹلوں کو بدکاری کے اڈوں سے پاک کردیا جائے اور جو لوگ عورتوں سے جسم فروشی کرواتے ہیں ان کے خلاف کاروائی کی جائے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب بعض Cases ایسے بھی دیکھنے میں آئے تھے جن میں لڑکیوں نے اپنی عصمت بچانے کیلئے ہوٹل کی کھڑکی سے چھلانگ لگادی۔ میں نے اس صورت حال کے حوالے سے انکوائری کروائی تو علم ہوا کہ تاج ہوٹل اور ڈی لکس ہوٹل بدکاری کے

اڈے ہیں۔ میں نے ایک سمری تیار کرکے وزیر اعلیٰ غلام مصطفیٰ جتوئی کو ارسال کی جو اس وقت بیرون ملک دورے پر گئے ہوئے تھے ان کی عدم موجودگی میں قائم مقام وزیر اعلیٰ نے دونوں ہوٹلوں پر ریڈ کرنے کے اجازت دے دی۔ چنانچہ پولیس نے ہوٹل پر ریڈ کیا اور وہاں سے طوائفوں کو برآمد کرلیا گیا۔ مگر مسٹر اڈوانی کی گرفتاری عمل میں نہ آسکی کیونکہ ایک رکن اسمبلی نے قائم مقام وزیر اعلیٰ کو Approach کرکے انہیں قائل کرلیا کہ اڈوانی کے خلاف مزید کاروائی نہ کی جائے۔ چنانچہ جب غلام مصطفیٰ جتوئی واپس آئے تو میں نے ایک اور سمری بنا کر وزیر اعلیٰ کو بھجوائی جس پر وزیر اعلیٰ نے کہا کہ تاج ہوٹل اور ڈیلکس ہوٹل کے بار روم کو بھی بند کردیا جائے لیکن صرف دو دن بعد ہی وزیر اعلیٰ نے اپنا حکم واپس لے لیا۔ جس کی وجہ سے اس کیس میں مزید گرفتاریاں نہ ہوسکیں۔

یوسف بھابا کیس

محمد خاں: جونیجو کے مطابق 1973ء کے شروع میں بھٹو نے کراچی میں کھلی کچہری لگائی جس میں وزیراعلیٰ سندھ کے علاوہ میں بھی موجود تھا۔ 2 بجے دوپہر وزیراعلیٰ سندھ نے مجھے شامیانے کے اندر بلایا اور کہا کہ بھٹو نے یوسف بھابا اور اس کے بھائی کی گرفتاری کا حکم دیا ہے کیونکہ بھٹو کے پاس مصدقہ رپورٹ ہے کہ دونوں افراد بلوچستان میں گڑبڑ کروا رہے ہیں۔ بھٹو نے مزید حکم دیا کہ دونوں افراد کے خاندان کو ملک بدر کر دیا جائے۔ وزیراعلیٰ نے مجھے کہا کہ بھٹو کے احکامات پر فوری طور پر عمل کر کے انہیں رپورٹ ارسال کی جائے۔ میں نے ایس پی سمیع محمد خاں سے رابطہ قائم کیا کیونکہ یوسف بھابا اور اس کا بھائی اس کے علاقے میں مقیم تھے۔ میں نے ایس پی سمیع محمد خاں سے کہا کہ یوسف بھابا کی خلاف کاروائی کر کے مجھے 5 بجے تک رپورٹ ارسال کرو۔ چنانچہ سمیع محمد خاں نے یوسف بھابا کے گھر چھاپہ مارا اور مجھے اطلاع دی کہ یوسف بھابا کا کہنا ہے کہ وہ بھٹو کا دوست ہے۔ سمیع محمد خاں نے کہا کہ میں صورت حال سمجھنے سے قاصر ہوں۔ جس پر میں خود یوسف بھابا کے گھر گیا اور اسے بتایا کہ آپ کی گرفتاری کے احکامات مجھے وزیراعلیٰ سندھ کی معرفت ملے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں تو میں اس کی تصدیق کر دیتا ہوں۔ میں یوسف بھابا کو لے کر کھلی کچہری پہنچ گیا کیونکہ بھٹو سے ٹیلی فون پر بات نہیں ہو سکتی تھی۔ یوسف بھابا کے ساتھ اس کی بیوی اور 2 بچے بھی تھے اور ان کے پاس پاکستانی پاسپورٹ تھے جو انہوں نے مجھے دکھائے۔ چنانچہ میں نے وزیراعلیٰ سندھ سے رابطہ قائم کر کے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ جب تک یوسف بھابا کے خاندان کے پاسپورٹ منسوخ نہیں ہوتے

انہیں ملک بدر نہیں کیا جاسکتا۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے اس پر کہا کہ میں وفاقی حکومت کے متعلقہ حکام سے مل کر یوسف بھابا کے خاندان کو ملک بدر کرنے کی کاروائی مکمل کرتا ہوں۔ اس دوران یوسف بھابا کے بیوی بچوں کو گھر جانے کی اجازت دے کر یوسف کو گرفتار کر لیا گیا۔ یوسف کے بھائی حامد کو رات گئے گرفتار کر لیا گیا تاہم کچھ عرصہ بعد وزیر اعظم بھٹو کے حکم پر یوسف بھابا کو رہا کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد یوسف بھابا نے مجھے بتایا کہ ہمارے ایک مشترکہ دوست نے بھٹو کو میرے بارے میں جھوٹی اطلاعات فراہم کی تھیں کہ بلوچستان میں ہونے والی گڑبڑ کا ذمہ دار میں ہوں۔ معاملہ فقط اتنا تھا کہ حامد بھابا کا بلوچستان کے مری قبائل والوں سے تعلق تھے اور اس کے گھر سے بلوچستان کے مری قبیلے کی گاڑیاں برآمد ہوئی تھیں۔ حامد بھابا کے علی بخش تالپور کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات تھے جسے ولی خاں کے کیس میں گرفتار کیا گیا تھا۔

جتوئی دھاندلی کا حکم دیتے ہیں

سندھ کے ہوم سیکریٹری کے مطابق پاکستان قومی اتحاد کے کارکنوں کو 1977ء کے الیکشن سے قبل ہی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ وزیراعلیٰ سندھ غلام مصطفیٰ جتوئی کو قومی اتحاد کے کارکنوں کے نام پی پی پی کے کارکنوں نے فراہم کئے تھے۔ سندھ کے وزیراعلیٰ نے پاکستان قومی اتحاد کے کارکنوں کی گرفتاری سے قبل ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں شرکت کی تھی جس میں ہوم ڈیپارٹمنٹ، پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کے حکام موجود تھے۔ وزیراعلیٰ نے حکم دیا تھا کہ چونکہ پاکستان قومی اتحاد کے کارکن صوبے میں امن عامہ کا مسئلہ پیدا کررہے ہیں اس لئے ان کو گرفتار کرلیا جائے۔ اس اقدام کا مقصد قومی اتحاد کو کمزور کرنا تھا وزیراعلیٰ سندھ نے پاکستان قومی اتحاد کے کارکنوں کی گرفتاری سے قبل فوج کے اعلیٰ حکام کو بھی آگاہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے لیفٹیننٹ جنرل ارباب جہانزیب سے بھی ملاقات کی تھی۔ جبکہ ایک اجلاس میں جو وزیراعلیٰ کی زیرصدارت منعقد ہوا، فوج کے نمائندوں کے علاوہ پولیس، سپیشل برانچ اور ہوم ڈیپارٹمنٹ کے افسران بھی موجود تھے۔ اسی اجلاس میں قومی اتحاد کے ارکان اور رہنماؤں کو گرفتار کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔

محمد خاں جونیجو کا کہنا ہے کہ بعض حلقوں میں پی پی پی کے کارکنوں نے پاکستان قومی اتحاد کے امیدواروں کا گھیراؤ کرلیا۔ اور انہیں اپنے کاغذات نامزدگی جمع نہ کرانے دیئے۔ ضلعی انتظامیہ کے حکام نے پی پی پی کے کارکنوں کی اس کام میں لازمی طور پر مدد کی ہوگی۔ غلام مصطفیٰ جتوئی نے مجھے فون کرکے کہا تھا کہ میں ڈپٹی کمشنر اور ایس پی ٹھٹھہ اور بدین کو پیغام دوں کہ وہ پی

پی پی کے زیادہ سے زیادہ امیدواروں کو بلا مقابلہ کامیاب کروائیں۔ چنانچہ میں نے یہ پیغام متعلقہ افسران تک پہنچا دیا۔ مجھے جتوئی کا یہ بھی حکم تھا کہ میں جام صادق علی کے ہمراہ جا کر ڈپٹی کمشنر اور ایس پی سے کہوں کہ جتوئی کو بلا مقابلہ کامیاب کرایا جائے۔ چنانچہ جام صادق علی کے گاؤں پہنچا جہاں ڈپٹی کمشنر اور مجسٹریٹ پہلے ہی موجود تھے۔ جام صادق نے اس منصوبے پر عمل کرایا اور ایک امیدوار کو 25 ہزار روپے دے کر انتخابات سے دستبردار کروا دیا گیا۔ سندھ کے ہوم سیکریٹری نے سندھو دیش تحریک کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے بانی جی ایم سید اور کچھ سندھی طالب علم تھے جن کو بھارت کی طرف سے ہر ممکن امداد فراہم کی گئی تھی۔ سندھ کے وزیر اعلیٰ نے جی ایم سید کی گرفتاری کا حکم دیا تھا اور اس تحریک کو شروع میں ہی کچلنے کی کوشش کی گئی۔ سندھو دیش تحریک کا مقصد سندھ کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا ہے۔

بھٹو دور میں سیاستدانوں کی جاسوسی

ذوالفقار علی بھٹو نے ایک ذہین سیاستدان ہونے کے باوجود دوران اقتدار بعض معاملات میں انٹیلی جینس بیورو پر انحصار کیا۔ انہوں نے اپوزیشن کے بعض سرکردہ رہنماؤں کی جاسوسی شروع کرا دی۔ انٹیلی جینس بیورو کے ڈپٹی ڈائریکٹر نے 18 نومبر 1975ء کو وزیراعظم کو ایک رپورٹ ارسال کی جس میں انہوں نے لکھا کہ "پیرپگاڑو 15 نومبر کی شام یہ وعدہ کرکے کراچی گئے تھے کہ وہ یو ڈی ایف کے 17 نومبر کو صبح کے وقت منعقدہ اجلاس میں شریک ہونگے مگر وہ واپس نہیں آئے اور انہوں نے یو ڈی ایف (یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ) کے اجلاس میں شرکت نہیں کی۔ پیرپگاڑو اس وقت خوش نہیں ہے کیونکہ یو ڈی ایف کے اجلاس میں ان پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ حکومت کے خلاف ایک ہفتے کے اندر احتجاجی تحریک شروع کردی جائے۔ یہ دباؤ خصوصی طور پر مسلم لیگ کی طرف سے ڈالا گیا۔ پیرپگاڑو کا خیال تھا کہ ایک ہفتے کے اندر احتجاجی تحریک شروع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اجلاس اس وقت یٰسین وٹو نے بھی پیرپگاڑو کے ساتھ رابطہ قائم کرلیا ہے تاکہ وہ اپنے گروپ کے ساتھ پگاڑو مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ پیرپگاڑو نے زاہد سرفراز کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ایک کمیٹی مقرر کرے جو میری جماعت کے ساتھ مذاکرات کرکے اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔ زاہد سرفراز نے شروع میں تو اس بات سے اختلاف کیا تھا لیکن اب وہ مان گئے ہیں۔ شورکوٹ ملتان سے غلام عربی کھر کو کہا گیا ہے کہ وہ غلام مصطفیٰ کھر سے بات کریں کیونکہ پی پی پی ملتان کے تمام رہنماؤں نے مستعفی ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے اور وہ صرف اپنے صدر کے فیصلے کا انتظار کر رہے ہیں۔ حامد محمود کا ان دنوں کھر سے رابطہ ہے۔ حامد

محمود نے کھر سے 16 نومبر کو ہوٹل کانٹی نینٹل میں ملاقات کی تھی۔ کھر کو بتایا گیا ہے کہ اس کے خلاف حیدر آباد کیس کی سماعت 18 نومبر کو شروع ہوگی اور اس کے لئے کھر کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے ہیں اور کھر اس کیس میں ضمانت بھی نہیں کروا سکیں گے۔ کھر کے خلاف ایک دوسرے کیس کے سماعت کوٹ ادو میں 20 نومبر کو شروع ہوگی۔ کھر کو بتا دیا گیا ہے کہ ان کی ضمانت سیشن کورٹ یا ہائی کورٹ سے کروائی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین جاننا چاہتا تھا کہ کیا اس صورت حال کے متعلق قومی اسمبلی میں تحریک التواء کار پیش کی جائے گی یا نہیں۔ کھر نے ڈاکٹر غلام حسین سے کہا کہ جب تک یو ڈی ایف کوئی فیصلہ نہیں کرتا' وہ اسمبلی میں نہ جائیں۔ طالب علم رہنما شیخ رشید نے 50 طالب علموں کے ہمراہ کھر سے ملاقات کی ہے۔ کھر نے طالب علموں کے وفد سے آدھے گھنٹے تک ملاقات کی۔ یہ ملاقات چوہدری ظہور الٰہی کے گھر پر 17 نومبر کو ہوئی۔ (شیخ رشید ان دنوں ظہور الٰہی سے پیسے بھی لیا کرتا تھا)

"وکیلوں نے 17 نومبر کو لائلپور اور کراچی میں جلوس نکالے۔ وہ مطالبہ کر رہے تھے کہ شخصی آزادی کو بحال کیا جائے۔ کراچی میں وکلاء کے جلوس کی بیگم نسیم ولی خاں اور شیرباز مزاری نے بھی حمایت کی ہے۔ پنجاب میں علامہ رحمت اللہ ارشد نے چوہدری طالب حسین' جو ایک اپوزیشن لیڈر ہیں کے حق میں اپنی نشست خالی کردی ہے۔ اپوزیشن کی 21 یا 22 ارکان نے حمایت کی جن میں خاکوانی' راجہ منور' رؤف طاہر' تابش الوری' راجہ افضل اور میاں منظور موہل شامل ہیں' چوہدری طالب حسین نے کہا کہ ان کے دو ساتھی ارکان اسمبلی ڈاکٹر سلیم رضا اور بلال شاہ کو حکومت نے Persuade کیا ہے تاکہ وہ حکومت کی حمایت کریں۔ چوہدری طالب کی اس بات سے اجلاس میں کچھ گرما گرمی پیدا ہوئی یہ بھی الزام لگایا گیا کہ فیڈرل سیکیورٹی فورس کے جوان سادہ کپڑوں میں اسمبلی کے باہر موجود ہیں لیکن یہ الزام ثابت نہ ہوسکا۔

"چوہدری ظہور الٰہی نے 18 نومبر کی صبح قیوم خاں سے ملاقات کی۔ چوہدری ظہور الٰہی اپوزیشن کا ایک اہم اجلاس Attend کرنے کے بعد لاہور چلے گئے تاکہ وہ اصغر خاں کو تازہ ترین صورت حال کے بارے میں آگاہ کرسکیں۔ کیونکہ یو ڈی ایف کے اجلاس میں کچھ فیصلے کئے گئے ہیں۔ ظہور الٰہی اب حنیف رامے کے ساتھ مل کر ارکان پنجاب اسمبلی سے ملاقاتیں کریں گے تاکہ وہ انہیں استعفیٰ دینے پر راضی کرسکیں۔

"مولانا مفتی محمود نے آج ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور کہا کہ فیڈرل سیکورٹی

فورس انہیں تنگ کر رہی ہے' اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ ایف ایس ایف دوسرے اپوزیشن رہنماؤں کو بھی اغواء کرے گی۔ مفتی محمود نے کہا کہ ایف ایس ایف نے اب اسمبلی کے اندر داخل ہو کر بھی اپوزیشن رہنماؤں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی ہے اپوزیشن نے مولانا مفتی محمود کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کر دی ہے جو دوسری سیاسی جماعتوں سے رابطہ کرے گی۔ کمیٹی میں پروفیسر غفور احمد' چوہدری ظہور الٰہی اور نواب زادہ نصراللہ خاں شامل ہیں۔ یہ کمیٹی 10 دن کے اندر اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔ مفتی محمود نے اپنے بیان میں استعفوں کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم ایک سوال کے جواب میں مفتی محمود نے کہا کہ اپوزیشن نے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ یہ کمیٹی ان جماعتوں کے ساتھ مذاکرات کر رہی ہے جو یو ڈی ایف میں شامل نہیں ہیں اور ان جماعتوں میں تحریک استقلال' نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی اور آزاد ارکان قومی وصوبائی اسمبلی شامل ہیں۔ "پروفیسر غفور احمد نے غیر رسمی بات چیت کے دوران کہا کہ یو ڈی ایف نے اسمبلیوں کی نشستوں سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ متحدہ حزب اختلاف نے 18 نومبر کو ایک بیان جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب تک یو ڈی ایف کی خصوصی کمیٹی اپنی رپورٹ پیش نہیں کرتی' اپوزیشن کے ارکان اسمبلی پارلیمنٹ کے اجلاس میں شرکت کرتے رہیں گے۔ حنیف رامے نے پنجاب مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری غلام حیدر وائیں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کا ایک اجلاس بلائیں اور پنجاب سے تعلق رکھنے والے تمام مسلم لیگی رہنماؤں کو اس اجلاس میں شرکت کی دعوت دیں۔ حنیف رامے نے مسلم لیگ کا ایک اجلاس 21 نومبر کو بلانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

مذکورہ رپورٹ 18 نومبر 1975ء کو انٹیلی جینس بیورو کی طرف سے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ارسال کی گئی تھی۔ بھٹو نے اس رپورٹ کی روشنی میں اہم فیصلے کئے۔ ان فیصلوں میں ایک فیصلہ یہ بھی تھا کہ پی پی پی کے ناراض رہنماؤں کو پارٹی میں واپس لانے کی کوشش کی جائے۔

1977ء کے انتخابات سے پہلے خفیہ اداروں کا کردار

1977ء کے انتخابات سے چند ہفتے قبل انٹیلی جینس بیورو کی تجویز پر ذوالفقار علی بھٹو نے فیصلہ کیا کہ پاکستان قومی اتحاد کے امیدواروں کے پاس جتنی بھی گاڑیاں موجود ہیں ان کے کاغذات چیک کیے جائیں۔ لازمی طور پر تمام گاڑیوں کے کاغذات مکمل نہیں ہونگے اس لئے پولیس ان گاڑیوں کو بند کر کے مخالف امیدواروں کی Mobility خراب کر سکتی ہے۔ دوسری طرف بھٹو نے پی پی پی کے رہنماؤں کو ہدایت کی کی وہ 4 مارچ کو ملک بھر سے جلوس نکالیں۔ بھٹو نے یہ فیصلہ بھی آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے کہنے پر کیا۔ ان دونوں خفیہ اداروں کا خیال تھا کہ پی پی پی کو "سٹریٹ پاور" کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ بھٹو نے انتخابی مہم کے دوران ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹروں کا بھی استعمال کیا جس کا لاکھوں روپے کا بل حکومت نے ادا کیا۔ پی پی پی کی انتخابی مہم کے دوران بھٹو نے اور ان کے ساتھیوں نے بھی فوج کے ہیلی کاپٹر استعمال کئے اس کے علاوہ بھٹو کیلئے ریلوے حکام نے ایک خصوصی "سیلون" بنانے کا بھی فیصلہ کیا۔ یہ معاملہ تاہم اپوزیشن تک بھی پہنچ گیا۔ اس ضمن میں صاحبزادہ احمد رضا خاں نے اسمبلی کے اندر جب یہ معاملہ اٹھایا تو غلام مصطفیٰ جتوئی نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ بھٹو کے لئے کوئی نیا ریلوے سیلون نہیں بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ ریلوے سیلون تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کو اگرچہ یقین تھا کہ پی پی پی مارچ 1977 کے انتخابات میں کامیابی حاصل کرے گی لیکن اس کے باوجود وہ مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے راؤ عبدالرشید سے ملاقات کر کے انہیں ہدایت کی کہ آئندہ انتخابات کے حوالے سے وقفے وقفے کے ساتھ ایک سروے

کرایا جائے۔ چنانچہ راؤ عبدالرشید نے انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر اکرم شیخ کو 26 جون 1976ء کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے آئی بی کے سربراہ کو کہا کہ وہ وزیراعظم کی خواہش کے مطابق انتخابات کے حوالے سے سروے کرائیں۔ راؤ رشید نے کہا کہ اگر حکومت یہ سروے اپنے ذرائع سے کروائے گی تو اس پر کافی رقم خرچ ہوگی اس لئے انٹیلی جینس بیورو کو چاہئے کہ وہ یہ کام خود کرے۔ تاہم انہوں نے تجویز پیش کی کہ انٹیلی جینس بیورو نجی شعبہ کے ذریعے بھی یہ سروے کروا سکتا ہے۔ لیکن نجی شعبہ کو کسی صورت میں بھی اس بات کا علم نہ ہونے پائے کہ انتخابات کے حوالے سے سروے خفیہ ادارے کروا رہے ہیں۔

چنانچہ انٹیلی جینس بیورو نے اپنے دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ انتخابات کے متعلق سروے کرانے کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔ جس کی رپورٹیں بھٹو کو باقاعدگی کے ساتھ ارسال کی جاتی تھیں۔ انٹیلی جینس بیورو کی سروے رپورٹ کی روشنی میں حکومت نے پی پی پی کے کمزور امیدواروں کو کامیاب کرانے کیلئے خصوصی اقدامات کئے۔ بقول راؤ رشید پی پی پی کے چند نالائق وزیروں نے دھونس اور دھاندلی کے ذریعے اپنی کامیابی کو یقینی بنایا۔ راؤ رشید کہتے ہیں کہ بھٹو نے دھاندلی کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ لیکن چند وزیروں کی نااہلی اور بے وقوفی کے وجہ سے لوگوں میں یہ تاثر پھیل گیا کہ انتخابات منصفانہ نہیں ہوئے اور بھٹو نے دھاندلی کروائی ہے۔ اسی بنیاد پر پاکستان قومی اتحاد نے حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک چلانے کا اعلان کردیا۔

انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ اکرم شیخ نے 5 جولائی 1976ء کو وزیراعظم سیکریٹریٹ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ وزیراعظم سیکریٹریٹ کی طرف سے 22 جون 1976ء کو موصول ہونے والے ایک مراسلے کی روشنی میں انٹیلی جینس بیورو نے آئندہ انتخابات کے حوالے سے ایک سروے کا کام شروع کردیا ہے۔ انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ نے وزیراعظم سیکریٹریٹ کو آگاہ کیا کہ اگرچہ ایجنسی کے صوبائی سب بیورو یہ کام پہلے ہی شروع کرچکے ہیں۔ تاہم اب کام کی رفتار تیز کردی گئی ہے تاہم میری رائے یہ ہے کہ انتخابات کے حوالے سے سروے کرانے کیلئے کوئی "کور آرگنائزیشن" قائم کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی آرگنائزیشن قائم کرنے کیلئے بڑی تعداد میں بھرتی کرنا پڑے گی اور پورے ملک میں ایک نیٹ ورک قائم کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ آرگنائزیشن کے لئے مناسب افراد بھرتی کرنے میں کافی عرصہ لگ جائے گا۔ اس کے علاوہ آرگنائزیشن کے لئے مناسب عمارت کا حصول بھی ایک مسئلہ ہوگا۔ مذکورہ آرگنائزیشن کے پاس موجود فنڈز کے استعمال سے لوگوں میں

شکوک وشبہات پیدا ہوں گے اور یہ تنظیم بہت کم وقت میں ہی Expose ہو جائے گی۔ نئی تنظیم سے منسلک افراد لوگوں سے بہتر انداز سے سوال بھی نہیں پوچھ سکیں گے۔ ویسے بھی نئی بھرتی کے نتیجے میں آنے والے افراد سے اس قسم کا ذمہ دارانہ کام لینا کسی طور مناسب نہیں۔ اس کے علاوہ ایک نئی تنظیم ہمارے اس مقصد کو نظرانداز کر سکتی ہے جس کے لئے سروے کرانا مقصود ہے۔ ان وجوہات کی روشنی میں انتخابات کے حوالے سے سروے کرانے کیلئے انٹیلی جینس بیورو کے موجودہ ریسرچ سیل پر ہی انحصار کرنا بہتر ہو گا۔ تاہم اس کا ایک حل یہ ہے کہ سروے کو کامیابی سے مکمل کرنے کیلئے ہر ضلع میں انٹیلی جینس بیورو کے دو نمائندے مقرر کئے جائیں گے۔ جبکہ ملک کے اہم شہروں مثلاً کراچی' لاہور' پشاور' ملتان' لائلپور' حیدر آباد اور راولپنڈی میں ان نمائندوں کی تعداد میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ نمائندے ورکنگ جرنلسٹس اور رپورٹروں میں سے منتخب کئے جائیں گے چونکہ صحافی پہلے ہی فیلڈ میں موجود ہیں اور ان کی عوام کے ہر طبقے تک رسائی ہے۔ اس لئے ان کو 2000 روپے فی کس ماہانہ کے حساب سے رقم ادا کی جائے گی۔ منتخب کردہ صحافیوں کیلئے لازمی ہو گا کہ وہ ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد سے ملاقات کریں۔ صحافیوں کو اس ضمن میں انتخابی حلقے دیئے جائیں گے جہاں جا کر وہ سروے کریں گے۔ انٹیلی جینس بیورو کے مقرر کردہ صحافیوں کی یہ بھی ذمہ داری ہو گی کہ وہ متعلقہ انتخابی حلقہ میں ذات برادری کے حوالے سے موجود ووٹوں کا بھی سروے کریں تاکہ پتہ چل سکے کہ کس ذات برادری کے طبقے کا رجحان کس جماعت کی طرف ہے۔

"انٹیلی جینس بیورو کے لیے کام کرنے والے یہ صحافی اپوزیشن کی انتخابی مہم کی کامیابی اور ناکامی کے متعلق بھی ہمیں رپورٹ ارسال کریں گے اور وہ اس بات کا بھی پتہ چلائیں گے کہ اپوزیشن جماعتوں سے تعلق رکھنے والے امیدوار اپنی انتخابی مہم کس انداز میں چلا رہے ہیں۔ اور ان کے پیچھے موجودہ ہاتھ کون سے ہیں" ان نمائندوں کے پاس پہلے ہی دفتر' ٹیلی فون اور دوسری سہولتیں موجود ہیں اس لئے ان سہولتوں کی فراہمی کیلئے ہمیں اضافی اخراجات بھی برداشت نہیں کرنا پڑیں گے۔ اگر کوئی صحافی مستقل طور پر ہمارے لئے کام کرنا چاہے تو ہمیں اعتراض نہیں ہو گا تاہم ہمیں اختیار حاصل ہو گا کہ ان کو جب چاہیں فارغ کر دیں۔

انٹیلی جینس بیورو کے منتخب کردہ صحافی آزادانہ حیثیت میں کام کریں گے جبکہ ان پر "کراس چیک" بھی ہو گا تاکہ سروے رپورٹ کی صداقت کا اندازہ ہو سکے۔ مذکورہ نمائندوں کی تقرری انتہائی احتیاط سے کی جائے گی اور ان کو کام پر لگانے سے اس بات کا بھی یقین کیا جائے گا

کہ وہ اپنا کام انتہائی راز داری اور ایمانداری سے انجام دیں گے۔ انٹیلی جینس بیورو ان نمائندوں پر مکمل طور پر انحصار نہیں کرے گا بلکہ اس مقصد کیلئے Senior Informers کا بھی تقرر کیا جائے گا تاکہ وہ ضلعی سطح پر ہمارے لئے کام کرنے والے صحافیوں پر نظر رکھ سکیں۔ سینئر انفارمر ہر صوبے میں مقرر کئے جائیں گے اور اس کو 4000 روپے ماہانہ تنخواہ ادا کی جائے گی۔ یہ Senior Informers انٹیلی جینس بیورو کے نمائندوں (صحافیوں) کی رپورٹوں کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی تجزیاتی رپورٹ بھی ارسال کریں گے۔ میرے خیال میں اگر اس طرح انتخابی سروے کرایا جائے تو انٹیلی جینس بیورو کے سب بیورو پر اضافی بوجھ نہیں پڑے گا۔"

انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر اکرم شیخ نے وزیراعظم کو جو سمری بھجوائی اس کے مطابق سروے کرانے پر ٹوٹل اخراجات کا تخمینہ 42 لاکھ روپے لگایا گیا جس میں سے 37 لاکھ 80 ہزار روپے مذکورہ صحافیوں کو تنخواہ کی ادائیگی پر خرچ ہونا ہے۔ انٹیلی جینس بیورو نے 58 اضلاع میں دو دو نمائندے مقرر کئے جن کا عہدہ "نمائندے" کا تھا۔ اس کے علاوہ 25 سب ڈویژنوں میں ایک ایک نمائندے کا تقرر کیا جانا مقصود تھا۔

انٹیلی جینس بیورو کی سکیم جب وزیراعظم سیکریٹریٹ پہنچی تو اسے چند ترامیم کے ساتھ منظور کرلیا گیا۔ سابق وزیراعظم کے خصوصی سیکریٹری راؤ عبدالرشید 15 جولائی 1976ء کو انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ کو ایک مراسلہ ارسال کیا جس میں انہوں نے کہا کہ حکومت نے انٹیلی جینس بیورو کی سکیم کو چند ترامیم کے ساتھ منظور کرلیا ہے۔ راؤ رشید نے مزید لکھا کہ ہر صوبے میں Senior Informer مقرر کرنے کی بجائے ان کو ڈویژنل ہیڈ کوارٹر میں تعینات کیا جائے تاکہ وہ اپنا کام زیادہ بہتر انداز میں مکمل کرسکیں۔ اس طرح وہ اپنے ڈویژن سے حاصل کردہ رپورٹ کو مکمل کرکے انٹیلی جینس بیورو کو ارسال کرسکیں گے۔ اس کے علاوہ صرف انہی اضلاع یا حلقوں میں نمائندے مقرر کئے جائیں جہاں ہمیں سروے کرانے کی ضرورت ہے۔ اس طرح اخراجات میں بھی بچت ہوگی تاہم انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر اکرم شیخ نے اس سے اتفاق نہ کیا اور 23 جولائی 1976ء کو راؤ عبدالرشید کے خط کے جواب میں لکھا کہ آپ نے جو ترامیم تجویز کی ہیں وہ غیر ضروری ہیں۔ ہم نے جو سکیم تیار کی ہے اس پر ہم فوری طور پر عمل درآمد کا آغاز کرسکتے ہیں۔ اس لئے اس سکیم کو براہ کرم وزیراعظم کے سامنے پیش کردیا جائے تاکہ ہم اس پر کام شروع کرسکیں۔

راؤ عبدالرشید نے انٹیلی جینس بیورو کی تیار کردہ سکیم کے علاوہ ایک دوسری سکیم جو لندن میں موجود ایک پاکستانی مجاہد ترمذی نے تیار کی تھی، بھی وزیراعظم کی منظوری کیلئے بھجوادی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے یہ دونوں سکیمیں سیکریٹری کابینہ وقار احمد کو ارسال کردیں۔

وقار احمد نے 31 اگست 1976ء کو وزیراعظم کو اپنی سفارشات ارسال کیں اور کہا کہ "انٹیلی جینس بیورو کی سکیم اگرچہ کافی Ambitious ہے لیکن اس پر 43 لاکھ روپے کے قریب رقم خرچ آئے گی جو بہت زیادہ ہے۔ میں اس سکیم کی منظوری کی سفارش نہیں کروں گا۔ جبکہ مجاہد ترمذی کی سکیم بھی ناقابل عمل ہے۔ میرے خیال میں بہتر یہی ہوگا کہ ہم کچھ ایسے انتظامات کریں کہ انتخابات کے حوالے سے سروے بھی مکمل ہوجائے اور خزانے پر بوجھ بھی نہ پڑے" وقار احمد کا خیال تھا کہ ابھی ہم اس Stage تک نہیں پہنچے جہاں "گیلپ سروے" مستند سمجھے جاتے ہیں۔ بعدازاں انٹیلی جینس بیورو نے عوامی ردعمل کے حوالے سے ایک سروے کیا کہ کیا پاکستان کو بھارت سے سمجھوتہ کرنا چاہئے۔ کابینہ کے سیکریٹری وقار احمد نے 10 ستمبر 1976ء کو ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ وزیراعظم کی مرضی سے یہ طے پایا ہے کہ آپ مختلف موضوعات پر سروے کرائیں۔ ان سروے کی رپورٹ وزیراعظم کے خصوصی سیکریٹری کو ارسال کی جائیں تاکہ وہ وزیراعظم کو سروے رپورٹ کے نتائج سے آگاہ کرسکیں۔

مزید براں وزارت اطلاعات میں سیکریٹری کابینہ کی تجویز کی روشنی میں ایک چھوٹا سیل قائم کردیا گیا جس کا مقصد مختلف موضوعات پر سروے کرکے عوام کی رائے معلوم کرنا تھا بعدازاں انٹیلی جینس بیورو نے انتخابات کے حوالے سے اپنے ریسرچ سیل کی مدد سے سروے کرائے۔ جبکہ دوسری طرف ڈائریکٹر انٹیلی جینس اکرم شیخ نے وزارت اطلاعات سے بھی کہا کہ وہ مختلف موضوعات پر سروے کرائیں۔ انہی ایام میں تحریک استقلال، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اسلامی اور جمیعت علماء اسلام نے بھٹو کی مخالفت زور وشور سے شروع کردی جس کا مقابلہ کرنے کیلئے وزارت اطلاعات نے اس وقت کے سینئر صحافیوں کا تعاون حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ وزارت اطلاعات نے وزیراعظم سیکریٹریٹ کو ایک سمری بھجوائی جس میں لکھا گیا کہ پی پی پی کی انتخابی مہم کو کامیاب بنانے کیلئے مندرجہ صحافیوں کو 3 ہزار روپے فی کس کے حساب سے ماہانہ رقم ادا کرنے کی منظوری دی جائے، محمد ادریس فیچر ایڈیٹر پاکستان ٹائمز، محمد ابراہیم جلیس کراچی، منوں بھائی لاہور، نذیر ناجی لاہور اور ظہور الحسن ڈار لاہور۔ چونکہ ان صحافیوں کو الگ

جگہ کی ضرورت ہوگی اس لئے ناصر علی رضوی سے کہا گیا ہے کہ مذکورہ صحافیوں کیلئے الگ بنگلے کرائے پر حاصل کئے جائیں۔ ان تمام صحافیوں کو ایک ہی بنگلے پر رکھا جائے گا اور ان کو دو کاریں فراہم کی جائیں گی۔ اس کے علاوہ حکومت نے انتخابی مہم کیلئے شاعروں کی خدمات بھی حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ بھٹو کی خدمات کے متعلق نظمیں لکھ سکیں۔ اس ضمن میں اردو شاعر الطاف پرویز کی خدمات سے استفادہ حاصل کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ محکمہ اطلاعات ونشریات نے تجویز پیش کی کہ انتخابی پوسٹروں کی ڈیزائننگ کرنے کیلئے بھی 3 ہزار روپے ماہانہ پر ایک شخص کو ملازمت دی جائے۔ جبکہ ایک کارٹونسٹ کو 2500 روپے ماہانہ پر رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

صحافی اور خفیہ ادارے

بھٹو دور حکومت میں صحافیوں کی اچھی خاصی تعداد سیکرٹ سروس کے خفیہ اداروں کیلئے کام کرتی رہی۔ اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں انٹیلی جینس بیورو کیلئے کام کرنے والے نمائندوں میں مرغوب صدیقی بھی شامل تھے۔ پاکستان قومی اتحاد کی احتجاجی تحریک کے دوران انہوں نے خفیہ اداروں کو رپورٹیں ارسال کی تھیں، ان میں سے ایک رپورٹ کے مطابق "پی این اے آج (25 مارچ 1977ء) ملک بھر میں نماز جمعہ کے بعد جلوس نکالے گی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر مسجد میں پی پی پی سے تعلق رکھنے والے نمازیوں کی 200 یا 300 تعداد بھجوا دی جائے۔ ان نمازیوں کا یہ کام ہونا چاہئے کہ جب مولوی جلوس نکالنے اور مظاہروں کیلئے نمازیوں سے رائے طلب کریں تو وہ اس سے بھرپور انداز میں اختلاف کریں اور اگلے دن اخبارات میں یہ خبریں شائع کرائی جائیں کہ مسجدوں میں نمازیوں کے انکار کے باوجود جلوس نکالے گئے۔ اگر پاکستان قومی اتحاد پی پی پی کے دفتر پر حملہ کرے تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے اور پی پی پی کے جیالے مسلح حالت میں وہاں موجود رہیں۔ فائر بریگیڈ کے عملے کو "الرٹ" رکھا جائے چونکہ 24 مارچ کو پاکستان قومی اتحاد ہڑتال کروائے گا اس لئے ہر تھانے کی پولیس کو حکم دیا جائے کہ وہ دکانوں کو بند نہ ہونے دے اور ضلعی انتظامیہ کو چوکس کر دیا جائے۔"

بھٹو دور حکومت میں اپوزیشن کو دبانے کیلئے جہاں دیگر ذرائع سے کام لیا گیا وہیں پر حکومت میں شامل پی پی پی کے بعض رہنماؤں نے "خواتین" سے بھی کام لیا۔ اس ضمن میں

29 اکتوبر 1975ء کو اوایس ڈی ملک فضل کریم نے ایک خاتون رانی سے ملاقات کی۔ رانی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بدکاری کے اڈے چلاتی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے قریبی ساتھیوں نے رانی کے ساتھ رابطہ اس لئے قائم کیا تھا کہ وہ غلام مصطفیٰ کھر کے خلاف مواد حاصل کر سکیں۔ رانی نے ملک فضل کریم کو بتایا کہ وہ صوبائی وزیر خالد ملک کے ساتھ پہلے ہی تعاون کر رہی ہیں اور انہوں نے خالد ملک کو کھر کے متعلق کچھ مواد دیا ہے۔ اس کے علاوہ رانی نے وعدہ کیا کہ وہ منظرعام پر آئے بغیر حکومت کے ساتھ مزید تعاون کریں گی اور اس نے بھٹو سے ملاقات کی خواہش بھی ظاہر کی۔ ملک فضل کریم نے وزیراعظم سیکریٹریٹ کو ارسال کردہ اپنے خط میں لکھا کہ رانی بدکاری کے اڈے چلانے اور لڑکیوں کو سپلائی کرنے کیلئے بدنام ہے اس لئے اگر اس کا تعاون حاصل کرنا مقصود ہے تو محدود پیمانے پر ہی ایسا کیا جائے تاکہ اس عورت کے ساتھ ہمارا تعلق چھپا رہے۔

ایک خفیہ رپورٹ جو خفیہ نہ رہی

پنجاب میں الیکشن 1977ء کی صورت حال کے متعلق ایک خفیہ ادارے کی طرف سے بھٹو کو بھجوائی جانے والی ایک خفیہ رپورٹ کے مطابق "موجودہ صورت حال میں پی پی پی کیلئے انتخابات میں واضح اکثریت حاصل کرنا بہت آسان ہے کیونکہ ظہور الٰہی اور حنیف رامے جیل میں ہیں۔ ان کی جماعت مسلم لیگ محض ظہور الٰہی اور حنیف رامے کی محنت کے بل بوتے پر کام کر رہی تھی۔ جبکہ محمد حسین چٹھہ اور ملک قاسم ہی اب مسلم لیگ کے نمایاں لیڈر ہیں۔ جبکہ غلام مصطفیٰ کھر موجودہ حالات میں ذہنی کشمکش کا شکار ہیں۔ ہر روز افواہیں پھیل جاتی ہیں کہ کھر دوبارہ پی پی میں شامل ہو رہے ہیں۔ چونکہ اس وقت دوسری سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے افراد پی پی میں تیزی سے شامل ہو رہے ہیں اس لئے اپوزیشن جماعتوں میں مایوسی پھیلی ہوئی ہے۔ اصغر خاں کے اجتماعات میں اب لوگوں کی دلچسپی کم ہوتی جا رہی ہے۔ جبکہ صرف جماعت اسلامی ہی میدان میں ڈٹی ہوئی ہے اور یہ شہری علاقوں میں مڈل کلاس اور طالب علموں میں مقبول ہے۔ سیاسی پنڈتوں کا خیال ہے کہ اب دیکھنا صرف یہ باقی رہ گیا ہے کہ وزیراعظم اپوزیشن کو کتنی نشستیں دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شہری علاقوں کے حیثیت دیہی علاقوں سے قدرے مختلف ہے۔ پی پی پی کو دیہی علاقوں میں صرف ان امیدواروں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا جن کو پی پی پی نے ٹکٹ نہیں دیئے۔ آئندہ الیکشن کے نتائج 1971ء کے نتائج سے مختلف ہوں گے اس لئے نئی Approach اپنانا ہوگی اور اس کے لئے ضروری ہے کہ پی پی پی کو پنجاب میں مقبول جماعت کے طور پر متعارف کرایا جائے۔ محض پی پی

پی کا نعرہ "روٹی کپڑا اور مکان" اس دفعہ الیکشن میں ہماری مدد نہیں کرے گا کیونکہ ماضی میں پی پی پی کے بعض ارکان اسمبلی کی کارکردگی بہتر نہیں رہی۔ ان حالات میں صرف وزیراعظم کی شخصیت ہی پی پی پی کے امیدواروں کی کامیابی کا موجب بنے گی۔ اس لئے آنے والے الیکشن میں کامیابی کیلئے پی پی پی کو انتہائی احتیاط سے منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔ اول، ٹکٹوں کے اجراء میں انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ اور پی پی پی کا ایک نیا منشور تیار کرنا ہوگا۔ جو انقلابی اقدامات کو یقینی بنائے، پنجاب میں حکومت کو الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے بہت محنت کرنا ہوگی کیونکہ موجودہ وزیراعلیٰ صادق قریشی کی سوچ سیاسی کم اور بیوروکریٹک زیادہ ہے اور وہ عوامی اجتماعات جانے سے شرماتے ہیں حتیٰ کہ وزراء کو شکایت ہے کہ انہیں وزیراعلیٰ صادق قریشی سے ملنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ اس حالات میں انتخابی مہم کا زیادہ تر بوجھ وزیراعظم کو خود اٹھانا پڑے گا۔ وزیراعظم کو چاہئے کہ وہ پنجاب کی نسبت سرحد اور بلوچستان پر زیادہ توجہ دیں کیونکہ ان دو صوبوں میں کامیابی بہت ضروری ہے"

اصغر خاں کو پاکستان قومی اتحاد کا سربراہ نہ بننے دو ـــــــــ: بھٹو

بھٹو دور حکومت میں آئی ایس آئی نے بہت کم سیاسی کردار ادا کیا کیونکہ اس قسم کا زیادہ تر کام انٹیلی جینس بیورو کے ذمے تھا۔ مئی 1976ء میں انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر اکرم شیخ نے بھٹو کو بتادیا تھا کہ اپوزیشن جماعتیں اپنے اختلافات ختم کرکے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی کوشش کر رہی ہیں تاکہ وہ آئندہ عام انتخابات میں پی پی پی کا بھرپور انداز میں مقابلہ کر سکیں۔ اس سلسلے میں 18 مئی 1976ء کو راؤ عبدالرشید نے وزیراعظم کو ایک رپورٹ ارسال کی جس میں انہوں نے لکھا کہ اپوزیشن جماعتیں ایک الیکشن الائنس قائم کرنے کیلئے سرتوڑ کوششیں کر رہی ہیں۔ لیکن ابھی تک اپوزیشن کو اس ضمن میں نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ لیکن اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ اپوزیشن ایک الیکشن الائنس بنانے میں کامیاب ہو جائے گی' اس لئے ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ کسی نہ کسی طرح اس الائنس کا سربراہ ائرمارشل اصغر خاں کو نہ بننے دیں۔ یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ کے بعض رہنما پہلے ہی اصغر خاں کے خلاف ہیں۔ ان حالات میں نواب زادہ نصراللہ خاں اور صاحبزادی محمودہ بیگم کے ذریعے اصغر خاں کے خلاف رائے کو مزید مضبوط بنایا جاسکتا ہے تاکہ جب نئے اتحاد کے سربراہ کی تقرری کا لمحہ آئے تو اصغر خاں اس کے صدر نہ بن سکیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے راؤ عبدالرشید کی اس تجویز کے جواب میں فوراً لکھا کہ ہاں اصغر خاں کو اپوزیشن کے اتحاد کا صدر

مت بننے دو۔ انٹیلی جنیس بیورو کا خیال تھا کہ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کو اپوزیشن کے لئے سیاسی اتحاد میں شامل ہونے سے روکا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ این ڈی پی کے منشور کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے جو علیحدگی کی تحریک کی حمایت کرتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں فوری طور پر یہ مہم شروع کردینا چاہئے کہ این ڈی پی کا منشور مجیب الرحمٰن کے 6 نکات سے مماثلت رکھتا ہے۔ ان حالات میں جمیعت علمائے اسلام اور مسلم لیگ خوف زدہ ہوکر این ڈی پی کو اپنے الائنس میں قبول کرنے سے انکار کردیں گی۔ علاوہ ازیں مسٹر خاکوانی' صاجزادی محمودہ بیگم' حسن محمود' حنیف رامے اور مصطفیٰ کھر تھوڑی سی کوشش کے بعد پی پی میں شامل ہوگئے تو اپوزیشن میں مایوسی پھیلے گی۔ جبکہ راجہ منور کے ذریعے بھی اپوزیشن کو کمزور کیا جاسکتا ہے"

جے یو پی کا ایک رہنما بکتا ہے

مولانا شاہ احمد نورانی نے جب یو ڈی ایف میں شمولیت کا اعلان کیا تو انٹیلی جینس بیورو نے فوری طور پر جے یو پی کے ایک اہم رہنما صاجزادہ نذر دیوان کو قابو کیا اور ان سے نورانی کے خلاف اخبارات میں ایک گرما گرم بیان دلوا دیا۔ اس بیان میں صاجزادہ دیوان نے نورانی کی یو ڈی ایف میں شمولیت کے فیصلے کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ صاجزادہ نذر دیوان کی گورنر پنجاب سے ان کے ساتھیوں کے ہمراہ ملاقات بھی کروا دی گئی۔ جن میں کبیر علی شاہ' سجادہ نشین موہڑ شریف اور مولانا فقیر محمد شامل تھے۔ ان رہنماؤں نے جے یو پی میں نفاق ڈالنے کے لئے 26 مئی 1973ء کو ایک کنونشن کا انعقاد بھی کیا جو خانیوال میں منعقد ہوا اور اس کنونشن کی کاروائی کو اخبارات میں نمایاں انداز میں شائع کروایا گیا۔ انٹیلی جینس بیورو کے اس اقدام کے باعث جے یو پی کی قیادت میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ (اسی فارمولے پر عمل کرتے ہوئے اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے نورانی کی جماعت سے مولانا عبدالستار نیازی کو الگ کروا کر انہیں وفاقی وزیر بنوایا تھا) بھٹو دور حکومت میں جے یو پی کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا جو سلسلہ جاری ہوا تھا وہ آج بھی جاری ہے اور اس وقت جے یو پی دو حصوں میں منقسم ہے۔

صاجزادہ نذر دیوان کی 9 جون 1973ء کو گورنر پنجاب سے ایک مرتبہ پھر ملاقات کروائی گئی۔ اور انہیں مولانا شاہ احمد نورانی کے خلاف ایک اور سخت قسم کا بیان دینے کے لئے تیار کیا گیا۔ حکومت نے صاجزادہ نذر دیوان کے ساتھیوں کی وفاداری کا بھرپور "صلہ" دیا تھا۔ کیونکہ صاجزادہ نذر دیوان نے بعد ازاں پی پی پی کی پالیسیوں کی حمایت شروع کر دی تھی۔

صاجزادہ نذر دیوان جنرل سیکریٹری جے یو پی' قاضی اظہار الحق نائب صدر اور منہاج الحق آفس سیکریٹری نے بھٹو کے ایک انتہائی قریبی ساتھی افضل سید خاں سے 26 جنوری 1977ء کو ملاقات کی اور کہا کہ "ہماری جماعت پیپلز پارٹی کی آئندہ عام انتخابات میں حمایت کرے گی۔" جے یو پی کے رہنماؤں نے حکومت سے فنڈز کا مطالبہ کیا اور ابتدائی طور پر انہیں 15 ہزار روپے ادا کردیئے گئے۔ صاجزادہ نذر دیوان نے یہ رقم 7 فروری 1977ء کو راولپنڈی میں وصول کی اور کمال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دستخطوں سے ایک رسید جاری کی جس پر انہوں نے لکھا کہ میں نے 15 ہزار روپے کی رقم وزیراعظم سے ایک خصوصی کام کرنے کیلئے وصول کی ہے۔ یہ رقم بیگم نصرت بھٹو نے صاجزادہ نذر دیوان کو فراہم کی تھی۔ صاجزادہ نذر دیوان نے 26 فروری 1977ء کو وزیراعظم سیکریٹریٹ سے دوبارہ 15 ہزار روپے کی رقم وصول کی اور ان کی طرف سے اس رقم کی بھی باقاعدہ رسید جاری کی گئی۔ اس قسم کا ایک واقعہ گزشتہ انتخابات کے موقع پر رونما ہوا جب میاں فیملی نے جے یو پی کے ایک رہنما مولانا عبدالغفور الوری کو رقم دی تھی۔ اس ضمن میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک اچھی خاصی رقم مولانا عبدالستار نیازی نے بھی وصول کی تھی۔

پاکستان قومی اتحاد کی سازش

بھٹو دور حکومت میں جب انتخابات کے انعقاد کے لئے تیاریاں کی جارہی تھیں تو ان دنوں سیکریٹری داخلہ چوہدری فضل حق نے 22 فروری 1977ء کو وزیراعظم کو امن عامہ کی صورت حال کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ ارسال کی جس میں انہوں نے لکھا کہ انٹیلی جنیس ایجنسی نے رپورٹ دی ہے کہ اسلامی جمعیت طلباء کے رہنماؤں نے اپنے خون سے لکھ کر عزم کیا ہے کہ وہ پاکستان قومی اتحاد کی کامیابی کے لئے اپنی جان کی بازی لگادیں گے۔ سیکریٹری داخلہ نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ 9 مارچ کو اپوزیشن ملک بھر میں ہنگامے کرائے گی کیونکہ اصغر خان نے اعلان کر دیا ہے کہ اگر الیکشن کے نتائج پی این اے کی مرضی کے مطابق نہ آئے تو انہیں تسلیم نہیں کیا جائے گا اس کے علاوہ اصغر خان نے یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ ہم انتخابات سے قبل ہی الیکشن جیت گئے ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا مودودی نے جمیعت کے کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ انتخابات کے دن پولنگ سٹیشنوں پر بڑی تعداد میں جائیں کیونکہ حکومت نے ہمیں انتخابات ہروانے اور امن عامہ کا مسئلہ کھڑا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ''مگر آپ گھبرائیں مت اللہ کا نام لے کر ووٹ ڈالنے جائیں اور یہ یاد رکھیں کہ خدا نے آپ کو اپنے دفاع کی اجازت دی ہے۔''

سیکریٹری داخلہ نے پی این اے کے ان اعلانات پر سخت تشویش کا اظہار کیا تھا اور ان کا خیال تھا کہ حکومت کو تمام فیصلے انتہائی احتیاط سے کرنا ہونگے۔ اور فوج کو ہر قسم کی صورت حال سے نپٹنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جبکہ فیڈرل سیکیورٹی فورس کو بھی ممکنہ صورت حال کا

مقابلہ کرنے کے لئے خصوصی طور پر لاہور' راولپنڈی' منڈی بہاؤالدین' کراچی' حیدر آباد' پشاور' ڈی آئی خان' ملتان' گوجرانوالہ' لائلپور' بھکر جھنگ' حیدر آباد اور سیالکوٹ میں تیار رہنا چاہئے۔ دوسرے اضلاع میں پولیس کے مسلح دستوں کو گشت کرنا چاہئے۔

راؤ عبدالرشید نے انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کے ذمہ ایک نہایت اہم کام لگایا تھا کہ وہ پاکستان قومی اتحاد کے ان رہنماؤں کے بارے میں ایک فہرست تیار کریں جو الیکشن میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ راؤ عبدالرشید کو خفیہ ایجنسیوں کی تیار کردہ یہ فہرست 20 فروری 1977ء کو مل گئی تھی جس کا مطالعہ کرنے کے بعد انہوں نے 23/ فروری 1977ء کو ذوالفقار علی بھٹو کو ایک مراسلہ تحریر کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ اپوزیشن کے بعض امیدوار ایسے بھی ہیں جو اگر کامیاب ہو گئے تو حکومت کے لئے اسمبلی میں مشکلات پیدا کریں گے اس لئے مندرجہ ذیل اپوزیشن رہنماؤں کی کامیاب ہونے سے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جانا چاہئے: اصغر خاں' سردار شیرباز مزاری' بیگم نسیم ولی خاں' گوہر ایوب' چوہدری غفور احمد' چوہدری ظہور الٰہی' مولانا عبدالستار نیازی' محمد حنیف رامے' مخدوم زادہ حسن محمود' راجہ منور احمد' مسٹر خاکوانی' مسعود احمد' عبدالحمید چاپڑا' آزاد بن حیدر' ارباب محمد ہمایوں خاں اور گوہر ایوب خاں۔ حیرت کی بات ہے کہ راؤ رشید نے اپنی اس فہرست میں نوابزادہ نصراللہ خاں' مفتی محمود اور دوسرے اہم لیڈروں کا ذکر نہیں کیا۔

پی این اے کے جنرل سیکریٹری خواجہ رفیق باجوہ کا دعویٰ ہے کہ پی این اے کی اعلیٰ قیادت نے 9/ مارچ 1977ء کے قومی اسمبلی کے انتخابات سے قبل بھٹو کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر پی این اے میں شامل جماعتوں کے سربراہوں اور سرکردہ رہنماؤں کو کامیاب ہونے دیا گیا تو وہ دھاندلی کی شکایت نہیں کریں گے۔ چنانچہ انتخابات کے نتائج سے پتہ چلتا ہے کہ بھٹو نے پی این اے کی قیادت کو ہروانے کی کوشش نہ کی اور راؤ عبدالرشید کے پیش کردہ ناموں کو اہمیت نہ دی۔ راؤ عبدالرشید کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی اور پی این اے کے بعض رہنماؤں کے کامیاب ہونے کے باوجود بھی حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ رفیق باجوہ کا کہنا ہے کہ انہوں نے جب دیکھا کہ پی این اے کے تمام رہنما بھٹو کے ساتھ کئے جانے والے خفیہ معاہدے کی وجہ سے کامیاب ہو گئے ہیں اور عام امیدوار شکست کھا گئے ہیں تو انہوں نے غصے میں آکر صوبائی اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ رفیق باجوہ کے مطابق انہوں نے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے سے قبل پی این اے کی قیادت سے

مشورہ نہ کیا مگر مجبوراً پی این اے کو یہ فیصلہ قبول کرنا پڑا۔ پی این اے نے جب صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا تو ذوالفقار علی بھٹو بہت سیخ پا ہوئے کیونکہ رفیق باجوہ کے مطابق ان کی پی این اے کی قیادت کے ساتھ Under hand deal ہو چکی تھی۔ مگر پی این اے کی قیادت نے بھٹو کو دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ صوبائی اسمبلیوں کے بائیکاٹ کے فیصلے کو انہوں نے مجبوری کے تحت قبول کیا ہے کیونکہ رفیق باجوہ ہمارے کنٹرول میں نہیں۔ ادھر انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی نے رفیق باجوہ کی ملاقات کی خبر اپوزیشن تک پہنچا دی۔ جس کی وجہ سے پی ایف اے کی احتجاجی تحریک کو زبردست دھچکا لگا اور شہر میں یہ نعرہ گونجتا رہا کہ "ایک ستارہ ٹوٹ گیا" (پی ایف اے میں شامل 9 جماعتوں کو 9 ستاروں کے نام پر یاد کیا جاتا تھا)۔

انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی نے ذوالفقار علی بھٹو کو 7/ مارچ 1977ء کو ہونے والے انتخابات کے حوالے سے جو فہرست پیش کی تھی اس میں کہا گیا تھا کہ پی پی پی کی سرحد میں 5 نشستوں پر 100 فیصد کامیابی کا امکان ہے۔ ان میں این اے 6 سے میر افضل' این اے 10 سے عظمت علی' این اے 20 سے انور کمال' این اے 21 سے گل امیر اور این اے 25 سے لال محمد خاں کامیاب ہوں گے۔ جبکہ این اے 2 میں پی پی پی کے 5 امیدوار ارباب جہانگیر' اسلم خٹک' عبدالحاکم' رحیم زادہ اور فتح محمد کامیاب ہو سکتے ہیں۔ سرحد میں 6 نشستوں پر پی پی پی اور ہار بھی سکتی ہے۔ ان میں این اے 7 سے سرفراز خاں کا مقابلہ یوسف خان سے ہے' ایف اے 12 میں اقبال جدون کا مقابلہ اصغر خاں سے ہو گا' این اے 14 سے اختر نواز کا مقابلہ گوہر ایوب کے ساتھ ہے' این اے 15 میں محمد حنیف کا سخت مقابلہ شوکت علی کے ساتھ متوقع ہے جبکہ این اے 24 میں محمد ولی کا مقابلہ عبدالرحیم کے ساتھ ہو گا۔ انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کی رائے تھی کہ این اے 5 سے نصراللہ خٹک کی پوزیشن کمزور ہے کیونکہ وہاں عبدالحق کافی مقبول ہیں' این اے 13 میں فضل رازق کی پوزیشن کمزور تھی کیونکہ وہاں بھی اصغر خان ان کے مقابلے میں الیکشن لڑ رہے تھے۔ پی پی پی کی این اے 26 میں بھی پوزیشن کمزور تھی کیونکہ وہاں محمد خاں فرد کا مقابلہ سیف اللہ کے ساتھ تھا۔ انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کا خیال تھا کہ این اے 1 میں اصغر خاں اور این اے 3 میں شیرباز مزاری کی جیت کا امکان تھا این اے 4 سے بیگم نسیم ولی خاں کی کامیابی کا امکان زیادہ تھا۔ این اے 9 میں علی گوہر کی پوزیشن پی پی پی کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ این اے 17 میں فقیر محمد اور این اے 18 میں مفتی محمود کی کامیابی کا

امکان تھا اس طرح 25 میں سے صرف 7 نشستوں پر قومی اتحاد کے امیدواروں کی یقینی جیت نظر آرہی تھی۔

انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی نے پشاور کے متعلق جو رپورٹ تیار کی تھی اس کے مطابق "این اے 1 میں کیو ایم ایل کے یوسف خٹک اور پی این اے کے اصغر خاں کے درمیان مقابلہ ہوگا کیونکہ پی پی پی کے امیدوار جان اختر کو نااہل قرار دے دیا گیا ہے۔ مگر اصغر خاں کو پی پی پی کے ووٹوں سے شکست دی جاسکتی ہے۔"

"این اے 3 میں میجر ریٹائرڈ آفتاب شیرپاؤ کا مقابلہ سردار شیرباز مزاری اور آزاد امیدوار سیف الرحمٰن کے ساتھ ہے۔ یہ نشست دونوں جماعتوں کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ مولانا عزیز الرحمٰن اور سعد اللہ خاں نے مزاری کہ حق میں دستبردار ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ جبکہ اپوزیشن مطالبہ کر سکتی ہے کہ شیرپاؤ کو نااہل قرار دیا جائے کیونکہ انہیں فوج سے 2 سال قبل ریٹائر ہونا چاہئے تھا۔ آفتاب شیرپاؤ کو اس وقت پی پی پی کی سخت حمایت کی ضرورت ہے۔ چونکہ مزاری مقامی ووٹر نہیں ہے اس لئے اس چیز کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ لیکن دوسری طرف بیگم نسیم ولی خاں نے پختونستان کا نعرہ لگا کر مقامی اور غیر مقامی کا تصور ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ آخری اطلاع کے مطابق مزاری کی پوزیشن بہتر ہو گئی ہے کیونکہ نسیم ولی خاں نے اپنے رشتے داروں کے ساتھ مزاری کے حق میں موثر انداز میں انتخابی مہم شروع کر رکھی ہے۔"

آئی ایس آئی اور آئی بی کی
1977ء کے انتخابات کے حوالے سے ایک مشترکہ رپورٹ

آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو نے 1977ء کے انتخابات کے حوالے سے 22/ فروری 1977ء کو جو رپورٹ تیار کی تھی اس میں بتایا گیا تھا کہ پی پی کو قومی اسمبلی کی 192 میں سے 95 نشستیں آسانی سے مل جائیں گی۔ پنجاب کے بارے میں ان دونوں خفیہ اداروں کا خیال تھا کہ پی پی کو اس صوبے میں 116 سب سے 54 نشستیں آسانی سے مل جائیں گی جبکہ 35 نشستوں پر سخت مقابلہ ہوگا۔ اپوزیشن کے متعلق آئی ایس آئی اور آئی بی کا خیال تھا کہ اسے 27 نشستوں پر کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ سندھ کے بارے میں رپورٹ یہ تھی کہ وہاں سے قومی اسمبلی کی 43 نشستوں میں سے 18 نشستوں پر پی پی کی کامیابی کا امکان روشن ہے اس کے علاوہ 5 نشستوں پر سخت مقابلہ متوقع تھا اور اپوزیشن کو 8 نشستیں ملنے کے پیش گوئی کی گئی تھی۔ بلوچستان کے بارے میں آئی ایس آئی اور آئی بی کی رائے تھی کہ وہاں 7 میں سے 4 نشستوں پر پی پی بلا مقابلہ کامیابی کا امکان ہے اور اپوزیشن کو اس صوبے سے ایک نشست پر کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کا خیال تھا کہ ”پی پی کو پنجاب کے 26 حلقوں میں تھوڑی سی محنت کرنے سے کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ این اے 44 جہلم سے ڈاکٹر غلام حسین کو پی این اے کے چوہدری عبدالملک کے مقابلے میں کامیابی ہو گی این اے 51 گجرات سے پی

پی پی کے حاجی غلام رسول کی کامیابی کا امکان پی این اے کے امیدوار چوہدری ممتاز تارڑ کے مقابلے میں زیادہ تھا۔"

"این اے 57 سرگودھا میں پی پی کے چوہدری حفیظ اللہ چیمہ کی پوزیشن پی این اے کے امیدوار ذوالفقار خاں کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ این اے 64 جھنگ میں پی پی کے امیدوار غلام حیدر بھروانہ کی پوزیشن پی این اے کے رحمت اللہ کے مقابلے میں بہت بہتر تھی۔ این اے 67 جھنگ میں پی پی کے امیدوار صاحبزادہ محمد نذیر کی کامیابی کا امکان پی این اے کے امیدوار نواز علی کے مقابلے میں زیادہ تھا۔"

"این اے 72 لائلپور میں پی پی کے امیدوار چوہدری انور علی کی پوزیشن پی این اے کے امیدوار اصغر علی کھرل کے مقابلے میں مضبوط تھی جبکہ این اے 76 لائلپور میں پی پی کے امیدوار غلام نبی چوہدری کی کامیابی کا امکان پی این اے کے محمد عبداللہ غازی کے مقابلے میں روشن تھا۔ این اے۔ 78 میں پی پی کے امیدوار رائے حفیظ اللہ خان کی کامیابی کا امکان پی این اے کے نصیر احمد کے مقابلے میں زیادہ تھا۔ این اے 79 میں پی پی کے امیدوار محمد شبیر کی پوزیشن پی این اے کے امیدوار عبدالرحمان جان کے مقابلے میں مضبوط تھی۔"

"این اے 90 میں میجر ریٹائرڈ رحمت خاں پی پی کے امیدوار تھے جن کی کامیابی کا امکان پی ایف اے کے امیدوار شہزادہ جلیل شیر کے مقابلے میں روشن تھا۔ این اے 92 میں پی پی کے امیدوار امجد مسعود کی کامیابی پی این اے کے امیدوار معین الدین کے مقابلے میں یقینی تھی۔ این اے 94 میں پی پی کے امیدوار ملک مشتاق احمد کی پوزیشن پی این اے کے امیدوار میاں عبداللطیف کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ این اے 96 میں پی پی کے شمیم حیدر کی پوزیشن پی این اے کے میاں نذیر احمد کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ این اے 101 میں پی پی کے امیدوار میاں اظہر حسین کی کامیابی کا امکان پی این اے کے امیدوار چوہدری ظفراللہ خان کے مقابلے میں روشن تھا۔"

"این اے 102 میں پی پی کے امیدوار ملک مہدی حسن کی پوزیشن پی این اے کے امیدوار خلیل الرحمان چشتی کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ این اے 103 میں پی پی کے امیدوار میاں شہادت خاں کی کامیابی کا امکان پی این اے کے امیدوار قاضی عصمت اللہ کے مقابلے میں زیادہ تھا۔ این اے 107 میں پی پی کے امیدوار مولانا کوثر نیازی کی کامیابی کا امکان پی این اے کے امیدوار کے مقابلے میں روشن تھا۔ این اے 109 میں پی پی کے

امیدوار غلام سرور خاں کی کامیابی کا امکان پی این اے کے امیدوار برک اللہ خاں کے مقابلے میں زیادہ تھا۔"

"این اے 118 میں پی پی پی کے امیدوار چوہدری عبدالرحمان کی پوزیشن پی این اے کے امیدوار خورشید احمد خاں کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ این اے 133 میں پی پی پی کے امیدوار سردار محمد نسیم کی کامیابی کا امکان نور حسین کے مقابلے میں زیادہ تھا۔ این اے 134 میں پی پی پی کے امیدوار رانا محمد حنیف خاں کی پوزیشن پی این اے کے امیدوار محمد نواز خاں چوہدری کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ این اے 135 میں پی پی پی کے امیدوار راؤ خورشید علی کی کامیابی کا امکان پی این اے کے امیدوار میاں ظفر کے مقابلے میں زیادہ تھا۔"

"این اے 138 میں پی پی پی کے ہاتم خاں کی پوزیشن پی این اے کے امیدوار بشیرا کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ این اے 191 میں پی پی پی کے امیدوار شجاع اللہ کی پوزیشن پی این اے کے امیدوار چوہدری حشمت علی کے مقابلے میں مضبوط تھی جبکہ این اے 149 رحیم یار خاں میں پی پی پی کے امیدوار ڈاکٹر سلیم خاں کی کامیابی کا امکان پی این اے کے امیدوار مخدوم نور محمد شاہ کے مقابلے میں زیادہ تھا۔"

آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کا خیال تھا کہ پنجاب میں 9 نشستوں پر سخت مقابلہ ہو گا۔ ان میں این اے 38 راولپنڈی میں پی پی پی کے امیدوار سید علی اصغر شاہ کا مقابلہ اصغر خاں اور غلام گیلانی کے ساتھ تھا۔ اس رپورٹ کے مطابق "این اے 46 جہلم میں پی پی پی کے امیدوار مسعود الحسن کا پی این اے کے مولوی محمد اکرام اور آزاد امیدوار راجہ منور احمد کے ساتھ سخت مقابلہ متوقع تھا۔ این اے 71 میں پی پی پی کے امیدوار رانا شوکت علی کا مقابلہ پی این اے کے امیدوار طالب حسین کے ساتھ تھا۔ این اے 81 لاہور میں پی پی پی کے امیدوار ایس ایم مسعود کا مقابلہ پی این اے کے جنرل سیکریٹری رفیق باجوہ کے ساتھ تھا۔"

"این اے 82 لاہور میں پی پی پی خالد لطیف کاردار کا مقابلہ مرزا ابراہیم اور حنیف رامے کے ساتھ تھا این اے 89 میں پی پی پی کے امیدوار سردار احمد علی کا مقابلہ میاں جمیل پی این اے اور اللہ دتہ کے ساتھ تھا۔ این اے 108 سیالکوٹ میں پی پی پی کے امیدوار حامد نواز خاں کا پی این اے کے خواجہ محمد اقبال بٹ کے ساتھ سخت مقابلہ متوقع تھا۔ این اے 117 ملتان میں پی پی پی کے امیدوار بابو فیروز دین جبکہ این اے 129 میں پی پی پی کے امیدوار غلام عباس قریشی کا پی این اے کے امیدوار ڈاکٹر دوست محمد بزدار کے ساتھ سخت مقابلہ متوقع تھا۔"

انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کی ایک رپورٹ کے مطابق ''اگر پی پی پنجاب کے باقی حلقوں میں بھرپور طریقے سے محنت کرے تو پی پی کے امیدواروں کی کامیابی کا امکان بڑھ سکتا ہے۔ اس لئے خصوصی طور پر پی پی کو این اے 38 پنڈی میں سید علی اصغر شاہ کی مدد کرنا چاہئے جو اصغر خاں کے مقابلے میں الیکشن لڑ رہے ہیں'' انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کا کہنا تھا کہ پنجاب میں 35 نشستوں میں سے پی پی کو 26 نشستیں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہئیں خواہ اس کے اثرات بعد میں کیسے ہی ہوں۔

اس کے علاوہ انٹیلی جینس اداروں کا مشورہ تھا کہ سندھ میں این اے 51 سکھر کی نشست ہر قیمت پر جیتی جائے وہاں پی پی کے علی حسن کا مقابلہ مولوی عبدالکریم کے ساتھ تھا جبکہ سکھر میں آغا غلام نبی کا مقابلہ پی این اے کے امیدوار محمد شاہ کے ساتھ تھا۔ این اے 190 کراچی میں پی پی کے امیدوار کمال الدین اظفر کے مقابلے میں پی این اے نے اصغر خاں کو کھڑا کیا تھا۔ آئی ایس آئی اور آئی بی کا حکومت کو مشورہ تھا کہ یہ نشست بھی کسی نہ کسی طرح حاصل کی جائے۔

این اے 187 کراچی میں پی پی کے امیدوار سید امداد حسین کا پی این اے کے امیدوار مشیر پیش امام کے ساتھ بہت سخت مقابلہ تھا۔ جبکہ این اے 189 کراچی میں پی پی کے امیدوار سلمان حسین کا مقابلہ پی این اے کے حاجی محمد حنیف طیب کے ساتھ تھا۔ خفیہ ایجنسیوں کا خیال تھا کہ مذکورہ نشستوں پر مقابلہ انتہائی سخت ہوگا اور پی پی کو کامیابی کے لئے سخت محنت کرنا ہوگی۔

آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کی ایک اور رپورٹ کے مطابق ''بلوچستان میں این اے 194 میں پی پی کے طاہر شاہ کا ارباب عبدالقادر کے ساتھ سخت مقابلہ متوقع ہے جبکہ این اے 195 میں یہ صورت حال اور بھی سنگین ہے جہاں پی پی کے امیدوار یحییٰ بختیار کو محمود خاں اچکزئی کے مقابلے میں انتہائی سخت محنت کرنا پڑ رہی ہے'' تاہم خفیہ ایجنسیوں کا مشورہ تھا کہ ان دونوں نشستوں کو لازمی طور پر جیت لیا جائے۔ دونوں خفیہ اداروں کا خیال تھا کہ ''پی پی کو سرحد میں 4 نشستوں کو جیتنے کے لئے خصوی طور پر انتہائی سخت محنت کرنا ہوگی۔ پنجاب کی 26 نشستوں کے حصول کے لئے پی پی کو معمول کی نسبت زیادہ محنت سے کام کرنا پڑے گا۔ جبکہ سندھ کی 3 اور بلوچستان کی 2 نشستوں پر کامیابی کے لئے پی پی کو بہت سخت محنت کرنا پڑے گی۔'' انٹیلی جینس بیورو کا مشورہ تھا کہ ''اصغر خاں کو کسی صورت میں کامیاب نہیں ہونے

دینا چاہیے۔ جبکہ شیر باز مزاری' گوہر ایوب خاں' محمد حنیف رامے' عبدالستار نیازی' طالب حسین اور رفیق احمد باجوہ کو کسی صورت میں کامیاب نہیں ہونے دینا چاہیے۔"

خفیہ سروس کے ادارے. بھٹو کی نظر میں

جیسا کہ پہلے اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو پر ایک الزام یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں سیکرٹ سروس کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اس حوالے سے ضیا الحق کی طرف سے شائع کردہ وائٹ پیپر میں انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کی بعض رپورٹوں کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ تاہم بھٹو نے اس وائٹ پیپر کو لغو قرار دے کر مسترد کر دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "اگر مجھے قتل کر دیا گیا" میں خفیہ اداروں کے سیاسی کردار کے بارے میں لکھا کہ "وائٹ پیپر نے مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہوئے دکھ کا اظہار کیا ہے کہ خفیہ سروس کے ملکی ادارے پی پی پی کی حکومت کا سیاسی بازو بن چکے تھے۔ وائٹ پیپر کے صفحہ 195 پر حسب ذیل الفاظ میں تشویش کا اظہار کیا گیا ہے:

"پی پی پی حکومت کے سیاسی بازو کی حیثیت سے ریاستی خفیہ سروس کے اداروں کا کردار بالخصوص عام انتخابات کے حوالے سے بہت تکلیف دہ سوالوں کو جنم دیتا ہے۔ جب انٹیلی جینس بیورو یا انٹر سروسز انٹیلی جینس ڈائریکٹوریٹ جیسے حساس اداروں میں سیاست داخل ہو جائے تو وہ فطری طور پر ملک کی خارجہ اور داخلہ سلامتی سے متعلق اپنے کردار سے گریزاں ہو جاتے ہیں۔ اختلاف رائے کی حامل سیاسی جماعتیں جو کسی جمہوری معاشرے کا بہت لازمی جزو ترکیبی ہوتی ہیں کے خلاف سیاسی تعصب بھی ملکی سلامتی کے کام کو پیچیدہ بناتا اور بگاڑتا ہے۔"

ذوالفقار علی بھٹو کہتے ہیں کہ "اس بات کی مزید تائید میں وائٹ پیپر کے صفحہ 197 پر

اے کے بروہی کے ان دلائل کا حوالہ دیا گیا ہے جو انہوں نے سپریم کورٹ میں بیگم نصرت بھٹو کیس کی سماعت کے دوران دیئے تھے۔ بروہی نے کہا "اس سارے عرصے میں انٹیلی جنس بیورو کو صرف اور صرف مسٹر بھٹو کے ذاتی اور سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا" اسی پٹیشن کے حوالے سے صفحہ نمبر181 میں لکھا گیا کہ مسٹر بھٹو نے انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر کو اسی قسم کی ہدایت جاری کی تھیں۔ مسٹر زیڈ اے بھٹو کی نظربندی کے مقدمے میں وفاق کی طرف سے دلائل دیتے ہوئے اے کے بروہی نے سپریم کورٹ میں کہا:

(الف) "یکم اپریل 1976ء کو جب انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر نے مسٹر بھٹو کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں حزب اختلاف کی جماعتوں کے درمیان باہمی تعاون کے امکان کی نشاندہی کی گئی تھی تو مسٹر بھٹو نے حسب ذیل ہدایت جاری کی تھی:
"براہ کرم ہمہ وقت نظر رکھیں۔ انہیں یکجا ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔ یہ کسی خوف کے باعث نہیں بلکہ اصول کی بات ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ انہیں ایک دوسرے سے دور ہی رکھیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ غلام مصطفیٰ کھر نے مسٹر رؤف طاہر کو پنجاب گھی بورڈ کا انچارج بنا دیا تو انہوں نے بے تحاشا مال کمایا تھا۔ اس سلسلے میں کیوں نہ تحقیقات شروع کر دی جائیں؟"

(ب) چیف سیکورٹی آفیسر نے 5/ مئی 1976ء کو حزب اختلاف کی پارٹیوں کے درمیان انضمام کی کوششوں کے بارے میں وزیراعظم کو ایک رپورٹ پیش کی تو مسٹر بھٹو نے حسب ذیل حکم جاری کیا:

"انہیں متحد ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ آپ کے لئے حتمی حکم ہے۔ دوسری جانب انٹر سروسز انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی نے 'جو خود اور ان کی ملٹری انٹیلی جینس ساڑھے پانچ سال تک صرف اور صرف میرے ذاتی اور سیاسی مقاصد کے لئے استعمال ہوتے رہے تھے' وائٹ پیپر کے صفحہ 66 پر موجود ایک رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ:

"اس وقت ملک میں ان کے (مسٹر بھٹو کے) مرتبے اور مقام کی حامل یا اس سے قریب تر مرتبے اور مقام کی حامل کوئی متبادل قیادت موجود نہیں مسٹر بھٹو بین الاقوامی مرتبے اور وقار کے حامل واحد رہنما ہیں جو عالمی سیاست اقتدار کی باریکیوں کا وسیع علم اور تجربہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے محافظ کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔ وہ پاکستان کے استحکام اور یکجہتی کی علامت ہیں۔"

ذوالفقار علی بھٹو لکھتے ہیں کہ "میں نے 20/ دسمبر 1971ء کو صدر پاکستان کا عہدہ سنبھالا تو لیفٹیننٹ جنرل جیلانی پہلے ہی سے انٹر سروسز انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل تھے اور 5/ جولائی 1977ء تک اس حساس عہدے پر کام کرتے رہے۔ حکومت کا تختہ الٹے جانے کے چند ماہ بعد انہیں سیکریٹری دفاع بنا دیا گیا اور وہ اب بھی اسی نوع کے اہم عہدے پر فائز ہیں۔ اگر وہ معتوب ہوتے یا ان کے ساتھی جرنیلوں کی حکومت انہیں میرا خوشامدی سمجھتی تو وہ بھی بہت سے دوسرے افراد کی مانند 5/ جولائی 1977ء کو یا اس کے بعد برطرف کر دیئے جاتے۔ وفاقی سطح پر خفیہ سروس کے اداروں سے تعلق رکھنے والے تمام افسروں کو ماسوائے لیفٹننٹ جنرل غلام جیلانی، تختہ الٹے جانے کی شب بعد ازاں ایک ماہ کے اندر گرفتار کر لیا گیا تھا۔

میں غلطی پر نہیں تو میرے اسپیشل سیکریٹری راؤ عبدالرشید 5/ جولائی 1977ء کو گرفتار کئے گئے تھے اور فیڈرل سیکیورٹی فورس کے ڈائریکٹر جنرل مسعود محمود اور سابق ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو شیخ اکرم کی گرفتاری بھی اسی طرح عمل میں آئی تھی۔ چیف سیکیورٹی آفیسر سعید احمد .کو میرے ذاتی خیال کے مطابق وسط جولائی سے یا وسط اگست 1977ء میں گرفتار کیا گیا۔ سابق سیکریٹری داخلہ فضل حق کو فوری حکم کے تحت ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ اس وقت کے سیکریٹری داخلہ ایم اے کے چوہدری چونکہ اس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان کے بھائی تھے اس لئے انہیں گرفتاری یا برطرفی کے اعزاز سے محروم رکھا گیا۔ تاہم جب ایم اے کے چوہدری کے بھائی سپریم کورٹ آف پاکستان سے رخصت ہوئے تو انہیں بھی فارغ کر دیا گیا۔ تاہم ملٹری انٹیلی جینس کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی کو نہ چھوا گیا اور وہ مزے سے اس عہدے پر کام کرتے رہے۔

بعد ازاں غلام جیلانی کا وزارت دفاع میں بحیثیت سیکریٹری تقرر کر دیا گیا۔ وہ پانچ سال سے زیادہ عرصے تک میرے اصل انٹیلی جینس آفیسر رہے تھے۔ لہٰذا میرے بہت سے افکار و خیالات سے صرف وہی آگاہ تھے۔ دوبارہ بحیثیت وزیر اعظم انتخاب کے بعد میں نے غلام جیلانی کے ساتھ جن حساس موضوعات پر گفتگو کی، وہ یہ تھے:

(الف) سیاسی اور انتظامی ہر دو لحاظ سے وفاقی ڈھانچے کی مکمل تنظیم نو۔

(ب) خفیہ سروس کے مرکزی اداروں کا ایک ایسے باہم مربوط انٹیلی جینس ڈیپارٹمنٹ کی صورت میں انضمام جو دو حصوں پر منقسم ہو۔

(1) ملکی امور

(2) بیرونی امور

(3) اصلاحات

لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی میرے آئندہ منصوبوں کے بارے میں مجھ سے راز داری میں گرما گرم بحث بھی کر چکے تھے۔ میں نے جس انداز میں خفیہ سروس کو استعمال کیا' اگر جنتا اس سے واقعی بیزار تھی تو ایسے میں انٹر سروسز انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل غلام جیلانی کو اپنے ساتھی جرنیلوں کا اولین شکار بننا چاہئے تھا۔

چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر مجھے بدنام کرتے نہیں تھکتے۔ انہوں نے مجھے قاتل اور عصر حاضر کا میکاولی قرار دیا ہے۔ مجھ پر معیشت کی تباہی کا الزام لگایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ میری وجہ سے ملک پر خانہ جنگی کے سائے منڈلائے تھے۔ وہ سرکاری فائل اور دستاویزات لے کر متعدد اسلامی ممالک اور چین کے دورے پر گئے اور ان ملکوں کے رہنماؤں کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ میں ایک قاتل اور خوفناک شخص ہوں۔ اس کے بالکل برعکس' تختہ الٹے جانے سے چند ماہ قبل لیفٹیننٹ جنرل جیلانی نے تحریری طور پر جو کچھ کہا میں اس کا متن دہراتا ہوں:

"اس وقت ملک میں بھٹو کے مقام و مرتبے کی حامل یا اس سے قریب تر مقام و مرتبے کی حامل کوئی متبادل قیادت موجود نہیں۔"

ایسے میں جبکہ اس ملک کے بے کس شہریوں کو "جئے بھٹو" کا نعرہ لگانے پر کوڑے مارے جا رہے ہوں اور قید بامشقت کی سزائیں سنائی جا رہی ہوں' میرے لئے اولیائے کرام کے مزاروں پر دعائیں مانگنے والی عورتوں پر لاٹھی چارج کیا جا رہا ہو' آنسو گیس برسائی جا رہی ہو اور انہیں پابند سلاسل کیا جا رہا ہو' جس نے یہ انتہائی خوشامدانہ رپورٹ دی تھی کہ میری قیادت ملک کے لئے ناگزیر ہے۔

یہ قصہ اس حوالے سے پرکھا جانا چاہئے کہ جنرل جیلانی مجھے قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ آرمی کے چیف آف اسٹاف کے عہدے کی تقرری کے لئے تقریباً چھ جرنیلوں کو نظر انداز کر کے اس وقت کے میجر جنرل ضیاالحق کے نام پر غور کروں۔ یہ رام کہانی کا ایک معمولی سا پہلو ہے۔ تاہم اس معمولی انکشاف کے بعد میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کون کس کے ہاتھوں میں کھیلا؟ ملٹری انٹیلی جینس کے سربراہ اور ان کے چیف آف دی آرمی اسٹاف میرے ہاتھوں میں کھیلتے رہے یا میں ان کے ہاتھوں میں کھیلا؟

حال ہی میں ایچ ہالڈ مین کی کتاب "اقتدار کے مقاصد" میری نظر سے گزری۔ ایک

بڑی طاقت کے ساتھ موازنہ پیش کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔ تاہم یہ کوئی واحد موازنہ نہیں۔ لہٰذا عاجزانہ طور پر یہ ریمارکس پیش کر رہا ہوں۔ ہالڈمین صدر نکسن کا رفیع رضا تھا (رفیع رضا بھٹو دور میں انتخابی مہم کے انچارج تھے) "اقتدار کے مقاصد" میں ہالڈمین اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ صدر نکسن کی حتمی برطرفی میں سی آئی اے کو شک و شبہ سے بالاتر نہیں گردانا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ ابتداء میں ارادہ صرف یہ رہا ہو کہ انہیں بے دست و پا کر دیا جائے۔ کتاب کے صفحہ 27 پر ہالڈمین تحریر کرتا ہے کہ: "اس بار سی آئی اے نے تیاری کر رکھی تھی۔ در حقیقت وہ کچھ زیادہ ہی تیار تھے۔ اس نے کھیل کی ابتداء سے مہینوں پہلے ہی سارے انتظامات کر لئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ نکسن کے لئے جو جال بچھایا گیا تھا وہ اس میں پھنستے ہی چلے گئے۔"

(بھٹو کہتے ہیں کہ) مندرجہ ذیل حوالہ ثابت کرتا ہے کہ موازنہ بے محل نہیں۔ اس میں موجود مماثلت دیکھ کر میں تو دنگ رہ گیا:

(الف) نکسن غالباً زیادہ فعال افراد کی تقرری کے لئے ارکان کابینہ کے استعفے ہی طلب نہیں کر رہے تھے (ان میں سے 4/ ارکان کا دوبارہ تقرر ہونا تھا) بلکہ وہ حکومت کا ایک ڈرامائی اور انقلابی ڈھانچہ دینے کی ابتدا کرنا چاہتے تھے۔

ب نکسن نے اپنے پہلے دور حکومت میں انقلاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے تنظیم نو کا بل پیش کیا تھا۔ کانگریس نے گھبرا کر یہ بل مسترد کر دیا۔ کانگریس کے ایوانوں میں ہلچل مچ گئی کہ سارے اختیارات وائٹ ہاؤس کے مٹھی بھر افراد کے ہاتھ میں چلے جائیں گے اور جب نکسن نے غصہ کے عالم میں کہا کہ کانگریس جہنم میں جائے' انتخابات جیت کر وہ صدارتی حکم کے تحت تنظیم نو کا کام مکمل کر لیں گے تو کانگریس کے مندوبین گھبرا گئے۔ واٹر گیٹ کے پیچھے خفیہ کہانی تنظیم نو کی ہی تھی۔

(ج) اور نکسن نے اظہار اتفاق کیا تھا میں تجویز پیش کروں گا کہ ہم گندگی صاف کر رہے ہیں۔ اب ہمیں نئی ٹیم کی ضرورت ہے جس کی تیاری میں کتنا عرصہ لگے گا؟ میں کہوں گا کہ جب ہم پہلے آئے تو یہ کام نہ کر سکے لیکن اب ہم اختیار لے کر آئے ہیں۔ ہم ایک اختیار یہ بھی لیکر آئے ہیں کہ جو صفائی ہم 1968 میں نہ کر پائے' وہ اب کریں گے۔

(د) جنوری 1973ء میں امریکی جریدے نے لکھا:

صدر نکسن جس انداز میں عہدوں اور ذمہ داریوں میں ردو بدل کر رہے ہیں اس کے پیش نظر لوگ اسے "انتظامی انقلاب" قرار دے رہے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ حکومت ان کی خواہش کے مطابق کام کرے۔ اعلیٰ ترین انتظامی عہدوں پر مسلسل ردوبدل کا مقصد یہ ہے:

رچرڈ نکسن اپنے دوسرے عہد صدارت میں بھاری بھرکم وفاقی نوکر شاہی اور پالیسی پر مؤثر تر کنٹرول کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ صدر یہ کام قدم بہ قدم وائٹ ہاؤس میں اپنے ایسے بااعتماد معاونین لا کر انجام دے رہے ہیں جنہوں نے 4 سال تک نکسن کے انداز میں کام کی تربیت حاصل کی۔ یہ تقرریاں کلیدی عہدوں پر ہو رہی ہیں۔"

یہ مضمون کیم جنوری 1973ء کو شائع ہوا تھا۔ چند ہفتے بعد جبکہ "پوسٹ" اور "ٹائمز" میں واٹر گیٹ کے متعلق ان گنت کہانیاں شائع ہو چکی تھیں "دی گیلپ پول" نے رپورٹ دی کہ نکسن کی مقبولیت ریکارڈ حد تک پہنچ چکی ہے۔ واٹر گیٹ کا افشاء ہونا اور اس سے متعلق ووڈ ورڈ اور برنسٹین کے انکشافات رائے عامہ کو بھڑکانے میں ناکام ہو چکے تھے اور نکسن کے اقتدار کا سورج نصف النہار پہ تھا۔

نکسن کا تنظیم نو کا منصوبہ کامیاب ہو جاتا اور وہ عہدہ صدارت پر بدستور فائز رہتے تو اس کا نتیجہ کیا برآمد ہوتا؟ راز دان واشنگٹن کو اس بارے میں سوچ کر ہی ٹھنڈے پسینے چھوٹنے لگتے ہیں وائٹ ہاؤس میں آٹھ اعلیٰ تعین افسروں کے توسط سے نہ صرف عنان اقتدار ان کے مکمل تصرف میں ہوتی بلکہ وہ حکومت کے ہر ادارے میں کلیدی عہدوں پر اپنے "ایجنٹ" متعین کر دیتے۔

نکسن سے خوفزدہ افراد کے لئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا۔ اور پھر اچانک جنوری 1973ء کے اواخر میں واٹر گیٹ کسی پکے ہوئے پھل کی طرح گر پڑا۔

ایک متبادل: نکسن کو بے بس حتیٰ کہ بے دست وپا کیا جا سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ انہیں ایسی مدافعانہ پوزیشن میں ڈال دیا جاتا کہ وہ حکومت کو مکمل

طور پر اپنے قبضہ میں لینے کے قابل ہی نہ رہتے۔

(ح) واشنگٹن میں اقتدار کے 4 بڑے گروپ موجود ہیں۔ اہمیت کے لحاظ سے ان کی ترتیب یوں ہے:

(1) اخبارات
(2) نوکرشاہی
(3) کانگریس
(4) خفیہ سروس

جنوری 1973ء میں ان میں سے ہر ایک کے سر پر صدر نکسن کا ہوا سوار تھا۔ صدر جو امریکی عوام میں مقبولیت کے عروج پر تھے' ان میں سے ہر ایک نے خصوصی شدت کے ساتھ رد عمل ظاہر کیا کیونکہ مقابلہ صدر نکسن سے تھا اور جنوری' فروری اور مارچ 1974ء میں انہیں وائٹ ہاؤس کے خلاف محاذ جنگ کھولے رکھنا تھا۔

میں (بھٹو) نہ تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر کی برابری کر رہا ہوں اور نہ ہی اپنے پسماندہ ملک کو ایک سپر طاقت کا ہم پلہ بتا رہا ہوں۔ واشنگٹن میں اقتدار کی چار بڑے بلاک ہیں تو اسلام آباد میں بھی اقتدار کے 4 بڑے بلاک موجود ہیں۔

(1) فوج
(2) نوکرشاہی
(3) بڑے تاجر
(4) سیاستدان

میرے خلاف سازش کا آغاز ہوا تو عوام میں میری مقبولیت اپنی انتہا پر تھی ابتداء میں پی این اے کی تحریک عوام کو اکسانے میں ناکام رہی۔ میں مارچ 1977ء کے انتخابات کے بعد حاصل شدہ اختیار تازہ کی قوت کے بل بوتے پر زبردست تنظیم نو اور اصلاحات کا پروگرام شروع کرنے والا تھا۔ یہ بات ہالڈمین کے الفاظ میں خفیہ سروس کو معلوم تھی۔ میری انتظامیہ میں بھی ایک "ڈیپ تھروٹ" موجود تھا جو خلفشار کے نازک دنوں میں ایک اردو اخبار کو "اندر کی

خبریں" فراہم کر رہا تھا یوں میں نے خفیہ سروس کے اداروں کو ذاتی اور سیاسی عزائم پورے کرنے کے لئے استعمال کیا!

ایوب خاں اور یحییٰ خاں نے خفیہ سروس کے اداروں کو کس طرح استعمال کیا تھا؟ یحییٰ خاں نے سیاستدانوں میں نفاق پیدا کرنے اور 1970ء کے انتخابات پر اثر انداز ہونے کی غرض سے خفیہ سروس کے اداروں سے پورا کام لیا۔ میں یہ سب جانتا ہوں اس لئے کہ تب میں فریق ثانی تھا۔ میری پارٹی پر خفیہ سروس کے اداروں کا شدید دباؤ رہتا تھا۔ 1970ء کے انتخابات کے بعد اور یحییٰ خاں کے مارشل لا کا خاتمہ ہونے تک سول و فوجی ہر دو قسم کے خفیہ سروس کے اداروں نے میری پارٹی میں گھسنے' منتخب نمائندوں پر اثر انداز ہونے اور انہیں بگاڑنے کی کوشش کی۔ جنوری 1972ء میں لندن روانگی سے قبل مجیب الرحمٰن نے مجھے بتایا کہ وہ مغربی پاکستان سے 4 افراد کو پکڑ کر پلٹن میدان میں پھانسی دینا چاہتے تھے۔ ان پانچ میں سے دو افراد خفیہ سروس کے سول اور فوجی اداروں سے متعلقہ تھے۔ مجیب الرحمٰن نے سیاسی شعبے میں ان کے کرتوت تفصیل سے بیان کئے۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہمارا تجربہ بھی اس سلسلے میں کچھ مختلف نہیں۔

ایوب خاں نے بھی سیاسی مقاصد کے لئے خفیہ سروس کے اداروں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے خفیہ سروس کے اداروں کی مدد سے ڈیموکریٹک ایکشن کمیٹی (ڈی اے سی) توڑنے کی کوشش کی۔ ایوب خاں نے خفیہ سروس کے ذریعے کوشش کی کہ میری پارٹی. قائم نہ ہو سکے۔ انہوں نے 30/ نومبر اور یکم دسمبر 1967ء کو میری پارٹی کے تاسیسی اجلاسوں کو سبوتاژ کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ میں حکومت کے خلاف جو تحریک چلا رہا تھا' اسے روکنے کے لئے ایوب خاں نے ان ہی خفیہ اداروں پر انحصار کیا۔ ایوب خاں نے خفیہ سروس کے اداروں کو کس طرح استعمال کیا؟ میں اس سلسلے میں تین مثالیں پیش کرتا ہوں:

(الف) 1965ء میں پاک بھارت جنگ شروع ہوئی تو ہماری فوجی خفیہ سروس' انڈین آرمرڈ ڈویژن کا سراغ لگانے میں ناکام ہو گئی۔ ایوب خاں اس پر تلملا اٹھے۔ انہوں نے انٹر سروسز انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل کو اپنے دفتر واقع راولپنڈی میں طلب کیا۔ بریگیڈئر ریاض حسین' جو بعد ازاں جنرل بنے اور یحییٰ خاں کے زمانے میں بلوچستان کے گورنر بھی رہے' اس وقت آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔ بحیثیت وزیر خارجہ میں بھی وہاں موجود تھا۔ ایوب خاں نے

ریاض حسین کو بری طرح لتاڑا۔ انہوں نے کہا کہ ملٹری انٹیلی جینس نے ملک کا نام ڈبو دیا ہے۔ میں نے ریاض حسین سے کہا کہ انڈین آرمرڈ ڈویژن کوئی بھوسے میں گری ہوئی سوئی تو نہیں جس پر ایوب خاں نے برجستہ لقمہ دیا کہ "سوئی نہیں وہ تو عفریت ہے۔" ایوب خاں مسلسل ریاض حسین سے اس بات کا سبب معلوم کرتے رہے کہ وہ انڈین آرمرڈ ڈویژن کا سراغ کیوں نہیں لگا سکے اور آخر انٹیلی جنس سروس کا اتنا پتلا حال کیوں ہو گیا ہے؟ آخر بریگیڈیئر ریاض حسین نے کپکپاتے لہجے میں جواب دیا "سر! ملٹری انٹیلی جینس کو تو جون 1964ء سے انتخابات اور انتخابات کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال سے نمٹنے کی سیاسی ذمہ داریاں سونپی جا رہی ہیں۔" بہر حال دو دن بعد ہم نے انٹیلی جینس سروس کی کوشش سے نہیں بلکہ اتفاقاً انڈین آرمرڈ ڈویژن کا سراغ لگا لیا۔ ایک مجاہد نے جموں میں ایک بھارتی ہرکارے کو گولی کا نشانہ بنایا۔ اس بھارتی ہرکارے سے جو کاغذات برآمد ہوئے اس سے ہمیں مطلوبہ معلومات مل گئیں۔ 1964ء میں ایوب خاں کی خصوصی ہدایات پر انٹیلی جینس کے اداروں نے ایسے حالات پیدا کئے کہ جنرل اعظم خاں مخالف صدارتی امیدوار نہ بن سکیں۔

(ج) نومبر 1964ء کے شروع میں میرے ایک بہت گہرے دوست اور مشرقی پاکستان کے ممتاز سیاستدان ملاقات کے لئے کراچی میں میری رہائش گاہ پر آئے۔ وہ متحدہ حزب اختلاف کے بھی سرکردہ رہنما تھے۔ شام کا کھانا کھانے کے بعد بوقت رخصت انہوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو مزید سکیڑ کر کہا کہ پاکستان کے ایک سابق وزیر اعظم مہینہ بھر میں ایک ایسا دھماکہ کرنے والے ہیں جو ایوب خاں اور ہم سب کا تیاپانچا کر کے رکھ دے گا۔

میں نے ان کی بات کو محض ہوائی سمجھتے ہوئے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ نہ کیا تو وہ کہنے لگے "سنو دوست! میں زیادہ تفصیل تو نہیں جانتا مگر اس کا تعلق کسی ٹیلی گرام سے ہے جو ایوب خاں نے صدر ناصر کے بارے میں واشنگٹن سے اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان کو بھیجا تھا۔" (تب ایوب خاں فوج کے کمانڈر انچیف تھے) میں نے راولپنڈی آکر صدر ایوب خاں سے تذکرہ کیا تو وہ کسی سوچ میں پڑ گئے۔ لمحہ بھر وہ چھت کو گھورتے رہے اور پھر میز سے قینچی اٹھا کر گویا ہوئے "مگر یہ تو بہت پرانی بات ہے۔ اور ٹھیک سے یاد بھی نہیں کہ میں نے کیا لکھا تھا۔" پھر کہنے لگے "اور وہ تو سرکولیشن ٹیلی گرام تھا" انہوں نے مزید بتایا کہ سفارتخانے

کے ریکارڈ کی کاپی وہیں واشنگٹن کے پاکستانی سفارتخانے ہی میں نذر آتش کردی گئی تھی۔ اور پاکستان واپس آکر انہوں نے وزارت خارجہ کی کاپی اور دیگر دو کاپیاں بھی اپنے سامنے ضائع کروا دی تھیں۔"

میں نے جواب دیا کہ بڑے میاں وزارت عظمیٰ سے علیحدگی کے بعد غالباً سائفر کاپی ساتھ لے گئے ہونگے۔ میں نے یہ رائے بھی دی کہ اگر انہیں سائفر کاپیوں کے بارے میں کچھ علم ہو تو یاد کریں کہ انہوں نے کیا لکھا تھا۔ ایوب خاں نے جواب دیا کہ اہم ترین معاملہ اس وقت اس ٹیلی گرام کا حصول ہے۔ انہوں نے انٹر کام کا بٹن دبایا اور اپنے ملٹری سیکریٹری سے کہا "نوازش! براہ کرم ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو اور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی سے کہیں کہ وہ فوراً یہاں آجائیں" آدھے گھنٹے کے اندر اندر دونوں صدر کے دفتر میں موجود تھے۔ ایوب خاں نے انہیں ساری کہانی سنائی اور پھر آگے کی جانب جھکتے ہوئے کہا "جنٹلمین مجھے وہ بیہودہ ٹیلی گرام واپس چاہیے۔ خواہ اس کے لئے فورٹ ناکس کا تمام سونا دینا پڑے۔" کوئی 20/ دن بعد ایوب خان کے اے ڈی سی نے مجھ سے کہا کہ صدر صاحب نے آپ کو فوراً طلب کیا ہے۔ میں ایوب خاں کے دفتر میں داخل ہوا تو ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ انہوں نے سائفر ٹیلی گرام لہرایا اور مجھے تھما دیا۔ ٹیلی گرام پڑھنے کے بعد میں نے کہا "مسٹر پریذیڈنٹ میری انگلیاں جلنے لگی ہیں۔ براہ کرم اس دستاویز کو فوراً جلا دیں۔ ایوب خاں سگریٹ نوشی ترک کر چکے تھے۔ میں سگار پیتا تھا لیکن ماچس یا لائٹر نہیں رکھتا تھا میں نے میز پر رکھے ہوئے نقرئی سگریٹ باکس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بڑے ادب کے ساتھ ماچس ایوب خان کی طرف بڑھا دی۔ خفیہ سروس کے اوارے نے بڑا عمدہ سیاسی کام کیا تھا۔ لیکن یہ صدر کا ذاتی کام تھا۔ اور انتخابات میں ان کا جو کچھ داؤ پر لگا تھا اس کو بچانے کے لئے یہ کام انجام دیا گیا تھا۔

میں مزید مثالیں دے سکتا ہوں لیکن میرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ میرے دور میں خفیہ سروس کے اداروں سے دھوکے بازی سے وہ کام نہیں لئے گئے جو مارشلائی آمر لیتے رہتے تھے۔"

ضیاء الحق کے دور حکومت میں خفیہ اداروں کا سیاسی استعمال

ضیاء الحق نے 5/ جولائی 1977ء کو مارشل لا کے نفاذ سے لے کر 17/ اگست 1988ء تک خفیہ سروس کے اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ وہ 11/ برس تک خفیہ سروس کے اداروں کے ذریعے سیاستدانوں کو بے وقوف بناتے رہے۔ ضیاء الحق نے ملٹری انٹیلی جینس کو بھی سیاسی مقاصد کے لئے بے دریغ استعمال کیا۔ ضیاء دور حکومت میں ملٹری انٹیلی جینس' آئی ایس آئی' انٹیلی جینس بیورو' سپیشل برانچ' سی آئی اے اور فوج کے دیگر ادارے سیاستدانوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہر سیاسی رہنما کے فائیل بنوا رکھے تھے۔ ان فائیلوں میں متعلقہ سیاستدان سے سرزد ہونے والے جرائم سے لے کر اس کی شخصی کمزوریوں تک ٹھوس دستاویزی ثبوت کے ساتھ مواد موجود تھا۔ اس کے علاوہ ضیاء الحق نے سیاستدانوں کے معاشقوں اور رنگین مزاج سیاستدانوں کی "راتوں کی مصروفیات" کے حوالے سے آڈیو اور وڈیو کیسٹ بھی تیار کروا رکھے تھے۔ سوائے چند ایک سیاستدانوں کے کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ضیاء الحق کی مخالفت کرتے۔ کیونکہ بھٹو دور حکومت میں پیپلز پارٹی سے منسلک سیاستدانوں کی اکثریت سے غلطیاں سرزد ہو چکی تھیں۔ ضیاء الحق کی حکمت عملی کی وجہ سے پیپلز پارٹی کے متعدد اہم رہنما سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور ان میں سے کئی تو حکومت میں بھی شامل ہو گئے۔ اس کے علاوہ دوسری سیاسی اور مذہبی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے سیاستدانوں کو بھی ضیاء الحق نے باری باری شرف ملاقات بخش کو ان کو اپنی حمایت پر مجبور کرنا

شروع کر دیا۔ جو سیاستدان سیدھے طریقے سے نہ مانتا اس کو اس کے خلاف موجود مواد سے آگاہ کر دیا جاتا۔ اسی لئے تو ضیاء الحق نے ایک دفعہ برملا کہا تھا کہ میں جب چاہوں گا سیاستدان دم ہلاتے ہوئے میرے پاس چلے آئیں گے۔ ضیاء الحق نے اتنی بڑی بات ایسے ہی نہیں کہہ دی تھی۔ بلکہ اس کو اپنے دعوے کی صداقت پر یقین تھا۔

تاہم ضیاء الحق نے ایک ظلم یہ کیا کہ اس نے خفیہ سروس کے اداروں کو قومی حیثیت کے سیاستدانوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ کونسلروں کی نگرانی پر بھی لگا دیا۔ بلدیاتی انتخابات کے حوالے سے خفیہ سروس کے اداروں' خصوصاً انٹیلی جینس بیورو اور سپیشل برانچ کا بہت زیادہ استعمال کیا گیا۔ 1985ء کے انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومت بھی ضیاء الحق کے زیر اثر خفیہ سروس کے اداروں کے ظلم کا نشانہ بنی۔ چونکہ ضیاء الحق کا تعلق فوج سے تھا اور آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس فوج کی نگرانی میں کام کر رہی تھی اس لئے محمد خان جونیجو نے پہلی فرصت میں یہ کوشش کی کہ انہوں نے آئی ایس آئی میں اپنے آدمی شامل کرنا شروع کر دیئے اور ضد کر کے آئی ایس آئی کے سربراہ اختر عبدالرحمن کو تبدیل کروا دیا۔ اسی دوران محمد خان جونیجو نے جنرل حمید گل سے ملاقات کر کے انہیں آئی ایس آئی کا سربراہ بنانے کی پیش کش کی۔ ایک طرف محمد خان جونیجو نے آئی ایس آئی میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش کی تو دوسری طرف انہوں نے انٹیلی جینس بیورو کو جو سول حکومت کے ماتحت کام کرنے والا ادارہ ہے' مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں کرنے کے لئے حکمت عملی وضع کر لی۔ چنانچہ ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ دو خفیہ سروس کے ادارے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو گئے۔ چونکہ محمد خان جونیجو کا انٹیلی جینس بیورو کے اوپر کنٹرول قائم ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے اس ادارے کے ذریعے ضیاء الحق کی بھی نگرانی شروع کروا دی۔

اب صورتحال یہ تھی کہ ایک طرف ضیاء الحق نے محمد خان جونیجو سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کوششیں شروع کر رکھی تھیں تو دوسری طرف محمد خان جونیجو نے ضیاء الحق کو فوج سے فارغ کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ مئی 1988ء کو جب ضیاء الحق کی بطور چیف آف دی آرمی سٹاف ملازمت میں توسیع کے لئے فائل محمد خاں جونیجو کے پاس پہنچی تو جونیجو نے اسے سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دوسری طرف ضیاء الحق کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جونیجو ایسی حرکت کریں گے۔ محمد خاں جونیجو اوجڑی کیمپ سانحہ کے متعلق تیار کی جانے والی رپورٹ کو منظر عام پر لانے کا فیصلہ کر چکے تھے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے قومی

اسمبلی کے اندر سانحہ اوجڑی کیمپ کی رپورٹ پیش کرنا تھی۔ جبکہ اس کے ساتھ ہی محمد خاں جونیجو یہ فیصلہ بھی کر چکے تھے کہ وہ ضیاء الحق کی بطور چیف آف دی آرمی سٹاف ملازمت میں مزید 2 برس کی توسیع کا معاملہ قومی اسمبلی کے اندر پیش کریں گے اور قومی اسمبلی کی ایک خصوصی کمیٹی قائم کر کے اس امر کا جائزہ لیا جائے گا کہ کیا ضیاء الحق کی ملازمت میں توسیع کی جائے یا نہیں۔ محمد خان جونیجو سے غلطی یہ سرزد ہوئی کہ انہوں نے یہ بات اپنے چند ایک قریبی ساتھیوں سے بھی کر دی اور یہ بات اڑتے اڑتے آئی ایس آئی کے ذریعے ضیاء الحق تک بھی پہنچ گئی اور اس سے قبل کہ ضیاء الحق کو کوئی نقصان پہنچتا' انہوں نے محمد خاں جونیجو کی حکومت ختم کر کے نئے انتخابات کروانے کا اعلان کر دیا۔ محمد خاں جونیجو کی حکومت ختم کرنے کے لئے ضیاء الحق نے باقاعدہ چارج شیٹ تیار کی۔ اس مقصد کے لئے آئی ایس آئی' انٹیلی جینس بیورو اور ملٹری انٹیلی جینس کے پولٹیکل سیل کو بھی استعمال کیا گیا ان دنوں چونکہ محمد خاں جونیجو نے آئی ایس آئی کے معاملات میں مداخلت شروع کر دی تھی اس لئے ضیاء الحق نے "مجبوراً" سیاستدانوں کی جاسوسی کا فرض ملٹری انٹیلی جینس کے حوالے کر دیا تھا۔ تاہم بدقسمتی سے ضیاء الحق کو 1988ء میں انتخابات کروانے کا موقع نہ مل سکا اور 17 اگست 1988ء کو وہ بہاولپور کے قریب سی-130 طیارے کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔

17/ اگست 1988ء کو جب ضیاء الحق کا طیارہ تباہ ہوا تو فوج سیاسی عمل میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی لئے مرزا اسلم بیگ نے چیف آف دی آرمی سٹاف کا عہدہ سنبھالا اور چیرمین سینٹ غلام اسحاق خان کو قائم مقام صدر بنوا دیا۔ بعد ازاں صدر غلام اسحاق خاں نے پیپلز پارٹی کی شریک چیئرپرسن بے نظیر بھٹو کو' جو اقتدار میں آنے کے لئے انتہائی بے چین تھیں بلیک میل کر کے خود کو صدر بنوا لیا۔

1988ء کے انتخابات کے بعد آئی ایس آئی نے بھرپور طریقے سے کوشش کی تھی کہ میاں نواز شریف کو وزیر اعظم بنوا دیا جائے۔ تاہم جب آئی ایس آئی کے سربراہ حمید گل نے دیکھا کہ نواز شریف مطلوبہ تعداد میں ارکان اسمبلی کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تو انہوں نے غلام اسحاق خاں کو مشورہ دیا کہ پیپلز پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دے دی جائے۔ تاہم اس کے باوجود صدر نے نوابزادہ نصراللہ خاں اور چند ایک دوسرے سیاستدانوں سے مشورہ طلب کیا کہ انہیں موجودہ حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ جس پر نوابزادہ نصراللہ خاں نے غلام اسحاق خاں سے کہا کہ اس سوال کا جواب تو ایک پرائمری کا طالبعلم بھی

دے سکتا ہے کہ آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ کیونکہ پی پی پی کے پاس 93 اور اسلامی جمہوری اتحاد کے پاس 59 ووٹ ہیں۔ نوابزادہ نصراللہ خاں نے نواز شریف کی طرف سے نومنتخب ارکان قومی اسمبلی کو خریدنے کے ضمن میں کی جانے والی کاوشوں کے حوالے سے صدر کو سرائیکی زبان کی ایک کہاوت سنائی جس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی شخص بھی ترازو میں 5 کلو مینڈک نہیں تول سکتا کیونکہ مینڈک پھدک کر ترازو سے اتر جائیں گے۔

ضیاء الحق کی موت کے بعد خفیہ سروس کے اداروں کا سیاسی کردار

صدر ضیاء الحق کے سی - 130 طیارے کے حادثے میں انتقال کے بعد چیف آف دی آرمی سٹاف مرزا اسلم بیگ نے کور کمانڈروں کا ایک انتہائی اہم اجلاس بلا کر فیصلہ کیا کہ فوج سیاست سے دور رہے گی۔ اور صدر ضیاء الحق کی جانب سے کئے جانے والے وعدے کے مطابق عام انتخابات کروائے جائیں گے۔ اسی دوران محمد خان جونیجو نے اپنی حکومت کی معطلی کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ دائر کر دی۔ چونکہ ضیاء الحق نے محمد خاں جونیجو کی حکومت کو بدنیتی سے ختم کیا تھا اس لئے کہا جاتا ہے کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، جسٹس عبدالحلیم نے جونیجو حکومت کی بحالی کا فیصلہ کر لیا۔ اگر محمد خاں جونیجو کی حکومت بحال ہو جاتی تو وہ یقینی طور پر صدر غلام اسحاق خان کو ہٹا دیتے کیونکہ جونیجو ان سے خوش نہ تھے۔ تاہم مرزا اسلم بیگ کے مطابق انہوں نے انتخابات کو شیڈول کے مطابق منعقد کروانے کے لئے حتمی فیصلہ کر لیا اور انہوں نے صدر غلام اسحاق خاں پر واضح کر دیا کہ فوج طے شدہ پروگرام کے مطابق انتخابات کروانا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں مرزا اسلم بیگ نے وسیم سجاد کے ذریعے سپریم کورٹ آف پاکستان کو ایک انتہائی اہم پیغام بھیجا جس میں عدلیہ کو کہا گیا تھا کہ جونیجو حکومت کو بحال نہ کیا جائے۔ آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس نے اس دوران مرزا اسلم بیگ کو آگاہ کر دیا تھا کہ سپریم کورٹ ممکن ہے کہ جونیجو حکومت بحال کر دے کیونکہ جونیجو حکومت میں شامل وزیروں

اور ارکان اسمبلی نے اپنے انتخابی حلقوں میں کھلے عام یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے کہ ان کی حکومت بحال ہو رہی ہے۔ مرزا اسلم بیگ چونکہ قوم سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ اعلان شدہ شیڈول کے مطابق انتخابات کروائیں گے اس لئے انہوں نے وسیم سجاد کے ذریعے سپریم کورٹ کے ججوں کو آگاہ کیا کہ اگر جونیجو حکومت بحال کی گئی تو وہ اس فیصلے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ مرزا اسلم بیگ کا اشارہ مارشل لا کے نفاذ کی طرف تھا۔ مرزا اسلم بیگ نے مذکورہ بیان لاہور پریس کلب کے میٹ دی پریس پروگرام میں خطاب کے دوران دیا تھا۔ چونکہ راقم الحروف خود بھی لاہور پریس کلب کی گورننگ باڈی میں شامل تھا۔ مرزا اسلم بیگ جب اپنی بات مکمل کر چکے تو پریس کلب کے صدر ناصر نقوی' جنرل سیکریٹری فیاض الرحمن اور چند دوسرے صحافیوں نے مرزا صاحب کی توجہ ان کے بیان کی طرف دلائی اور ان سے کہا کہ آپ کا یہ بیان توہین عدالت کے زمرے میں آسکتا ہے۔ تاہم مرزا اسلم بیگ اپنے بیان پر ڈٹے رہے۔ اور ان کا کہنا تھا کہ اگر سپریم کورٹ نے مجھے عدالت میں طلب کیا تو میں اپنا موقف ڈٹ کر بیان کروں گا۔ بہرحال 1980ء میں سپریم کورٹ نے جو فیصلہ دیا اس میں جونیجو حکومت کی معطلی کو خلاف قانون تو قرار دے دیا مگر طے شدہ الیکشن شیڈول کے مطابق انتخابات کروانے کی منظوری دے دی۔

اسی دوران آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل حمید گل نے اسلامی جمہوری اتحاد کے نام سے ایک نیا سیاسی اتحاد قائم کروا دیا۔ جنرل گل حمید نے 29/ مئی 1988ء کو جونیجو حکومت کے فوراً بعد اسلامی جمہوری اتحاد کے قیام کو یقینی بنانے کے لئے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ تاہم جماعت اسلامی کی طرف سے بروقت مثبت جواب نہ ملنے کی وجہ سے اس کے قیام میں چند ہفتوں کی تاخیر ہو گئی۔ اور پھر جنرل حمید گل نے ہی جماعت اسلامی کو اسلامی جمہوری اتحاد میں شامل ہونے پر آمادہ کیا۔ اس دوران حمید گل کا امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد کے ساتھ رابطہ قائم رہا۔ جنرل حمید گل کا کہنا ہے کہ انہوں نے اسلامی جمہوری اتحاد اس لئے قائم کروایا تھا کہ ضیاء الحق انتخابات کے پروگرام کو ماضی کی طرح التوا میں نہ ڈالیں اور الیکشن جماعتی بنیادوں پر ہوں۔ اگر اسلامی جمہوری اتحاد قائم نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ ملک میں اتنی جلدی الیکشن نہ ہوتے۔ ایک طرف تو آئی ایس آئی نے اسلامی جمہوری اتحاد قائم کروا دیا لیکن دوسری طرف جنرل حمید گل نے کوشش کی کہ پیپلز پارٹی کسی سیاسی اتحاد کے قیام میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو نے یہ حکمت عملی وضع کی کہ ایم آر ڈی میں

شامل جماعتوں کے بعض رہنماؤں کے ذریعے پی پی پی کی شریک چیئرپرسن بے نظیر بھٹو سے اتنی سیٹوں کا مطالبہ کروا دیا جسے پورا کرنا پی پی کے بس میں نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری طرف پیپلز پارٹی کے اندر ایسے افراد شامل کر دئیے گئے جنہوں نے نئے سیاسی اتحاد یا الیکشن الاؤنس کے قیام کے حوالے سے تمام تجاویز کو مسترد کر دیا اور یوں بے نظیر بھٹو کو خوشامدی و چاپلوسوں کے گروہ نے اس بات پر راضی کر لیا کہ پی پی کی انتخابات میں کامیابی یقینی ہے اس لئے ہمیں ایم آر ڈی میں شامل جماعتوں کو سیٹیں نہیں دینا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ جماعتیں کل ہماری دشمن بن جائیں اس طرح خفیہ اداروں کی جیت ہوئی اور پیپلز پارٹی نے تن تنہا میدان میں اترنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر پی پی سیاسی اتحاد قائم کرنے پر آمادہ ہو جاتی یا ایم آر ڈی کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑتی تو اسے مرکز اور صوبوں میں اتنی اکثریت حاصل ہو جاتی جتنی 1990ء کے انتخابات کے بعد اسلامی جمہوری اتحاد کو حاصل ہوئی۔

بہر حال خفیہ سروس کے اداروں نے 1988ء کے انتخابات سے قبل ہر ممکن طریقے سے اسلامی جمہوری اتحاد کو کامیاب کروانے کی کوشش کی۔ آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو نے آئی جے آئی کا بھرپور ساتھ دیا اور انتخابی مہم کے دوران بھٹو خاندان کی کردار کشی کرنے کی کوشش کی گئی۔ سپیشل برانچ بھی اس عمل میں کسی سے پیچھے نہ تھی۔ بیگم نصرت بھٹو کی ایسی تصاویر شائع کروائی گئیں جن میں وہ امریکی صدر کے ساتھ رقص یا شراب پینے میں مصروف نظر آئی تھیں۔ اسی طرح بے نظیر بھٹو اور ان کے شوہر کے درمیان اختلافات پیدا کئے گئے۔ بے نظیر بھٹو کے "سیکس سکینڈل" کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی۔ الذوالفقار کے سربراہ مرتضیٰ بھٹو کے حوالے سے اشتہار بازی کر کے بھٹو خاندان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ تاہم ان باتوں کے باوجود بے نظیر بھٹو کو قومی اسمبلی کے انتخابات میں سادہ اکثریت حاصل ہو گئی۔ جس پر راتوں رات "جاگ پنجابی جاگ" کا نعرہ لگوا کر صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کو کامیاب کروا دیا گیا۔ پنجاب میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے دن دھاندلی ہوئی اور اکثر ووٹروں کو یہ کہتے سنا گیا کہ ہمارا ووٹ پہلے ہی کوئی اور ڈال گیا ہے۔ اس سارے عمل میں خفیہ ادارے برابر کے شریک رہے۔

چونکہ 1988ء کے انتخابات سے قبل جنرل حمید گل کے میاں نواز شریف کے ساتھ روابط استوار ہو چکے تھے اور بریگیڈیئر امتیاز بھی میاں صاحب کا ساتھ دے رہے تھے اس لئے بے نظیر بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد دونوں کو فارغ کر دیا۔ 1988ء کے انتخابات کے نتائج

جب سامنے آئے تو جنرل حمید گل نے صدر غلام اسحاق خاں سے ملاقات کر کے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ بے نظیر بھٹو کو وزیر اعظم بننے دیں۔ تاہم بے نظیر بھٹو اقتدار میں آنے کے لئے اس قدر بے چین تھیں کہ وہ صدر غلام اسحاق خان کے ہاتھوں بلیک میل ہو گئیں۔

ملٹری انٹیلی جینس کا سیاسی کردار

ملٹری انٹیلی جینس (ایم آئی) بھی ہمیں قیام پاکستان کے وقت انگریزوں سے وارثت میں ملی۔ برطانوی دور حکومت میں ملٹری انٹیلی جینس نے حکومت کو مضبوط بنانے میں ایک نہایت اہم کردار ادا کیا کیونکہ ہندوستان کی فوج میں زیادہ تر مسلمان' ہندو' سکھ اور دیگر مذاہب و فرقوں سے تعلق رکھنے والے شامل تھے۔ فوج میں انگریز افسروں کی تعداد تو بہت زیادہ تھی لیکن نچلی سطح پر بھاری اکثریت ہندوستانیوں کی تھی' یعنی وہ لوگ جن کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے شکست دے کر اپنا محکوم بنا رکھا تھا۔ اس لئے وائسرائے ہند کی طرف سے مسلح افواج کے ہر انگریز سربراہ کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ فوج کے اندر امن و امان کے قیام کو یقینی بنائیں تاکہ فوج میں بغاوت نہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر فوج برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کر دیتی تو انگریزوں کے لئے انتہائی سخت مشکلات پیدا ہو جاتیں۔

اس ممکنہ خطرے سے بچنے کے لئے وائسرائے ہند نے فوج کے سب سے اہم خفیہ ادارے ملٹری انٹیلی جینس کو ایک مخصوص سیاسی کردار دیا۔ چنانچہ ملٹری انٹیلی جینس میں ایک پولٹیکل ونگ قائم کر دیا گیا جس کا مقصد اس بات کا پتہ چلانا تھا کہ ہندوستانی فوجیوں میں سے کن کن کا تعلق کانگریس' مسلم لیگ اور حریت پسندوں کی دیگر تنظیموں کے ساتھ۔ اس کے علاوہ ملٹری انٹیلی جینس کو اہم ترین فریضہ یہ بھی دیا گیا کہ وہ اس بات کا پتہ چلائے کہ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف حریت پسندوں کا کس کس بیرونی طاقت کے ساتھ رابطہ ہے۔ برطانوی دور حکومت میں بے شمار لوگوں کو فوج سے محض اس الزام پر نکال دیا گیا کہ ان کے

رشتہ داروں' دوستوں یا عزیزوں نے حکومت کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا تھا جبکہ ہزاروں افراد کا کورٹ مارشل کر کے انہیں لمبی مدت کی سزائیں دی گئیں۔ سینکڑوں ہندوستانی فوجیوں کو موت کی سزا سنائی گئی۔ لیکن اس کے باوجود فوج میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ کم نہ ہوا۔ ہندوستانی سپاہ اس بات کی منتظر رہی کہ کب اس کو موقع ملے اور یہ انگریزوں سے کب چھٹکارا حاصل کرے۔ لیکن ہر دور کی طرح اس مرتبہ بھی میر صادق اور میر جعفر جیسے افراد انگریزوں کے پٹھو بن گئے۔ اور انہوں نے انگریزوں کے اقتدار کو مضبوط بنانے میں ایک نہایت گھٹیا کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ملٹری انٹیلی جینس کے اہلکار بھیس بدل کر فوج اور حکومت کے خلاف ہونے والی سازشوں کا پتہ چلانے میں مصروف رہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود دنیا نے دیکھا کہ ہندوستانی فوج کو جہاں بھی موقع ملا' اس نے برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کی۔ خصوصی طور پر 1857ء کی جنگ آزادی سے قبل اور بعد میں انگریزوں کو مسلمان افواج کے ہاتھوں سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ خواہ معاملہ سئور کی چربی سے بنے ہوئے کارتوس چلانے کا ہو یا کوئی اور' مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت ہمیشہ بلند رکھا۔ تاہم بعض غداروں کی وجہ سے انگریزوں کو برصغیر پاک و ہند سے نکالنے میں 50 برس کی تاخیر ضرور ہو گئی۔

قیام پاکستان کے بعد ملٹری انٹیلی جینس کو جو فریضہ سونپا گیا اس میں سرفہرست ملکی سرحدوں کا دفاع اور دشمن کے دفاعی منصوبوں کا توڑ نکالنا تھا چونکہ ہندوستان نے پاکستان بننے کے فوراً بعد ہی ہمارے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا' اس لئے ملٹری انٹیلی جینس کو پہلی مرتبہ حکومت کی طرف سے جو سیاسی کام دیا گیا وہ یہ تھا کہ اس بات کا پتہ چلایا جائے کہ کہیں کوئی کمیونسٹ یا کانگریس نواز شخص فوج میں انتشار پھیلانے کی سازش تو نہیں کر رہا۔ چونکہ غفار خاں اور مولانا مودودی کے چاہنے والوں کی بھی ایک مخصوص تعداد افواج میں موجود تھی' اس لئے ملٹری انٹیلی جینس اور تینوں مسلح افواج کے خفیہ اداروں کو دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ ایک کام یہ بھی سونپا گیا کہ وہ اس چیز کا پتہ چلائیں کہ جن لوگوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی' کیا وہ فوج میں رہتے ہوئے اپنے موقف پہ قائم ہیں یا انہوں نے پاکستان کو دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ اس چیز کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ افواج پاکستان ہمارا سب سے اہم ادارہ ہے۔ اگر کوئی دوسرا ادارہ ملک کے خلاف بغاوت کرے تو ہم حتمی اقدام کے طور پر فوج کی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ تاہم اگر فوج ہی ملک کی دشمن بن جائے تو پھر اس کے خلاف کس سے مدد لی

جائے۔ چنانچہ ملٹری انٹیلی جینس کی رپورٹ پر فوج کے قوانین کے مطابق متعدد ایسے افراد کے خلاف کاروائی کی گئی جو فوج میں رہتے ہوئے تاج برطانیہ یا ہندوستان سے "وفا" نبھا رہے تھے۔ لیکن ایسے افراد کی چونکہ تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی' اس لئے اس مشن کی انجام دہی میں ملٹری انٹیلی جینس کو کوئی قابل ذکر مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا اور جن لوگوں کو فوج سے نکالا گیا' انہوں نے زندگی کے باقی دن اس حقیقت کو تسلیم کر کے پورے کر لئے کہ ان کے دل میں وطن کے خلاف آنے والا خیال بھی ملٹری انٹیلی جینس تک پہنچ سکتا ہے' اور اس صورت میں ان کا جو انجام ہوتا تھا اس سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔

ملٹری انٹیلی جینس نے قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں کوئی قابل ذکر سیاسی کردار ادا نہ کیا۔ البتہ فوج کے اس خفیہ ادارے کے پاس تمام سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں کا ریکارڈ ضرور موجود تھا۔ تاکہ اسے بوقت ضرورت استعمال کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ ملٹری انٹیلی جینس سیاستدانوں اور سیاسی جماعتوں کا اپنے پاس ریکارڈ اس لئے بھی رکھتی تھی کہ اس ادارے کے اہلکار سیاسی جماعتوں میں گھس چکے تھے اور ان کی طرف سے ملکی سلامتی اور سیاستدانوں کی مصروفیات کے متعلق فراہم کی جانے والی تجزیاتی رپورٹوں کے مطابق مناسب فیصلے کئے جاتے تھے۔ قائداعظم کی وفات کے بعد جب ملک سیاسی انتشار سے دوچار ہوا تو ملٹری انٹیلی جینس نے بھی اپنا دائرہ کار بڑھا دیا۔ مسلح افواج کے اس اہم ترین ادارے نے سیاسی موسم کے اتار چڑھاؤ کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف فوج کے بعض اعلیٰ حکام کی 1950ء کے شروع میں سیاستدانوں کے ساتھ راہ و رسم بڑھنا شروع ہو گئی۔ اس لئے فوج کے جرنیلوں اور اعلیٰ آفیسروں کے سیاستدانوں کے ساتھ روابط کا ریکارڈ محفوظ کرنا بھی بے حد ضروری تھا۔ بعض سیاستدانوں نے تو 1950ء کے آغاز میں ہی' یعنی پاکستان بننے کے صرف تین برس بعد فوج کو مارشل لا لگانے کی دعوت دے ڈالی تھی۔ تاہم فوج کی اعلیٰ قیادت نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ اس وقت کی سیکریٹری دفاع اسکندر مرزا کے سیاستدانوں کے ایک ایسے گروپ کے ساتھ روابط تھے جو انہیں مارشل لا لگوانے کا مشورہ دے چکا تھا۔ میجر جنرل اسکندر مرزا کی 1950 میں ہی مسند اقتدار پر بیٹھنے کی خواہش تھی تاہم یہ عہدہ حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ایک نہایت شاندار منصوبہ بندی کی۔ اسکندر مرزا نے فیلڈ مارشل ایوب خاں سے رابطہ قائم کر کے فوج کے بعض مخصوص جرنیلوں کو مارشل لاء لگانے کے لئے ہوم ورک مکمل کرنے کی طرف لگا دیا۔ اسکندر مرزا نے چند برس تک ایوب خاں کے تعاون سے حکومتوں کو بنوانے اور تڑوانے کا سلسلہ جاری

رکھا اور آخر کار ایک دن وہ ایوب خاں کو فوج کا سربراہ بنا کر خود اقتدار میں آنے میں کامیاب ہو گئے۔

1950ء سے 1958ء کے دوران ملٹری انٹیلی جینس کا سیاست میں عمل دخل انتہا تک پہنچا۔ 1958ء میں جب ایوب خاں نے مارشل لا لگایا تو اس اقدام سے قبل انہوں نے ملٹری انٹیلی جینس سے بھی ہر ممکن مدد حاصل کی تھی۔ ایوب خاں نے بحیثیت کمانڈر انچیف سب سے پہلے ملٹری انٹیلی جینس کو میدان سیاست میں اتارا۔ انہوں نے 1957ء کے شروع میں مارشل لا لگانا تھا۔ تاہم بعض مصلحتوں کی وجہ سے انہیں اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے ایک برس انتظار کرنا پڑا۔

اسکندر مرزا نے اقتدار پر قبضہ کرنے کی سب سے پہلی کوشش 1951ء میں اس وقت کی تھی جب خاں آف قلات کے ساتھ انہوں نے رابطہ قائم کر کے وہاں فسادات کروائے تھے۔ فوج نے قلات پر 1948ء میں حملہ کیا تھا۔ حالانکہ قائداعظم اس سے قبل خاں آف قلات کو یقین دلا چکے تھے۔ کہ قلات ایک خود مختار اور آزاد ریاست ہو گی۔ بہرحال ایوب خاں اور اسکندر مرزا کے درمیان بڑھتے ہوئے تعلقات قلات میں ہنگامہ آرائی کا موجب بنے۔ اور یوں بلوچستان اور فوج کے درمیان متعدد مواقع پر جنگ ہوئی۔ ملٹری انٹیلی جینس نے اس دوران پس پردہ کرداروں کا پتہ چلا لیا تھا جو بلوچستان اور فوج کے درمیان تصادم جاری رکھنے کے خواہش مند تھے تاکہ ملک میں سیاسی حالات خراب ہو جائیں اور آمروں کے ایک ٹولے کو اپنی من پسند کی حکومتیں بنانے اور تڑوانے کا موقع مل جائے۔ ملٹری انٹیلی جینس نے جولائی 1948ء میں ہی فوج کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ سیاستدانوں کا ایک گروپ بلوچوں کو افواج پاکستان سے متنفر کرنے کی سازش میں مصروف ہے۔ اور انہیں اس سلسلے میں بعض بیورو کریٹس کا بھی تعاون حاصل ہے۔ 1955ء میں مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو ون یونٹ میں مدغم کرنے کا فیصلہ بھی ملٹری انٹیلی جینس کے پاس اس وقت ہی پہنچ گیا تھا جب یہ تجویز کے مرحلے میں سے گزر رہا تھا۔ اسکندر مرزا اس تجویز کے روح رواں تھے۔

1958ء میں جب فوج نے ایوب خاں کی کمانڈ میں اقتدار پر قبضہ کیا تو اسکندر مرزا کو باعزت طریقے سے گھر واپس بھیج دیا گیا۔ مارشل لا کے نفاذ کی منصوبہ بندی میں ملٹری انٹیلی جینس برابر کی شریک تھی۔ اس لئے بعد ازاں جب ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کیا تو انہوں نے ایوب خاں کے ان اقدامات کی پیروی کی جو انہوں نے

1958ء میں مارشل لا لگانے سے قبل کیے تھے۔

ایوب خاں 1958ء میں مارشل لا لگانے کے بعد ملٹری انٹیلی جینس کو باقاعدہ طور پر سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے فوج کے اس خفیہ سروس کے ادارے کا پہلی مرتبہ وسیع پیمانے پر غلط استعمال ایوب خاں کے دور حکومت میں شروع ہوا۔ جنہوں نے سیاستدانوں کے ٹیلی فون ٹیپ کروائے' مخالف اور حامی سیاستدانوں میں کسی قسم کا فرق کیے بغیر ان کی جاسوسی کروائی گئی تمام اہم فیصلوں میں ملٹری انٹیلی جینس کو بھی شریک کیا گیا۔ لیکن جب ایوب خاں کے خلاف عوامی رد عمل کا آغاز ہوا تو کوئی خفیہ ادارہ' بشمول ملٹری انٹیلی جینس ایوب خاں کے زوال کو نہ روک سکا۔

ایوب خاں کے بعد یحیٰی خان نے ملٹری انٹیلی جینس کے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کی روایات کو جاری رکھا۔ سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد بھٹو جب سویلین مارشل لا ایڈ منسٹریٹر بنے تو انہوں نے بھی دیگر خفیہ اداروں کی طرح ملٹری انٹیلی جینس کو بھی سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ کمال کی بات تو یہ ہے کہ ملٹری انٹیلی جینس کے ذرائع نے ضیاء الحق کے ممکنہ عزائم کے بارے میں بھٹو کو جون 1977ء میں ہی آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن بھٹو نے ضیاء الحق کے خلاف فیصلہ کرنے میں تاخیر کر دی۔ قبل ازیں جب ٹکا خاں کی ریٹائرمنٹ کے بعد فوج کے لئے سربراہ کے تقرر کا مسئلہ در پیش ہوا تو بھٹو نے ملٹری انٹیلی جینس کی مخالفت کے باوجود ضیاء الحق کو فوج کا سربراہ بنا دیا۔ ضیاء الحق کو فوج کا سربراہ بنانے کے لئے ملٹری انٹیلی جینس سمیت فوج کے کسی بھی خفیہ ادارے نے سفارش نہیں کی تھی۔ سینیارٹی کے لحاظ سے ضیاء الحق کا نمبر 10 تھا۔ لیکن بھٹو جو اپنے فیصلے خود کرنے کی روایت پر ہمیشہ کار بند رہے' فوج کے سربراہ کی تعیناتی کے معاملے میں اپنی زندگی کی فاش غلطی کر گئے۔ اور جس شخص کے سینے پر انہوں نے میڈل لگائے اور اسے فوج کا سربراہ بنایا' اسی شخص نے بھٹو کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا۔

سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد جب بھٹو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ملکی دورے پر نکلا تو ملٹری انٹیلی جینس کے ساتھ ساتھ فوج کے دیگر خفیہ ادارے بھی ان کا تعاقب کیا کرتے تھے۔ یہ کام یحیٰی خاں کے حکم پر ہو رہا تھا۔ اس لئے بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد فوج کے سیاسی کردار کو محدود کرنے کی کوشش کی۔ تاہم انہیں ضیاء الحق نے یہ اقدام کرنے کی مہلت نہ دی۔

5/ جولائی 1977ء کو جب ضیاء الحق نے منتخب جمہوری حکومت کو شب خون مار کر ختم کیا' تو انہوں نے سویلین اداروں کی بجائے فوج کی خفیہ سروس کے اداروں کو اپنا دست و بازو

بنایا۔ ضیاء الحق نے جنرل جیلانی کو آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے فارغ کرنے کا فیصلہ ملٹری انٹیلی جینس کی رپورٹ پر کیا تھا کیونکہ جنرل جیلانی مارشل لا لگانے کے حق میں نہ تھے۔ ان پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے بھٹو کے آخری ایام میں ضیاء الحق کے ساتھ ساز باز کی تھی۔ اس الزام میں صداقت نہیں۔ بھٹو نے اپنے لئے پھانسی کا پھندا (ضیاء الحق) خود منتخب کیا تھا۔ البتہ ضیاء الحق کے محب وطن ہونے کی کلیرنس (clearance) جنرل جیلانی نے دی تھی۔ یہ تمام باتیں ضیاء الحق کے علم میں اس وقت آئیں جب انہوں نے 5/ جولائی 1977ء کے بعد اپنے وفاداروں کی فہرست مرتب کرنا شروع کی۔

ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت میں فوج کے تمام اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا تھا۔ تاہم رفتہ رفتہ ضیاء الحق نے خفیہ سروس کے تمام اداروں میں اپنے افراد داخل کر دیئے۔ جنہوں نے ان اداروں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کر ضیاء کے اقتدار کو مضبوط بنایا۔ ضیاء الحق کو زندگی کی آخری سانس تک اس بات کا خدشہ رہا کہ کہیں فوج کے اندر سے ان کے خلاف بغاوت نہ ہو جائے کیونکہ یحییٰ خان کا انجام ان کے سامنے تھا۔ یحییٰ خان کو جنرل گل حسن اور جنرل حمید نے اقتدار سے الگ ہونے پر مجبور کیا تھا کیونکہ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اگر سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد بھی فوج اقتدار پر قابض رہی تو عوام میں اس کے خلاف نفرت پھیل جائے گی۔ فوج کے ان جرنیلوں کا ملٹری انٹیلی جینس پر بھی کنٹرول تھا جس کی رپورٹ یہ تھی کہ مشرقی پاکستان میں فوج کی شکست اور ملک کے دولخت ہونے کے بعد عوام میں فوج کے خلاف جذبات بھڑک سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ضیاء الحق نے جب وعدہ کے مطابق 90 دن کے اندر از سر نو انتخابات نہ کروائے اور عوام کے ساتھ ظلم و زیادتی کا سلسلہ بڑھتا گیا تو لازمی طور پر فوج کے اندر ان افراد نے اس کا نوٹس لینا شروع کر دیا جن کے قریبی عزیز یا دوست قید و بند اور کوڑوں کی سزا کا سامنا کر رہے تھے۔ دوسری طرف ملٹری انٹیلی جینس کی طرف سے فوج کے ہر یونٹ کے احساسات اور جذبات کے متعلق ضیاء الحق کو رپورٹیں ارسال کی جا رہی تھیں۔ ضیاء الحق اپنے بعض ساتھی جرنیلوں سے بھی خوفزدہ تھے کیونکہ افغانستان کی جنگ شروع ہونے کے بعد ان پر متعدد مرتبہ قاتلانہ حملے کرنے کی سازشیں پکڑی جا چکی تھیں۔ اس کے علاوہ بعض جرنیل طویل مارشل لا سے تنگ آ گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ضیاء الحق نے مختلف طریقوں سے بعض جرنیلوں اور اعلیٰ آفیسروں سے خلاصی حاصل کر لی۔ 1983ء کی ایم آر ڈی کی تحریک کے فوج کے اندر بھی اثرات محسوس کئے گئے جس کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں ہے۔ البتہ یہ کہنا

بے جانہ ہو گا کہ 1983ء میں ایم آر ڈی کی تحریک دو مقامات پر شروع ہوئی تھی۔ ایک عوام میں اور دوسری فوج میں۔

فوج میں شامل افراد کی بڑی تعداد ایم آر ڈی کی تحریک کا بنظر غائر جائزہ لے رہی تھی۔ دوسری طرف ضیاء الحق اس تحریک کو کچلنے کے لئے فوج کا سہارا لینے پر مجبور تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب کشمکش تھی۔ ایم آر ڈی کی تحریک کچلنے کے لئے جب ضیاء الحق کو فوج کی مدد لینا پڑی تو اس نے ملٹری انٹیلی جینس کے ذریعے ان اعلیٰ فوجی قیام کے بارے میں تفصیلی رپورٹیں طلب کی تھیں جنہیں سندھ اور پنجاب میں تعینات کیا جانا تھا۔ اس کے علاوہ ملٹری انٹیلی جینس کے حکام ہر اس یونٹ کے ساتھ منسلک کر دئے گئے جسے مزاحمتی تحریک کچلنے کے لئے معمور کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں ملٹری انٹیلی جینس فوج کے ان اعلیٰ حکام کے بارے میں مسلسل رپورٹیں تیار کرتی رہی جن کے اپوزیشن رہنماؤں کے ساتھ روابط تھے۔

ضیاء الحق کے خلاف فوج کے اندر پہلی بغاوت کی کوشش مارشل لا کے نفاذ کے ایک برس بعد ہوئی۔ بعد آزاں ان کے خلاف الذوالفقار نے بغاوت کروانے کی تین کوششیں کیں جو ناکام رہیں۔ ایک مرتبہ تو ضیاء الحق کے طیارے کو میزائل مار کر تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس سازش میں شامل بعض فوجی حکام کو گرفتار کر لیا گیا۔ غلام مصطفیٰ کھر نے بھی لندن میں بیٹھ کر مرتضیٰ بھٹو کے تعاون سے ضیاء الحق کے خلاف ایک سازش کی تھی۔ اس ضمن میں کھر کے بھارتی جاسوسی ادارے "را" کے ایک اعلیٰ آفیسر مسٹر جوشی کے ساتھ روابط تھے اور کھر نے ضیاء الحق کا تختہ الٹنے کے لئے ہندوستان کے وزیر اعظم کی مدد حاصل کی تھی۔ تاہم ضیاء الحق اپنی خوش قسمتی اور فوج کے خفیہ اداروں کی چابکدستی کی وجہ سے 10 برس تک اقتدار پر قابض رہا۔ 17/ اگست 1988ء کو جب ہوائی حادثے میں ضیاء الحق کا انتقال ہوا تو ایک افواہ یہ بھی پھیلی تھی کہ فوج کے ایک گروپ کی وجہ سے بہاولپور کے قریب سی-130 طیارے کی تباہی عمل میں آئی۔ تاہم ابھی تک یہ افواہ صرف افواہ کی حد تک ہی ہے۔

1985ء میں جب ضیاء الحق نے غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کروائے تو محمد خاں جونیجو مرحوم مسلم لیگ بنا کر پارلیمنٹ کو جماعتی ایوان میں تبدیل کر دیا اور آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے سربراہوں کو تبدیل کروا کر ان کی جگہ اپنی مرضی کے افراد کو تعینات کروا دیا۔ ضیاء الحق نے اگرچہ جونیجو کی خوشی کے لئے ایسا کر دیا مگر اس کے بعد انہوں نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے سیاسی سیل سے وابستہ بعض حکام کو ملٹری انٹیلی جینس میں ٹرانسفر کر دیا۔

یوں آئی ایس آئی کے سیاسی سیل کا اکثر ریکارڈ ملٹری انٹیلی جینس کے پاس چلا گیا۔ اور یوں جونیجو دور حکومت میں ایک مرتبہ پھر ملٹری انٹیلی جینس کا سیاسی سیل پوری طرح حرکت میں آ گیا۔ ملٹری انٹیلی جینس کے حکام ضیاء الحق کو ہر روز سیاست سے متعلق تجزیاتی رپورٹیں ارسال کرتے تھے۔ محمد خان جونیجو نے ضیاء الحق کے خلاف جتنی بھی سازشیں کیں، ملٹری انٹیلی جینس کو اس کا علم ہو گیا۔ جونیجو مرحوم نے جب صاحبزادہ یعقوب خاں سے خلاصی حاصل کر کے زین نورانی کو افغان مسئلہ کے حل کے لئے اقوام متحدہ کے حکام کے پاس مذکرات کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا، تو اس کی خبر ضیاء الحق کے پاس منٹوں کے اندر پہنچ گئی۔ تاہم خفیہ سروس کا کوئی ادارہ بھی 17/ اگست 1988ء کی اس سازش کا پتہ نہ چلا سکا جو ضیاء الحق کے خاتمے کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اگرچہ ملٹری انٹیلی جینس کو اس بات کا علم تھا کہ ضیاء الحق پر قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے، لیکن خفیہ سروس کے حکام بہاولپور ائرپورٹ پر اپنی موجودگی کے باوجود سی-130 کی تباہی کو نہ روک سکے۔

17/ اگست 1988ء کے سانحہ کے بعد ملٹری انٹیلی جینس نے اندرون اور بیرون ملک موجود اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس بات کا پتہ چلانے کی کوشش کی کہ وہ پس پردہ ہاتھ کون سے تھے، جو سانحہ بہاولپور کا موجب بنے اور جنہوں نے فوج کی اعلیٰ قیادت کو چند منٹوں کے اندر صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ ملٹری انٹیلی جینس نے خصوصی طور پر پیپلز پارٹی، تحریک نفاذ فقہ جعفریہ، احمدی تنظیموں اور ان کے سیاستدانوں کی جاسوسی شروع کر دی جن کی طرف سے ضیاء الحق کو قتل کرنے کی دھمکیاں دی جا چکی تھیں۔ ملٹری انٹیلی جینس کا پہلا ہدف الذوالفقار تھا کیونکہ مرتضیٰ بھٹو نے بظاہر اپنی زندگی اپنے باپ کے قاتل کو سزا دینے کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ فوج کے پاس موجود ریکارڈ کے مطابق الذوالفقار کے دشمن ممالک کی ان خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ روابط تھے جو ضیاء الحق کو ختم کرنے کے درپے تھیں کیونکہ بلاشبہ ضیاء الحق، افغان جنگ کے دوران روس کو ایک ذلت آمیز شکست سے ہمکنار کیا تھا۔

جب محمد خان جونیجو مرحوم نے اپنی حکومت کے خاتمے کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور اس کیس کے فیصلہ کے ایام قریب آئے تو یہ بات سیاستدانوں سے ہوتی ہوئی فوج کے خفیہ اداروں تک بھی پہنچ گئی کہ سپریم کورٹ جونیجو حکومت کو بحال کرنے والی ہے۔ محمد خاں جونیجو مرحوم نے اس ضمن میں اپنے جن ساتھیوں کو اعتماد میں لے کر ان سے کہا تھا کہ وہ شیروانی تیار رکھیں، انہوں نے فرط جذبات میں یہ بات اپنے خاص آدمیوں تک پہنچا دی۔ اس بات کا تو

بہت کم لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ کون سا سیاستدان کس خفیہ ادارے کے لئے کام کر رہا ہے۔ یہ معاملہ جب اس وقت کے فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ کے پاس پہنچا تو انہوں نے ملٹری انٹیلی جینس کے ذریعے اس کی تصدیق کروائی اور وسیم سجاد کے ذریعے سپریم کورٹ تک اپنا متنازعہ پیغام بھجوا دیا کہ ملک کے وسیع تر مفاد کی خاطر اسمبلیوں کو بحال نہ کیا جائے اور طے شدہ پروگرام کے مطابق الیکشن کے انعقاد کو یقینی بنایا جائے۔

اس لحاظ سے ملٹری انٹیلی جنس کا سیاسی کردار ضیاء الحق کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ خصوصی طور پر فوج کے اس خفیہ ادارے نے اپنی سرگرمیوں کو ان ایام میں تیز کیا جب کہ بے نظیر بھٹو نے اقتدار میں آکر محمد خاں جونیجو کی طرح آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس کے سربراہوں کو تبدیل کر کے ان کی جگہ اپنی پسند کے افراد کو تعنیات کرنے کی کوشش کی۔ جب تک بے نظیر بھٹو کو اپنی اس کوشش میں کامیابی حاصل ہوئی' آئی ایس آئی کے سیاسی سیل کا اہم ریکارڈ بعض اعلیٰ حکام سمیت ملٹری انٹیلی جینس کے پاس پہنچ گیا۔ ملٹری انٹیلی جینس نے اس طرح ایک مرتبہ پھر سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔ ایم کیو ایم اور ملٹری انٹیلی جینس کے درمیان روابط استوار ہوئے تو الطاف حسین کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دوسری طرف چونکہ فوج کے ایک بڑے حصے کو بے نظیر بھٹو کی محب وطنی پر شک تھا' اس لئے اسلامی جمہوری اتحاد اور متحدہ اپوزیشن پارٹیز کے ذریعے پیپلز پارٹی کی حکومت کو ختم کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ 6/ اگست 1990ء کو جب صدر غلام اسحاق خاں نے بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کی تو ان کی میز پر ملٹری انٹیلی جینس کی ایسی بے شمار رپورٹ موجود تھیں جن سے پیپلز پارٹی کی قیادت کے ملک دشمن عناصر کے ساتھ روابط کی تصدیق ہوتی تھی۔ اگرچہ بے نظیر بھٹو نے مرزا اسلم بیگ کو تمغہ جمہوریت سے نوازا تھا لیکن ملٹری انٹیلی جینس کی فوج کے سربراہ کے پاس یہ رپورٹ موجود تھی کہ پی پی پی کی حکومت فوج کے بعض جرنیلوں' جن میں مرزا اسلم بیگ بھی شامل ہیں کو تبدیل کرنے کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے میں مصروف ہے۔ اپریشن مڈنائٹ جیکال کے متعلق بھی ملٹری انٹیلی جینس کی رپورٹ یہ تھی کہ میجر عامر نے یہ اپریشن آئی ایس آئی کے سربراہ شمس الرحمن کلو کے کہنے پر مکمل کیا۔ بے نظیر بھٹو نے اپنے دور حکومت میں ملٹری انٹیلی جینس کو بھی اپنے دائرہ اثر میں کرنے کی کوشش کی تھی۔ بظاہر تو ملٹری انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر درانی کا انہیں تعاون حاصل تھا' لیکن فوج کی جو پالیسی تھی' ملٹری انٹیلی جینس نے اس سے کبھی انحراف نہ کیا 6/ اگست 1990ء کے اقدام کے بعد جتوئی نگران وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

تاہم انہیں ملٹری انٹیلی جینس کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ مگر ملٹری انٹیلی جینس کی نظریں ان کی مصروفیات پر پوری طرح مرکوز تھیں۔ 1990ء کے انتخابات میں دھاندلی کا ملٹری انٹیلی جینس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ اقدام میاں نواز شریف اور ان کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھا اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ 1990ء کے انتخابات سے قبل بے نظیر بھٹو نے جو غلطیاں کی تھیں ان کے باعث اسلامی جمہوری اتحاد کو کامیابی حاصل کرنے میں آسانی رہی۔

فوج اور پیپلز پارٹی کے درمیان کشیدگی کیوں تھی؟

سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد بھٹو کے مخالف سیاستدانوں نے اپنی تمام توجہ اس امر کی طرف مبذول کردی تھی کہ کسی نہ کسی طرح عوام میں یہ تاثر پھیلا دیا جائے کہ ملک کے دولخت ہونے کا سبب ذوالفقار علی بھٹو ہے' جس نے اقتدار کے حصول کی خاطر ملک کی سلامتی کو داؤ پر لگا دیا۔ خصوصی طور پر سیاسی جماعتوں نے فوج کو قائل کرنے کی کوشش کہ کہ وہ بھٹو خاندان کو اقتدار میں نہ آنے دے۔ بعض جرنیلوں کے ایک طاقتور گروپ نے جنرل گل حسن اور جنرل رحیم کے ذریعے بھٹو کو اقتدار دلوا دیا اور یوں یحییٰ خاں کی چھٹی کرا دی گئی۔

جنرل یحییٰ خاں نے ایوب خان کو رخصت کرنے کے بعد ملک کے داخلی حالات کو بہتر بنانے کی بجائے اپنے منظور نظر جرنیلوں اور اعلیٰ فوجی حکام کو نوازنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ ملٹری انٹیلی جینس' آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو پر یحییٰ خاں کا مکمل کنٹرول تھا اس لئے نے بھٹو کو اقتدار میں آنے سے روکنے کے لئے جھوٹے سچے ایسے کاغذات تیار کروائے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ بھٹو ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث رہے ہیں اور ان کا بھارتی حکام کے ساتھ رابطہ ہے۔ تاہم بھٹو جب اقتدار میں آئے تو خفیہ سروس کے اداروں کے تمام سربراہ گھبرا گئے اور خصوصی طور پر انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ این اے رضوی نے بھٹو کے خلاف موجود مواد غائب کروا دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے یحییٰ خاں کی رنگین شاموں کے حوالے سے آئی بی کے پاس موجود ریکارڈ کو آگ لگوا دی۔ ایک طرف مذہبی اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے بھٹو کی مخالفت کی جارہی تھی تو دوسری طرف فوج کے اندر موجود ایک گروپ بھٹو حکومت کا تختہ

الٹنے کے لئے سازش میں مصروف تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار میں آنے کے بعد جب وہ ابھی سویلین مارشل لا ایڈ منسٹریٹر ہی تھے، تو فوج کے ایک گروپ نے بغاوت کی ناکام کوشش کی تھی۔ اسی طرح کی ایک اور کوشش اس وقت کی گئی جب بھٹو نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھال لیا۔ تاہم فوج کی طرف سے بھٹو حکومت کا تختہ الٹنے کی دونوں سازشیں ناکام رہیں اور بھٹو نے نہایت چالاکی سے ان تمام جرنیلوں اور دیگر آفیسرز کو تبدیل کر دیا جو مستقبل میں ان کے لئے خطرہ بن سکتے تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ایک دوسری غلطی یہ کی کہ انہوں نے سانحہ مشرقی پاکستان کے اسباب جاننے کے لئے جسٹس حمود الرحمٰن کی سربراہی میں ایک کمیشن تشکیل دے دیا۔ اس کمیشن کی رپورٹ ابھی تک صیغہ راز میں ہے۔ تاہم یہ بات منظر عام پر آچکی ہے کہ کمیشن نے یحییٰ خاں، جنرل عمر، جنرل گل حسن، جنرل حمید اور جنرل مٹھا سمیت متعدد اعلیٰ فوجی افسران پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کی سفارش کی تھی۔ حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کو اس وقت جس قدر صیغہ راز میں رکھا جا رہا ہے، اتنی رازداری تو بھٹو نے بھی نہ برتی تھی اور انہوں نے رپورٹ کی کاپیاں چاروں صوبوں کے گورنروں اور اعلیٰ فوجی حکام کو ارسال کی تھیں۔ تاہم فوج نے جب یہ دیکھا کہ سانحہ مشرقی پاکستان کی تمام تر ذمہ داری فوج پر ڈالی جا رہی ہے تو اس نے جنرل ٹکا خاں کے ذریعے بھٹو کو پیغام دیا کہ حمود الرحمن کمیشن رپورٹ شائع نہ کی جائے۔ بھٹو نے اس کے باوجود رپورٹ کی اشاعت پر اصرار کیا۔ لیکن آخر وہ بھی مصلحت کا شکار ہو گئے۔ لیکن یہ بات فوج کے دل میں رہ گئی کہ حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کے وہ حصے جن میں جرنیلوں کو قصوروار قرار دیا گیا تھا، کیوں اخبارات کی زینت بنے۔ اور یہ کہ بھٹو نے سانحہ مشرقی پاکستان کے اسباب جاننے کے لئے کمیشن کے دائرہ کار کو فوج کے ساتھ ساتھ سیاستدانوں تک وسیع کیوں نہ کیا۔ فوج کا خیال تھا کہ بھٹو نے حمود الرحمن کمیشن رپورٹ فوج کو بلیک میل کرنے کے لئے تیار کروائی ہے۔ اور دوسری طرف چند جرنیلوں نے فوج میں یہ بات پھیلا دی تھی کہ بھٹو خاندان ملک دشمن ہے اس لئے اس کو اقتدار سے محروم کر دیا جائے۔

ذوالفقار علی بھٹو اور فوج کے درمیان 1972ء سے شروع ہونے والی یہ کشمکش 1977ء میں اس وقت جب ضیاء الحق نے منتخب حکومت کو ختم کر کے ملک میں مارشل لاء لگا دیا۔ مارشل لا کے نفاذ کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے مقدور بھر کوشش کی کہ عوام اور فوج کو پیپلز پارٹی اور بھٹو خاندان سے متنفر کیا جا سکے۔ دوسری طرف جب ایم آر ڈی کی تحریک شروع ہوئی تو پیپلز

پارٹی کے بعض رہنما احتجاجی جلوسوں سے خطاب کے دوران فوج کے جرنیلوں کو سرعام پھانسی دینے کا اعلان کیا کرتے تھے۔ ضیاء الحق نے پیپلزپارٹی کے جوشیلے لیڈروں کی تقریروں کے آڈیو وڈیو کیسٹ تیار کروا رکھے تھے جنہیں وہ خاص مواقع پر جرنیلوں کو بلا کر دکھایا کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی انہیں کہا کرتے تھے کہ اب فیصلہ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ پی پی پی کو اقتدار میں آنے دینا ہے یا نہیں۔ پیپلزپارٹی اور فوج کے درمیان نفرت کی ایک وجہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینا بھی تھی۔ چونکہ ضیاء الحق نے بھٹو کو عوام کے ایک محبوب لیڈر کو پھانسی دی تھی اس لئے پی پی پی جرنیلوں کے خلاف ہو گئی۔ رہی سہی کسر مرتضیٰ بھٹو نے الاذولفقار' نامی دہشت گرد تنظیم قائم کر کے پوری کر دی۔ پی آئی اے کے طیارے کی ہائی جیکنگ پی پی پی اور فوج کے درمیان نفرت میں مزید اضافے کا موجب بنی۔ اس لئے جب ضیاء الحق کی ہلاکت کے بعد پی پی پی نے اتنی بات میں کامیابی حاصل کی تو فوج کے موجود ایک طاقتور گروپ نے اس کا راستہ روکا تا کہ بے نظیر بھٹو اقتدار میں نہ آسکے۔ تاہم صدر غلام اسحاق خاں اور اس وقت کے فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ نے بے نظیر بھٹو سے بعض شرائط منوا کر انہیں مشروط اقتدار منتقل کر دیا۔

بے نظیر بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد فوج کے ساتھ تعلق بہتر بنانے کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ بلکہ انہوں نے بعض ان جرنیلوں اور اعلیٰ فوجی آفیسرز کو دوبارہ ملازمت دے دی جن کو ضیاء الحق نے فوج سے نکالا تھا۔ بے نظیر بھٹو نے ان ریٹائرڈ جرنیلوں کو اعلیٰ ملازمتیں اس لئے دی تھیں کہ ان کے نزدیک وہ ضیاء الحق کے ظلم کا شکار بھٹو سے محبت کی وجہ سے ہوئے تھے۔ جبکہ فوج اور فوج کے خفیہ اداروں کے نزدیک یہ لوگ ملک دشمن عناصر میں سے تھے۔ چنانچہ فوج اور پی پی پی کے درمیان سرد جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کا نکتہ عروج افتخار سروہی کی ریٹائرمنٹ کا معاملہ تھا۔ بے نظیر بھٹو نے افتخار سروہی کو ریٹائر کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ بطور وزیر اعظم وہ اہم فیصلے کرنا اور ان فیصلوں پر عمل کروانا جانتی ہیں اگرچہ بے نظیر بھٹو نے کرنل غلام سرور چیمہ کو وزارت دفاع کا قلمدان سونپ کر یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ فوج پر اعتماد کرتی ہیں۔ تاہم ان کے متعدد فیصلے فوج کو ناخوش کرنے کا باعث بنے۔ ریٹائرڈ جنرل شمس الرحمن کلو کی بطور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی تقرری اور میجر جنرل نصیر اللہ بابر کی حکومتی امور میں مداخلت فوج کو ایک نظر نہ بھائی۔ فوج اور بے نظیر بھٹو کے درمیان اختلافات کم ہونے کے باجوود بڑھتے ہی چلے گئے اور مرزا اسلم بیگ کو تمغہ جمہوریت دینے کے باوجود ان اختلافات میں کمی پیدا نہ ہوئی۔

فوج اور بے نظیر بھٹو کے درمیان اختلافات کی ایک اور اہم وجہ آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کی خود سری بھی تھی۔ فوج کا خیال تھا کہ آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کو سابقہ حکومت کی پالیسی کے تحت کام کرنے دیا جائے جبکہ بے نظیر بھٹو ان دونوں خفیہ اداروں کو اپنے کنٹرول میں لینا چاہتی تھیں۔ فوج اور بے نظیر بھٹو کے درمیان اختلافات میں اضافہ آئی ایس آئی کی اس شکایت پر ہوا جس میں آئی ایس آئی نے شکوہ کیا تھا کہ بے نظیر بھٹو نے اعتزاز احسن کے ذریعے سکھوں کی ایک فہرست راجیو گاندھی تک پہنچادی ہے۔ یہ سکھ آئی ایس آئی کے لئے مبینہ طور پر کام کر رہے تھے۔ دوسری طرف الذولفقار کے سربراہ مرتضیٰ بھٹو پر یہ الزام تھا کہ ضیاء الحق کے طیارے کی تباہی میں انکا ہاتھ ہے. بھٹو کی پھانسی کے بعد مرتضیٰ بھٹو نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے باپ کا بدلہ لے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مرتضیٰ بھٹو نے افغانستان' بھارت' شام اور فلسطین میں جاکر پیپلز پارٹی کے جیالوں کو گوریلا تربیت دلوائی۔ چونکہ الذوالفقار تنظیم کے قیام کا مقصد ضیاء الحق سے نجات حاصل کرنا تھا۔ اس لئے فوج کے جرنیلوں نے آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کے ساتھ ساتھ انٹیلی جینس بیورو کو بھی مرتضیٰ بھٹو کو گرفتار کرنے کا مشن سونپ دیا۔ خفیہ سروس کے یہ ادارے مرتضیٰ بھٹو کو گرفتار تو نہ کر سکے لیکن ان کے ہاتھ چند ایسی دستاویزات ضرور لگ گئیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ الذولفقار تنظیم کے کارکن بھارت کی خفیہ ایجنسی RAW افغانستان کی خفیہ ایجنسی "خاد" اور اسرائیل کے خفیہ ادارے موساد سے ٹریننگ حاصل کر چکے ہیں۔ خفیہ اداروں کو اس بات پر بھی شک ہے کہ مرتضیٰ بھٹو کے امریکی سی آئی اے کے ساتھ رابطے ہیں۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی پی پی پی کے رہنماؤں کی اکثریت محب وطن عناصر پر مشتمل ہے لیکن چند افراد کی ملک دشمنی کی وجہ سے فوج اور پی پی پی کے درمیان رنجشیں بڑھتی ہی چلی گئیں۔

بے نظیر بھٹو کے اقتدار میں آنے کے بعد فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف کے ساتھ رابطے بڑھنے لگے اور فوج کے خفیہ سروس کے ادارے میاں صاحب کے سیاسی مقام کو بلند کرنے کے لئے کوشاں ہو گئے۔ مرکزی پنجاب محاذ آرائی اسی پالیسی کا حصہ تھی۔ میاں نواز شریف کے خلاف اگر بے نظیر بھٹو کاروائی نہ کرتیں تو وہ قومی ہیرو بھی نہ بنتے۔ جوں جوں بے نظیر بھٹو کے مشیر نواز شریف کو کچلنے کے لئے بچگانہ حرکتیں کرتے گئے توں توں میاں صاحب کی مقبولیت کا گراف بلند ہوتا گیا۔ اور اس گراف کو بلند کرنے میں فوج نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ فوج کی سوچ تھی کہ مرکزی پنجاب محاذ آرائی میں میاں نواز شریف کو

شکست نہیں ہونا چاہیے دوسری طرف بے نظیر بھٹو کے امریکہ کے ساتھ روابط میں مزید تیزی آرہی تھی۔ امریکہ نے ہی بے نظیر بھٹو کے ذریعے جنرل حمید گل کو آئی ایس آئی سے نکلوایا تھا جبکہ امریکی سی آئی اے مرزا اسلم بیگ کو بھی فوج سے نکلوانا چاہتی تھی۔ اس ضمن میں بے نظیر بھٹو نے اپنے دور حکومت میں مرزا اسلم بیگ کو فوج کے سربراہ کی حیثیت سے ہٹا کر ان کی جگہ نیا چیف آف دی آرمی سٹاف مقرر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بے نظیر بھٹو کے جو مشیران سے یہ فیصلے کروا رہے تھے وہی مشیر در پردہ خفیہ اداروں کے لئے بھی کام کر رہے تھے۔ آئی ایس آئی اسلام آباد کے سابق سربراہ میجر عامر کا دعویٰ ہے کہ خواجہ طارق رحیم 8 ہزار روپے ماہانہ پر آئی ایس آئی کے لئے کام کیا کرتے تھے جبکہ راؤ رشید بھی آئی ایس آئی کے لئے کام کرتے رہے۔ بہر حال آنے والے دنوں میں فوج اور پی پی کے درمیان فاصلے بڑھتے چلے گئے۔ بے نظیر بھٹو تو مرزا اسلم بیگ کی حکومت کو ختم نہ کروا سکی لیکن بیگ صاحب نے صدر غلام اسحاق کے ساتھ مل کر بے نظیر صاحبہ کو بلاول ہاؤس ضرور بھیج دیا۔ بے نظیر بھٹو کی حکومت 6/ اگست 1990ء کو ختم کی گئی جبکہ فوج کے اعلیٰ حکام کو کئی ہفتے قبل ہی اس بات کا علم تھا کہ پی پی کی حکومت رخصت ہو رہی ہے۔ 5/ اگست کی شام کو فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ کی طرف سے تمام کور کمانڈروں کو "ریڈ الرٹ" رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ 6/ اگست 1990ء کو جب غلام اسحاق خاں ٹی وی پر اسمبلیاں توڑنے کا اعلان کر رہے تھے تو اس وقت اسلام آباد کو فوج نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ عملاً فوج نے وہ تمام تیاریاں مکمل کر رکھی تھیں جو مارشل لاء کے نفاذ کے وقت درکار ہوتی ہیں۔ 6/ اگست کو پی پی کی حکومت کو ختم کرنے سے قبل صدر غلام اسحاق خاں اور مرزا اسلم بیگ کے درمیان ملاقات ہوئی تھی جس میں ان انتظامات کا جائزہ لیا گیا تھا جو فوج نے کسی بھی قسم کی ممکنہ صورت حال سے نمٹنے کے لئے کر رکھے تھے۔ بے نظیر بھٹو کا دعویٰ ہے کہ فوج چاہتی تھی کہ پی پی جلاؤ گھیراؤ کا سلسلہ شروع کرے اور انہیں مارشل لاء لگانے کا موقع مل جائے۔

تاہم بے نظیر بھٹو نے اپنی حکومت ختم ہونے کے فیصلہ کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا اور انہوں نے فوج سے تصادم کی پالیسی اختیار کرنے کے بجائے نئے انتخابات کی تیاریاں شروع کر دیں۔ 1990ء کے انتخابات میں خفیہ اداروں نے جو دھونس دھاندلی کی وہ سب کے سامنے ہے اور یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مرزا اسلم بیگ نے پی پی کی حکومت کو ختم کروانے میں ایک نہایت اہم کردار ادا کیا۔ فوج کو اس بات کا آج بھی گلہ ہے کہ بے نظیر بھٹو نے راجیو

گاندھی سے ملاقات کے دوران فوج میں کمی کے لئے بھارتی وزیراعظم کی مدد حاصل کرنے کی بات کیوں کی۔ بے نظیر بھٹو اور راجیو گاندھی کے درمیان ہونے والی یہ بات چیت خفیہ سروس کے اداروں نے ٹیپ کرلی تھی۔

تاہم مرزا اسلم بیگ کی ریٹائرمنٹ کے بعد جب آصف نواز جنجوعہ کو فوج کا سربراہ مقرر کیا گیا تو انہوں نے پی پی پی کے ساتھ روابط بڑھانا شروع کر دیئے۔ آصف نواز مرحوم کا بے نظیر بھٹو کے ساتھ مسلسل رابطہ تھا۔ اور دونوں کے درمیان متعدد خفیہ ملاقاتیں بھی ہوئیں جس کی خبر وزیراعظم میاں نواز شریف کو ہو گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ بے نظیر بھٹو نے لانگ مارچ کا اعلان آصف نواز سے ملاقات سے اور بعض یقین دہانیوں کے بعد کیا تھا۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ 1977ء کے بعد پہلی دفعہ فوج اور بھٹو خاندان کے درمیان خوشگوار تعلقات جنرل آصف نواز مرحوم کے دور حکومت میں قائم ہوئے۔ ایم کیو ایم کو کچلنے کا سہرہ بھی آصف نواز مرحوم کے ہی سر ہے کیونکہ یہ دہشت گرد جماعت کافی عرصہ سے حکومتوں کو بلیک میل کرنے میں مصروف تھی۔ ایم کیو ایم کے ایک سرکردہ رہنما سینیٹر اشتیاق اظہر کا کہنا ہے کہ فوج نے ایم کیو ایم کو اس لئے کچلا تھا کہ ایم کیو ایم کے بعض کارکنوں نے ایک فوجی آفیسر کی پٹائی کی تھی۔ یہ فوجی آفیسر' سینیٹر صاحب کے دعوے کے مطابق "سول لباس میں ایک کلاشنکوف لئے جا رہا تھا جسے ایم کیو ایم والوں نے پکڑ لیا اور جب اس فوجی افسر کی پٹائی ہوئی تو اس نے خود کو فوج کا میجر ظاہر کیا جس کے بعد اسے چھوڑ دیا گیا۔ لیکن آصف نواز نے پی پی پی کو خوش کرنے کے لئے ایم کیو ایم کو کچل دیا مگر اس کے باوجود ایم کیو ایم پوری طاقت سے موجود ہے۔"

جنرل آصف نواز کی موت کے بعد صدر غلام اسحاق خاں نے متعدد جرنیلوں کو نظر انداز کرتے ہوئے عبدالحمید کاکڑ کو فوج کا سربراہ مقرر کر دیا۔

18/ اپریل 1993ء کو میاں نواز شریف کی حکومت کے خاتمے کے بعد فوج اور پی پی پی کے درمیان تعلقات بہتر ہوئے اور پی ڈی اے کے 30 سے زائد وزیروں کو وفاقی کابینہ میں شامل کر لیا گیا۔ پی ڈی اے کی نگران حکومت میں شمولیت اس امر کی دلیل تھی کہ فوج کے دل میں پی پی پی کے خلاف اب اتنی نفرت نہیں رہی جس قدر نفرت اسے ضیاء الحق کے دور یا اس کے بعد تھی۔

سابق سیکریٹری داخلہ
ایس کے محمود کا خفیہ اداروں سے تنازعہ

کسی بھی ملک میں سیکریٹری داخلہ کا عہدہ انتہائی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس عہدے پر فائز شخص کو ملکی سلامتی کے حوالے سے نہایت اہم فیصلے کرنا ہوتے ہیں خفیہ ادارے حکومت کے لئے آنکھ اور کان کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک میں جہاں دیگر برائیوں نے جنم لیا وہیں پر ایک رسم یہ بھی چل نکلی کہ حساس اداروں نے سیکریٹری داخلہ کو بعض اہم امور کے بارے میں بے خبر رکھنا شروع کر دیا ہے۔ خصوصی طور پر یہ سلسلہ ضیاء الحق کے زمانے میں عروج پر پہنچا۔

ضیاء الحق کے دور حکومت میں ایس کے محمود سیکریٹری داخلہ کے عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے بطور سیکریٹری داخلہ نئی اور مثبت روایات کو جنم دینے کی کوشش کی۔ ایس کے محمود ضیاء الحق' محمد خان جونیجو' بے نظیر بھٹو' غلام مصطفیٰ جتوئی اور میاں نواز شریف کے دور حکومت میں وزارت داخلہ سے منسلک رہے اور انہیں بطور سیکریٹری داخلہ پانچ حکومتوں کو بنتے اور ختم ہوتے دیکھنے کا موقع ملا۔ 1991ء میں میاں نواز شریف نے ایس کے محمود کو سیکریٹری داخلہ کے عہدہ سے تبدیل کر کے سپیشل سیکریٹری ایجوکیشن مقرر کیا تو انہوں نے خیریت اسی میں سمجھی کہ باعزت طریقے سے ہی ریٹائرمنٹ لے لی جائے۔ تاہم اس کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ انہیں حکومت کی طرف سے اس وقت اپنے تبادلے کے احکامات موصول ہوئے تھے جب وہ اپنے بھائی اسد پرویز کے جنازے پر کھڑے تھے اس لئے انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے

ریٹائرمنٹ لینے کا فیصلہ کر لیا اور وہ آج کل اندرون اور بیرون ممالک مختلف موضوعات پر لیکچر دے رہے ہیں۔

امریکہ نے انتہائی کوشش کی تھی کہ ایس کے محمود امریکی یونیورسٹیوں میں لیکچر دیں اور انہیں اس ضمن میں پروفیسر بنانے کی پیشکش کی گئی لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ بہرحال ایس کے محمود بھی ایسے بیوروکریٹس میں شمار ہوتے ہیں جو حساس معاملات کے بارے میں عموماً بیان بازی نہیں کرتے۔ تاہم ان کے ساتھ کام کرنے والے متعدد اعلیٰ حکام کا کہنا ہے کہ ایس کے محمود کا ضیاء الحق سے ان کی زندگی کے آخری دن تک افغان مسئلہ پر اختلاف رہا۔ ایس کے محمود نے افغان جنگ میں پاکستانی حساس اداروں خصوصاً آئی ایس آئی کی براہ راست شمولیت پر اعتراض کیا تھا۔ انہوں نے افغان سیل کے اکثر اجلاسوں میں موقف اختیار کیا کہ پاکستان کے حساس اداروں کو افغان مسئلہ میں فریق نہیں بننا چاہئے۔ اور اگر یہ کام کرنا ہی ہے تو پھر اسے حکومت سرانجام دے۔ ایس کے محمود کا آئی ایس آئی کے سابق ڈائریکٹر جنرل اختر عبدالرحمن' آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر اپریشن بریگیڈئر امتیاز سابقہ ڈائریکٹر انٹیلی جنیس بیورو) اور آئی ایس آئی کے ایک اور سابق ڈائریکٹر جنرل حمید گل سے بھی اسی بات پر اختلاف رہا۔ خصوصی طور پر حمید گل اور ایس کے محمود کے درمیان بہت عرصہ تک چپقلش جاری رہی۔ تاہم اس کے باوجود ضیاء الحق نے انہیں بطور سیکریٹری داخلہ کام کرنے دیا۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ تھی کہ ضیاء الحق کو اس بات کا حتمی یقین تھا کہ افغان مسئلہ بطور آخری فیصلہ ان ہی کی منشا کے مطابق ہو گا۔ حمید گل کابل اور جلال آباد کی فتح کے لئے ہمیشہ پر امید رہے جبکہ ایس کے محمود کا ہمیشہ یہ موقف رہا کہ مجاہدین کابل تو فتح کر لیں گے لیکن جلال آباد فتح نہیں ہو گا۔ اور جس دن روسی افواج افغانستان سے نکل جائیں گی اس دن افغانستان کے اندر خانہ جنگی کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا اور مجاہدین کے مختلف گروپ حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے آپس میں برسرپیکار ہو جائیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ افغانستان کے مختلف علاقوں پر مختلف گروپوں کی حکومت قائم ہو جائے گی اور مجاہدین اپنا تسلط قائم کر کے مرکزی حکومت کے لئے مسائل کھڑے کرتے رہیں گے۔ اس کے برعکس اختر عبدالرحمن' حمید گل اور بریگیڈئر امتیاز جلال آباد فتح کرنے کے خواب دیکھتے رہے۔ لیکن وقت نے ثابت کیا کہ ایس کے محمود کا افغان مسئلہ پر موقف درست تھا۔ ایس کے محمود کو سب سے زیادہ اختلاف اس بات پر تھا کہ خفیہ ادارے اپنے فیصلوں کو حکومت سے زبردستی implement کروا رہے ہیں۔

ایس کے محمود کا کہنا تھا کہ خفیہ اداروں کے ذمہ جو فرائض ہیں وہ بس ان تک ہی محدود رہیں اور حکومتی پالیسی پر اثر انداز نہ ہوں کیونکہ انہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر یہ سلسلہ چل نکلا تو ملک میں آئندہ کبھی مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکے گی۔ اور آنے والے برس میں سیاست کے اندر خفیہ اداروں کا عمل دخل اس قدر بڑھ چکا ہو گا کہ وہ اپنی پسند کے مطابق حکومتیں بنوائیں اور ختم کروائیں گے۔

1988ء میں ضیاء الحق نے جونیجو حکومت کا خاتمہ محض خفیہ اداروں کی رپورٹ کی روشنی میں ہی کیا تھا جبکہ بعد ازاں بے نظیر بھٹو کی حکومت پر بھی خفیہ اداروں کی ہی تلوار چلی۔ آئی ایس آئی نے 1988ء میں ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ جونیجو حکومت کے خاتمے کے بعد پیپلز پارٹی کو اقتدار سے دور رکھا جائے گا۔ اگر 17/ اگست 1988ء کو ضیاء الحق سی-130 طیارے کے حادثے میں ہلاک نہ ہوتے تو یقینی طور پر پیپلز پارٹی اقتدار میں نہ آتی۔ جنرل ضیاء الحق 1988ء میں بھی غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کروانا چاہتے تھے جبکہ ایس کے محمود جماعتی بنیادوں پر انتخابات کروانے کے حق میں تھے۔ 1985ء کے انتخابات کے بعد جب محمد خان جونیجو نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کا قبلہ درست کرنے کی کوشش کی تو انہیں سیکریٹری داخلہ ایس کے محمود کا مکمل تعاون حاصل رہا۔ محمد خان جونیجو کو اگر اپنی مدت پوری کرنے کا موقع مل جاتا تو آج حالات مختلف ہوتے۔ سانحہ اوجڑی کیمپ کے بعد ایس کے محمود نے جو رپورٹ مرتب کی تھی اس میں اس عظیم المیہ کی ذمہ داری فوج کے بعض جرنیلوں پر عائد کی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ ایس کے محمود نے آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر اپریشن بریگیڈیئر امتیاز کو بھی اس سانحہ کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ تاہم فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد بریگیڈیئر امتیاز نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف کا دامن پکڑ لیا اور وہ اپنی "خداداد صلاحیتوں" کے بل بوتے پر بتدریج ترقی کرتے گئے۔ بعد ازاں 1990ء کے انتخابات کے بعد جب میاں نواز شریف کی ترقی ہوئی اور وہ وزیر اعظم بن گئے تو انہوں نے بریگیڈیئر امتیاز کو بھی اپنے پاس مرکز میں بلوا لیا۔ اور انہیں آئی بی کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا۔ چونکہ ایس کے محمود اور بریگیڈیئر امتیاز کے درمیان رنجش چلی آ رہی تھی اس لئے بریگیڈیئر امتیاز نے ایس کے محمود سے خوب بدلہ لیا اور میاں نواز شریف کے ذریعے انہیں سیکریٹری داخلہ کے عہدے سے ہٹوا دیا۔ ایس کے محمود کو بریگیڈیئر امتیاز اپنے لئے خطرہ سمجھتا تھا کیونکہ وہ انٹیلی جینس بیورو کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے جبکہ ایس کے محمود اس کے خلاف تھے اور وہ خفیہ اداروں کے سیاسی کردار کو محدود کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ ایس کے

محمود اپنے دوستوں کو اکثر کہا کرتے تھے اگر انہیں موقع ملا تو وہ خفیہ اداروں کا سیاسی کردار ختم کروا کر دم لیں گے کیونکہ ملک کے 90 فیصد مسائل کی ذمہ داری خفیہ اداروں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے حکومتوں کو کمزور کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ انہیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ ایم کیو ایم کو آئی ایس آئی نے بنوایا ہے بعد ازاں آئی ایس آئی نے ہی سندھ اپریشن کلین اپ کے دوران ایم کیو ایم کی طاقت کا شیرازہ بکھیرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کام میں ملٹری انٹیلی جینس کا کردار بھی بہت اہم تھا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ایم کیو ایم کو دو گروپوں میں تقسیم کروانے اور الطاف حسین کو سیاست سے دستبردار کروانے کے لئے ملٹری انٹیلی جینس نے منصوبہ بندی کی تھی۔ ایس کے محمود بلوچستان میں شیعہ سنی فساد کی ذمہ داری بھی ایک خفیہ ایجنسی پر عائد کرتے ہیں ان کے نزدیک جی ایم سید غدار نہیں ہے کیونکہ یہ وہی شخص ہے جس نے قیام پاکستان کے لئے قائداعظم کا بھرپور ساتھ دیا تھا لیکن کھوڑو فیملی نے جی ایم سید کو سیاسی افق سے ہٹانے کے لئے خفیہ اداروں کا سہارا لیا۔ جب جی ایم سید پر ظلم ہوئے تو انہوں نے پاکستان ٹوٹنے کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ ضیاء الحق چونکہ اس حقیقت سے واقف تھے اس لئے وہ انہیں گلدستے بھجواتے رہے اور ان سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ ایس کے محمود نے ضیاء الحق کو ایک موقع پر کہا تھا کہ جی ایم سید کو غداری پر اکسانے والے سندھ ہی کے سیاستدان ہیں کیونکہ جی ایم سید کو سندھو دیش کا نعرہ لگانے پر مجبور کیا گیا تھا۔

ایس کے محمود نے سانحہ اوجڑی کیمپ کے حوالے سے جو رپورٹ تیار کی تھی اس نے ضیاء الحق اور ان کے تعلقات کو کشیدہ کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ صدر ضیاء الحق کی خواہش تھی کہ ایس کے محمود کا کسی دوسری وزارت میں تبادلہ کر دیا جائے لیکن محمد خان جونیجو نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ سانحہ اوجڑی کیمپ کے متعلق ایس کے محمود کی تیار کردہ رپورٹ محمد خان جونیجو اسمبلی میں پیش کرنا چاہتے تھے لیکن اسلم خٹک نے اس رپورٹ کا حلیہ بگاڑ دیا۔ بقول ایس کے محمود "میری رپورٹ اصل حالت میں باقی نہ رہی" اور حد تو یہ ہے کہ اوجڑی کیمپ کی جس رپورٹ کو اسلم خٹک نے تیار کیا تھا وہ بھی غائب کروا دی گئی اور ذمہ دار حلقے اس کی ذمہ داری خفیہ اداروں پر عائد کرتے ہیں۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ اس وقت اوجڑی کیمپ رپورٹ کی اصل کاپی حکومت کے پاس نہیں ہے۔ ایس کے محمود نے اوجڑی کے مقام پر تباہ ہونے والے اسلحہ خانے کے نقصان کے متعلق اپنی رپورٹ میں ایک پورا باب تحریر کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ وہ سیکریٹری داخلہ ہونے کے باوجود افغان مجاہدین کو دیئے جانے والے

اسلحہ بارود کی مکمل تفصیل سے بے خبر تھے۔ انہیں خفیہ اداروں نے جان بوجھ کر اندھیرے میں رکھا۔ ایس کے محمود کو اس بات کا علم نہ تھا کہ امریکہ سے اسلحہ کب اور کتنی مقدار میں آیا اور پھر اسے کب مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ ایس کے محمود افغان مجاہدین کے لئے امریکہ سے آنے والے اسلحہ کا ریکارڈ جمع کروانا چاہتے تھے۔ تاہم اس مقصد میں انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ 17/ اگست 1988ء کو سی - 130 طیارے کی تباہی کے بارے میں ایس کے محمود کا دوٹوک موقف ہے کہ اس قسم کی واردات فوج کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ 1988ء کے شروع میں ہی ضیاء الحق اور اسلم بیگ کے درمیان اختلافات شدت اختیار کر گئے تھے اور عین ممکن تھا کہ اسلم بیگ کو "کھڈے لائن" لگا دیا جاتا لیکن مذکورہ حادثے کے بعد وہ چیف آف دی آرمی سٹاف بن گئے۔ ایس کے محمود کے اسلم بیگ کے ساتھ تعلقات کوئی زیادہ خوشگوار نہ تھے جب بے نظیر بھٹو نے بطور وزیر اعظم مرزا اسلم بیگ کو تمغہ جمہوریت دیا تو ایس کے محمود کو اس پر بڑی حیرت ہوئی تھی کیونکہ وہ بے نظیر بھٹو کو آگاہ کر چکے تھے کہ فوج ان سے خوش نہیں ہے اور آئی ایس آئی کے بعض اعلیٰ افسران ملٹری انٹیلی جینس کے ساتھ مل کر ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ مرزا اسلم بیگ نے ملٹری انٹیلی جینس کے ذریعے پی پی پی کی حکومت کے خلاف سازشیں کیں اور انہوں نے ملک میں مارشل لاء لگانے کی بھی کوشش کی تھی لیکن کور کمانڈروں کی مخالفت کے باعث وہ اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ خصوصی طور پر عالم جان محسود نے اسلم بیگ کو مارشل لا لگانے کا موقع نہ دیا اور بے نظیر نے عالم جان محسود کو چیف آف دی آرمی سٹاف بنانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

ایس کے محمود کا بطور سیکریٹری داخلہ ایک کارنامہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے پہلی مرتبہ خفیہ اداروں کے احتساب کو یقینی بنانے کے لئے عملی اقدامات کئے۔ اس ضمن میں انہوں نے جونیجو حکومت کو متعدد تجاویز پیش کی تھیں لیکن محمد خان جونیجو کو ان پر پوری طرح عمل در آمد کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ ایس کے محمود کا موقف تھا کہ حکومت کو خفیہ اداروں کی رپورٹوں کو پڑھنے کے بعد فیصلہ اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہیے۔ کیونکہ خفیہ اداروں کے سربراہ بھی تو انسان ہی ہیں اور انہیں غیر ملکی جاسوسی ادارے مثلاً سی آئی اے امریکہ' خاد' موساد اور "را" وغیرہ اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ایس کے محمود کو علم تھا کہ 1988ء کے انتخابات میں دھاندلی کرائی گئی تھی خصوصی طور پر یہ پہلا موقع تھا کہ انتخابات میں 54 آزاد امیدوار بھی کامیاب ہوئے لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی پی پی پی کے ساتھ تعاون نہ کرنے دیا گیا۔ اس

وقت کے وزیر اعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف نے ہر قسم کی دھونس دھاندلی استعمال کی اور خفیہ اداروں کی مدد سے آزاد امیدواروں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ خصوصی طور پر پنجاب میں سپیشل برانچ نے نو منتخب آزاد ارکان اسمبلی کے خلاف کیس تیار کئے جن میں ارکان اسمبلی کے خلاف چوری سے قتل تک کے مقدمات موجود تھے اس طرح آزاد ارکان اسمبلی کو قابو کر لیا گیا اور پنجاب میں اسلامی جمہوری اتحاد کو حکومت قائم کرنے کے قابل بنوا دیا گیا۔ اس مشن میں آئی ایس آئی کے افسران نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان دنوں غلام اسحاق خان بھی پارٹی بنے ہوئے تھے اور انہوں نے سیاست کی شطرنج پر اسلامی جمہوری اتحاد کو انتہائی اہم چال کے لئے استعمال کیا۔ یوں پی پی پی کی حکومت کے خلاف صدر، فوج اور اسلامی جمہوری اتحاد نے مل کر سازش کی۔ ایس کے محمود نے بطور سینئر بیوروکریٹ پی پی پی کی حکومت کے خلاف اس گٹھ جوڑ کو کبھی پسند نہ کیا۔ اور 1988ء کے انتخابات کے بعد انہوں نے غلام اسحاق خاں سے کہا تھا کہ وہ اقتدار پی پی پی کے حوالے کر دیں۔ ایس کے محمود کے مطابق "میں خفیہ اداروں کے سیاسی کردار کا مخالف تھا اور مخالف ہوں کیونکہ اس معاملے میں میری یہ رائے ہے کہ تمام خفیہ اداروں کو عملی سیاست سے دور رہنا چاہئے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ خفیہ ادارے سیاستدانوں پر نظر رکھتے ہیں تاکہ کوئی ملک دشمن سیاستدان ملک کو نقصان نہ پہنچائے لیکن سیاستدانوں کو ملک دشمن اور محب وطن قرار دینے کا "سرٹیفکیٹ" جاری کرنے کا اختیار خفیہ اداروں کے پاس نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن افسوس کہ ماضی کی طرح آج بھی خفیہ اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال جاری ہے اور تمام اہم فیصلے کابینہ کی بجائے کہیں اور ہوتے ہیں قائداعظم کے زمانے میں خفیہ ادارے حکومت کے کنٹرول میں تھے کیونکہ قائداعظم نے خفیہ ادارون کو بھی اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے استعمال نہ کیا۔ لیکن آج صورتحال اس سے مختلف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بطور سیکریٹری داخلہ میں بھی کچھ باتوں سے بے خبر تھا۔ خفیہ اداروں نے مجھے بھی بعض معاملات میں اندھیرے میں رکھا۔ بے نظیر بھٹو نے این بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے اگر یہ کہا تھا کہ انہیں بعض معاملات میں اپنے خفیہ اداروں کی بجائے امریکی سی آئی اے سے زیادہ معلومات حاصل ہوئیں تو اس میں کوئی غلط بات نہیں ہے میں حیران ہوں کہ خفیہ ادارے اپنی حکومتوں پر بھی اعتماد کیوں نہیں کرتے۔ مصلحتیں اپنی جگہ مگر آئین اور قانون بھی تو کوئی چیز ہے! اہم امور کے متعلق پالیسیاں وضع کرنا حکومت کا کام ہے۔ کسی خفیہ ادارے کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنی پالیسی پر حکومت سے انگوٹھا لگوائے۔ اس وقت خفیہ اداروں کا بجٹ بہت زیادہ

ہے' خفیہ اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال اسکندر مرزا' ایوب خاں' یحییٰ خان اور بھٹو نے بھی کیا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ جو حکومت کل تک بے نظیر بھٹو کو غدار اور ملک دشمن قرار دے رہی تھی اسی حکومت نے بے نظیر کو قومی اسمبلی کی امور خارجہ کی مجلس قائمہ کی چیر پرسن مقرر کر دیا کیا آج بے نظیر بھٹو AZO کی لیڈر نہیں؟ یہ سب ڈرامہ خفیہ اداروں کا تھا۔ میں نے 1988ء کے انتخابات کے بعد صدر غلام اسحاق خاں کو مشورہ دیا تھا کہ بے نظیر بھٹو کو اقتدار منتقل کر دو۔ میرے نزدیک بے نظیر ایک محب وطن رہنما ہے۔ جنوری 1993ء میں میں نے صدر غلام اسحاق خاں سے ملاقات کی تھی۔ صدر کا کہنا تھا کہ سیاستدانوں کی اکثریت ناتجربہ کار ہے۔ تاہم صدر کے پاس موجودہ حکومت کے خلاف 23 ریفرنس موجود ہیں۔ یہ ریفرنس کسی بھی دن میاں نواز شریف اور ان کے ارکان اسمبلی کے خلاف پیش ہو سکتے تھے۔ کیونکہ صدر اس بارے میں سیاستدانوں سے مشورہ کر رہے تھے۔"

ایس کے محمود نے بتایا کہ محمد خاں جونیجو نے خفیہ اداروں کو Counter کرنے کی کوشش کی تھی۔ محمد خاں جونیجو میں یہ خصوصیت تھی کہ انہوں نے بطور وزیراعظم کبھی بھی خفیہ اداروں کو اپنی حد سے نہیں بڑھنے دیا۔ جونیجو نے بطور وزیراعظم اسلم بیگ سے رابطے استوار کئے تھے کیونکہ ضیاء الحق کو مرزا اسلم بیگ سے نفرت تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے آصف نواز کو بریگیڈئر امتیاز سے شدید نفرت تھی۔ آصف نواز خفیہ اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے حق میں نہ تھے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے 14/ جنوری 1993ء کو اہم فیصلے کرنا تھے موت نے انہیں مہلت نہ دی اور اس سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ آصف نواز کے اہل خانہ کو شک ہے کہ انہیں کسی سازش کے تحت قتل کروایا گیا ہے "میں یہ نہیں کہتا کہ آصف نواز قتل ہوئے ہیں۔ تاہم لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں۔ خصوصی طور پر جب مرحوم کا جنازہ اٹھا تو ان کی بیوہ نے کہا تھا کہ میرے شوہر کو قتل کیا گیا ہے اس وقت بہت سے لوگ موجود تھے جنہوں نے یہ بات سنی تھی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے کیونکہ مجھے اس ضمن میں کوئی مصدقہ بات معلوم نہیں ہے" ایس کے محمود کے مطابق ضیاء الحق کو اس بات کا بہت غصہ تھا کہ محمد خاں جونیجو نے ان کی مرضی کے خلاف افغان مسئلہ پر سیاستدانوں کی آل پارٹیز کانفرنس بلوائی۔ خفیہ اداروں نے اس کانفرنس کو بھی ناکام کرنے کی کوشش کی تھی۔ 5/ جولائی 1977ء کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ضیاء الحق نے تمام خفیہ اداروں پر اپنا مکمل کنٹرول کر لیا تھا۔ اس لئے جونیجو کو بطور وزیراعظم بھی بعض معاملات کا علم نہ ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے جنیوا معاہدہ

کیا۔ ضیاء الحق اس قسم کے معاہدے کے حق میں تھے۔ اس کے علاوہ محمد خاں جونیجو نے آٹھویں ترمیم ختم کرنے کے لئے بھی سیاستدانوں سے رابطے شروع کر دیئے تھے جس کی اطلاع ضیاء الحق تک خفیہ اداروں نے پہنچا دی۔ 1988ء میں جب ضیاء الحق کی بطور COAS فائل جونیجو کے پاس آئی تو انہوں نے ضیاء الحق کی مدت ملازمت میں بطور چیف آف دی آرمی شاف توسیع کرنے میں پس و پیش کی۔ جونیجو آسانی سے ضیاء الحق کی ملازمت میں توسیع نہ کرتے۔ ایسا لگتا ہے کہ جونیجو نے ضیاء الحق سے چھٹکارا حاصل کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا تھا۔ جونیجو تو اس مشن میں ناکام ہو کر خود اقتدار سے محروم ہو گئے لیکن قدرت نے ضیاء الحق کو بھی مزید عرصہ حکومت کرنے کا موقع نہ دیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ضیاء الحق ایک منافق شخص تھا۔ اس نے اقتدار بچانے کے لئے مذہب کا سہارا لیا اور مسلمانوں کے اندر اس قدر نفاق پیدا کیا کہ آج لوگ اسلام کا نام لینے والے سیاستدانوں کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اگست 1988ء میں جنرل اختر عبدالرحمن کو اس بات کو علم ہو چکا تھا کہ ضیاء الحق کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ ضیاء الحق خود بھی بہت محتاط تھے اختر عبدالرحمن نے ایک دن مجھے کہا کہ ضیاء الحق کے لئے بہت مشکل وقت آگیا ہے اور ان پر آئندہ چند ماہ بہت بھاری ہیں اور پھر 17/ اگست 1988ء کو وہی ہوا جس کا اختر عبدالرحمن کو خطرہ تھا۔"

ایس کے محمود کسی زمانے میں یحیٰی خاں کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ اس حوالے سے انہوں نے کہا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ یحیٰی خاں ایک انتہائی قابل فوجی تھا لیکن حیرت ہے کہ زندگی کے آخری چند برسوں میں اس کی عقل کو کیا ہو گا۔ شراب اور عورت اس کی مجبوری بن گئی اور ایک ذہین انسان ایسے فیصلے کرنے لگ گیا جن کو دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی تھی۔ یحیٰی خاں کی غلطیوں کی وجہ سے ملک دولخت ہوا۔ 90 ہزار فوجی قید ہوئے گذشتہ ایک ہزار سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اس سانحہ کے بعد بھارت نے مجھے بھی قید کر لیا اور 1974ء میں بھٹو کی کوششوں سے جہاں 90 ہزار قیدی رہا ہوئے وہاں ہمیں بھی وطن واپس آگیا۔ 90 ہزار فوجیوں کو قید سے چھڑوانا بھٹو کا ایک کارنامہ تھا۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ بھٹو کو امریکہ نے ایٹمی مسئلہ کی وجہ سے مروا دیا۔ میرا خیال ہے کہ بھٹو کے خلاف سازش اس وقت تیار کی گئی جب اس نے 1974ء میں تمام اسلامی سربراہوں کو پاکستان میں اکٹھا کیا تھا۔ اسلامی کانفرنس کا انعقاد دشمن قوتوں کو پسند نہ آیا اور پھر بھٹو کے خلاف جن سازشوں کا سلسلہ شروع ہوا وہ 5/ جولائی 1977ء کو ختم ہوا۔ راولپنڈی سازش کیس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ "

ہاں جنرل اکبر نے لیاقت علی خان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کی تھی۔ تاہم ہمیں یہ بات بھی مد نظر رکھنی چاہئے کہ جنرل اکبر ہی وہ شخص تھا جس نے کشمیر کی آزادی کے لئے انتہائی محنت کی تھی اور اسے بھارت کے تسلط سے آزاد کروانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ جنرل اکبر لیاقت علی خاں کی کشمیر پالیسی سے خوش نہ تھا اس لئے انہوں نے یہ سازش کی تھی۔ ایس کے محمود کے مطابق اسکندر مرزا نے ایوب خاں کو وزیر دفاع بنا کر انتہائی حماقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی حکمران نے ایک فوجی کو وزارت دفاع کا قلمدان سونپ دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب ایوب خاں نے سوچنا شروع کردیا کہ وہ اسکندر مرزا کا ساتھ دینے کی بجائے خود ہی کیوں نہ اقتدار پر قبضہ کرلے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ایوب خان نے اسکندر مرزا کو "قابو" کیا اور خود کو کمانڈر انچیف بنوالیا۔ ظاہر ہے پھر اس کے لئے اقتدار حاصل کرنا آسان ہو گیا اور اس نے سکندر مرزا کا بستر گول کردیا۔ ایوب خاں کے اس اقدام کو فوج نے پسند نہ کیا تھا اور بعض اعلیٰ افسروں نے بطور احتجاج فوج سے ریٹائرمنٹ حاصل کرلی تھی۔ اسکندر مرزا میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ایک اچھا ایڈمنسٹریٹر تھا لیکن کچھ غلطیاں اس نے ایسی کیں جن کا سب سے زیادہ اسے خود نقصان پہنچا۔ انہوں نے بتایا کہ "پاکستان قومی اتحاد کی احتجاجی تحریک کے پیچھے بھی خفیہ اداروں کا ہاتھ تھا کیونکہ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل جنرل جیلانی کا ضیاء الحق سے رابطہ تھا۔ جنرل جیلانی نے 1977ء میں ضیاء الحق کے لئے کام کیا اندازہ کریں کہ ایک انتہائی حساس ادارے کا سربراہ اپنے ہی وزیر اعظم کے خلاف سازشیں کرتا رہا۔ میں خفیہ اداروں کے اس قسم کے کردار کے ہمیشہ خلاف تھا۔ اگر خفیہ اداروں کی تنظیم نو کے حوالے سے تیار کی جانے والی ذوالفقار رپورٹ پر عمل درآمد ہو جاتا تو ہمارے ملک میں حکومتیں اس قدر تیزی سے ختم نہ ہوتیں اور یہاں جمہوری ادارے قدرے مضبوط ہوتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جنرل جیلانی نے ہی ضیاء الحق کو COAS بنوایا تھا کیونکہ اس نے بھٹو کو اپنی رپورٹ ارسال کی تھی کہ اس نے (بھٹو نے) سب سے کمزور شخص کا انتخاب کیا اور کئی جرنیلوں کو نظرانداز کرکے اسے COAS بنا دیا۔ میں جب تک وزیر داخلہ کے عہدے پر فائز رہا میری یہ کوشش رہی کہ خفیہ اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے لیکن اس بات کا اعتراف کرتے مجھے ہچکچاہٹ نہیں کہ میں اس مقصد میں ناکام رہا۔ میں نے 5/ برسوں میں 5 حکومتوں کو تبدیل ہوتے دیکھا اور ہر حکومت کی برطرفی کے پیچھے خفیہ اداروں کا ہاتھ تھا۔

بے نظیر کی حکومت کے خاتمے میں
خفیہ اداروں کا کردار

انٹیلی جینس ایجنسیاں کسی بھی ملک کے لئے آنکھ اور کان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر آنکھ اور کان کام کرنا بند کر دیں تو خود ہی سوچئے جسم کی کیا حالت ہو؟ لیکن بدقسمتی سے خفیہ اداروں نے بے نظیر بھٹو کی حکومت کو پہلے دن ہی تسلیم نہ کیا۔ جبکہ بے نظیر بھٹو نے بھی انٹیلی جینس ایجنسیوں کو مطمئن کرنے کی کبھی کوشش نہ کی بلکہ انہوں نے نئی مثال قائم کرتے ہوئے ایک ریٹائرڈ جرنیل شمس الرحمن کلو کو آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر جنرل مقرر کر دیا۔ قبل ازیں یہ عہدہ لیفٹیننٹ جنرل حمید گل کے پاس تھا جن کو بے نظیر بھٹو نے کھڈے لائن لگا دیا۔ بے نظیر بھٹو کے دل میں رنجش تھی کہ حمید گل نے اسلامی جمہوری اتحاد کو کیوں بنوایا تھا۔ حمید گل نے بے نظیر بھٹو کو ان کے اقتدار میں آنے کے فوراً بعد یہ بتا دیا تھا کہ اسلامی جمہوری اتحاد ان کی کوششوں کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا کیونکہ اگر وہ اسلامی جمہوری اتحاد نہ بنواتے تو ضیاء الحق انتخابات نہ کرواتے۔ حمید گل کا دعویٰ ہے کہ الیکشن کے انعقاد کو یقینی بنانے کے لئے اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام ضروری تھا۔ لیکن میاں نواز شریف یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ آئی جے آئی کے قیام میں آئی ایس آئی کا کوئی ہاتھ تھا۔

بے نظیر بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا جبکہ اس کے ساتھ ہی انہوں نے انٹیلی جینس بیورو کے "پولٹیکل سیل" کو مزید فعال

بنانے کے لئے خزانے کا منہ کھول دیا۔ بے نظیر بھٹو کے اس اقدام سے آئی ایس آئی والے ناراض ہو گئے۔ بعد ازاں بے نظیر بھٹو نے انٹیلی جینس بیورو کے افسران و ملازمین کے خصوصی الاؤنس میں بے پناہ اضافہ کر دیا جس کا آئی ایس آئی کو بہت رنج تھا کیونکہ پہلے آئی ایس آئی کے افسران و ملازمین کو سپیشل ڈیوٹی ادا کرنے پر خصوصی فنڈز ملتے تھے۔ بے نظیر بھٹو نے آئی ایس آئی کے فنڈز میں تو کمی نہ کی لیکن انہوں نے آئی بی کے فنڈز میں اتنا اضافہ کر دیا کہ آئی ایس آئی کے افسران و ملازمین کے الاونس کم نظر آنے لگے۔ اس کے بعد جب آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل کو ختم کرنے کی باتیں ہوئیں تو فوج بھی ناراض ہو گئی کیونکہ فوج کو آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل کے ذریعے بعض اہم معلومات ملتی تھیں جبکہ اس کے علاوہ آئی ایس آئی میں کام کرنے والے زیادہ افسران کا تعلق بھی فوج سے تھا۔ آئی ایس آئی کا سیاسی سیل تو بند نہ ہوا لیکن یہ فعال بھی نہ رہا جس کے باعث فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ نے ملٹری انٹیلی جینس کے پولیٹیکل سیل کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور اس طرح ایم آئی کے پولٹیکل سیل نے آئی ایس آئی کے پولٹیکل سیل کے نعم البدل کے طور پر کام شروع کر دیا۔ بے نظیر بھٹو نے چونکہ آئی ایس آئی کے سینئر افسران کو نظر انداز کر کے ایک ریٹائرڈ جرنیل کو آئی ایس آئی کا سربراہ مقرر کر دیا تھا اس لئے یہ فیصلہ بھی ملک کے اس اہم ترین ادارے کو ناگوار گزرا جبکہ دوسری طرف بے نظیر بھٹو نے انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر بریگیڈئر امتیاز کو تبدیل کر کے ان کی جگہ نور لغاری کو DIB مقرر کر دیا۔ ان دنوں میجر عامر آئی ایس آئی میں تھے چنانچہ انہوں نے بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کرنے کے لئے مبینہ سازش کی اور اس مقصد کے لئے انہوں نے بریگیڈئر امتیاز کی خدمات بھی حاصل کیں۔ میاں نواز شریف نے اس وقت کے COAS مرزا اسلم بیگ کے تعاون سے بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور ان دونوں بد ترین ہارس ٹریڈنگ دیکھنے میں آئی۔ ایک طرف بے نظیر بھٹو کی کوشش یہ تھی کہ پنجاب میں وزیر اعلیٰ نواز شریف کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر دی جائے جبکہ دوسری طرف میاں نواز شریف نے بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد کامیاب کرانے کے لئے اتفاق فونڈری اور پنجاب کے خزانے کا منہ کھول رکھا تھا۔ مرکز اور پنجاب نے ہارس ٹریڈگ کی انتہا کر دی اور دونوں نے دھونس دھاندلی اور روپے کے زور پر ایک دوسرے کے خلاف تحریک عدم اعتماد کامیاب کرانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی لیکن عین اس وقت جب بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر نے پیپلز پارٹی اور فاٹا سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی کو توڑ کر بے نظیر بھٹو کے خلاف

تحریک عدم اعتماد کامیاب کرانے کی تیاریاں مکمل کرلی تھیں' میاں نواز شریف بھاگ گئے اور انہوں نے اچانک اپنا ارادہ تبدیل کرلیا اور یوں بے نظیر کے خلاف تحریک عدم اعتماد کی کوششیں بری طرح ناکام ہوئیں۔ اس بات کا غلام مصطفیٰ جتوئی کو بہت رنج ہوا کیونکہ "منزل" ان کے بہت قریب آنے کے بعد ان سے دور ہو گئی تھی۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کو بخوبی علم تھا کہ میاں نواز شریف نے بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے لئے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے بعض افسران کا تعاون حاصل کر رکھا ہے۔ لیکن عین آخری وقت پر میاں نواز شریف کو مخصوص حلقوں سے اشارہ ملا کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں۔ بریگیڈئر امتیاز نے میاں نواز شریف کو 1990ء کے شروع میں ہی اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ وہ مستقبل کے وزیراعظم ہیں اس لئے وہ تھوڑا سا انتظار کرلیں۔ چنانچہ وہی ہوا 6/ اگست 1990ء کو غلام اسحاق خان نے بے نظیر بھٹو کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ صدر صاحب نے بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کرنے سے قبل مرزا اسلم بیگ کو بھی اعتماد میں لیا تھا۔ 5/ اگست 1990ء کو فوج نے ممکنہ صورتحال سے نبٹنے کے لئے ہر قسم کی منصوبہ بندی مکمل کرلی تھی بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے "ڈراپ سین" میں سب سے زیادہ اہم کردار ملٹری انٹیلی جینس نے کیا کیونکہ بے نظیر بھٹو نے آئی ایس آئی کو سیاسی سرگرمیوں کے حوالے سے کام کرنے سے روک دیا تھا۔ 6/ اگست 1990ء کو جب بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کرنے کے لئے جب غلام اسحاق خاں نے تقریر کی تو اس سے قبل فوج نے اسلام آباد کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس کے علاوہ فوج کا ملک کی تمام اہم تنصیبات پر مکمل کنٹرول تھا لیکن بے نظیر بھٹو نے نہایت سعادت مندی سے اپنی حکومت کا خاتمہ قبول کرلیا اور نئے الیکشن کی تیاری شروع کر دی۔

انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کے ذرائع کا دعویٰ ہے کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کا خاتمہ اس لئے کیا گیا کہ انہوں نے ملکی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس حوالے سے خفیہ ادارے بے نظیر بھٹو پر دو سنگین الزام لگاتے ہیں۔ اول یہ کہ بے نظیر بھٹو نے آئی ایس آئی کے "سکھ سیل" کے پاس موجود لسٹوں کو اعتزاز احسن کے ذریعے بھارتی حکام تک پہنچا دیا تھا جو کہ فوراً بعد آئی ایس آئی کے لئے کام کرنے والے سکھوں کو بھارتی سیکورٹی فورسز نے قتل یا گرفتار کرلیا۔ بے نظیر بھٹو یا اعتزاز احسن کی طرف سے اس الزام کا ابھی تک ٹھوس انداز میں جواب نہیں دیا گیا۔ اعتزاز احسن اس وقت وزیر داخلہ تھے جب انہوں نے بقول آئی ایس آئی بھارت کا خفیہ دورہ کیا۔ اعتزاز احسن کی اس خفیہ دورے کی اطلاع جب بھارت میں موجودہ

پاکستانی سفیر کو پہنچی تو انہوں نے صدر غلام اسحاق خاں اور وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ اعتزاز احسن بھارت میں اپنی آمد کے فوراً بعد 4 گھنٹے تک غائب رہے اور اس کے بعد انہوں نے اپنی آمد سے سفارتخانے کو مطلع کیا۔ بھارت میں موجود آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے حکام کو شک تھا کہ اعتزاز احسن نے سکھوں کی لسٹیں بے نظیر بھٹو کے کہنے پر بھارتی حکومت کے حوالے کی تھیں تاکہ راجیو گاندھی کو خوش کیا جا سکے۔ 1988ء کے انتخابات میں جب پی پی پی کو کامیابی حاصل ہوئی تو آئی ایس آئی اور آئی بی نے صدر غلام اسحاق کو مبینہ طور پر مطلع کیا کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کا قائم ہونا ملکی سلامتی کے لئے درست نہیں چنانچہ غلام اسحاق خاں نے اس معاملے کو اپنے فائدے کے لئے Exploit کیا اور بے نظیر بھٹو کو اس وقت تک اقتدار نہ سونپا جب تک وہ خود 5 سال کی مدت کے لئے دوبارہ صدر نہ منتخب ہو گئے۔

آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کے ذرائع کا دعویٰ ہے کہ بے نظیر بھٹو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے متعلق بھارت اور امریکہ کو "اہم معلومات" فراہم کی تھیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ بے نظیر بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد ضد کی کہ انہیں ایٹمی پروگرام کے حوالے سے بریفنگ دی جائے جبکہ خفیہ اداروں نے پہلے تو اس کی مخالفت کی اور آخر کار فوج اور خفیہ اداروں نے طے کیا کہ بے نظیر بھٹو چونکہ بطور وزیر اعظم بریفنگ (Briefing) چاہتی ہیں اس لئے ان کو بریفنگ دے دی جائے۔ مگر ان کا کہنا ہے کہ یہ بریفنگ Fabricated تھی۔ اس مقصد کے لئے ایک پلان کو انتہائی احتیاط سے تیار کیا گیا۔ عبدالقدیر لیبارٹریز کے حکام نے Fabricated نقشہ جات اور اعداد و شمار کے ذریعے بے نظیر بھٹو کو ایٹمی پروگرام کے حوالے سے ایک Fabricated بریفنگ دی جس کی بعض تفصیلات بعد ازاں "لیک" ہو گئیں۔ خفیہ اداروں نے بے نظیر بھٹو کو دی جانے والی "بریفنگ کے کچھ عرصہ بعد صدر غلام اسحاق خان کو کہا کہ بے نظیر بھٹو security Hazard ہیں۔ اس کے علاوہ بے نظیر بھٹو پر الزام ہے کہ انہوں نے راجیو گاندھی کے دورہ پاکستان کے مواقع پر انہیں بعض ایسی معلومات فراہم کی تھیں جو پاکستان کے مفاد میں نہ تھیں۔ غلام اسحاق خاں نے اصغر خان کو اس حوالے سے بتایا تھا کہ بے نظیر بھٹو کے راجیو گاندھی کے ساتھ خفیہ مذاکرات کا ٹیپ ان کے پاس موجود ہے۔ اس ٹیپ سے پتہ چلتا ہے کہ بے نظیر بھٹو افواج پاکستان سے خوش نہ تھیں اور انہوں نے بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی سے کہا تھا کہ وہ فوج میں کمی کرنا چاہتی ہیں مگر اس مقصد کے

حصول کے لئے انہیں سخت محنت کرنا پڑے گی۔ بے نظیر بھٹو نے مبینہ طور پر راجیو گاندھی سے مدد کی بھی درخواست کی تھی جس کے جواب میں راجیو گاندھی نے کہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کریں گے لیکن راجیو گاندھی کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اور وہ ایک تخریبی کاروائی کا نشانہ بن گئے۔ آئی ایس آئی کے ذرائع کے مطابق بے نظیر بھٹو نے چونکہ کشمیر کا مسئلہ بھی سرد خانے میں ڈال دیا تھا اس لئے خفیہ ایجنسیوں نے فیصلہ کیا کہ پی پی پی کی حکومت سے نجات حاصل کرلی جائے۔

اپریشن مڈنائٹ جیکال
انٹیلی جینس بیورو کے جائنٹ ڈائریکٹر
مسعود شریف کی رپورٹ

ٹاپ سیکرٹ

نمبر پی ایس او / جے ڈی آئی / صفر-89

انٹیلی جنس بیورو

گورنمنٹ آف پاکستان

اسلام آباد

مضمون: محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف سازش

یہ جاننے کے بعد کہ فوج کے بعض افسران نے (بشمول آئی ایس آئی کے ایسے افسران جو اس خفیہ ادارے میں کام کر چکے ہیں) سینٹ اور قومی اسمبلی کے بعض اراکین کے ساتھ مل کر ایک سازش تیار کی ہے جس کا مقصد پی پی کی حکومت ختم کرنا ہے "مڈنائٹ جیکال" کے نام سے انٹیلی جنس بیورو نے ایک اپریشن مکمل کیا۔ اس اپریشن کے دوران ایسے انتظامات کئے گئے جن کے باعث سازش میں شامل تمام افراد کی گفتگو ٹیپ کر لی گئی اور انہیں اس کا علم بھی نہ ہو سکا۔ اس "ضمن میں 12

کیسٹ تیار کیے گئے ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔

اے : کیسٹ نمبر1 کی ریکارڈنگ 89-9-28 کو کی گئی اس موقع پر آئی جے آئی کے سینٹر گل شیر خاں' ملک ممتاز ایگزیکٹو انجینئر ایم ای ایس' رکن قومی اسمبلی عارف اعوان (پی پی پی) اور میجر عامر کی گفتگو ریکارڈ کی گئی۔ میجر عامر آئی ایس آئی کے او سی ہیں۔

بی : کیسٹ نمبر2 کی ریکارڈنگ 89-9-28 کو کی گئی۔ اس موقع پر جو افراد موجود تھے ان میں سینٹر گل شیر خاں' ملک ممتاز' عارف اعوان اور میجر عامر شامل ہیں۔

سی : تیسری کیسٹ کی ریکارڈنگ 89-10-2 کو ہوئی۔ اس موقع پر بریگیڈیئر امتیاز سابق ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی' میجر عامر او سی آئی ایس آئی' ملک ممتاز اور عارف اعوان موجود تھے۔

ڈی : کیسٹ نمبر4 کی ریکارڈنگ بھی 89-10-2 کو ہوئی۔ اس موقع پر جن افراد نے گفتگو میں حصہ لیا ان میں بریگیڈیئر امتیاز' میجر عامر' ملک ممتاز اور عارف اعوان شامل ہیں۔

ای : کیسٹ نمبر5 کی ریکارڈنگ بھی 89-10-2 کو ہوئی۔ اس موقع پر ملک ممتاز' میجر عامر اور بریگیڈیئر امتیاز کے درمیان ہونے والی گفتگو ریکارڈ کی گئی۔

ایف : کیسٹ نمبر6 کی ریکارڈنگ 89-10-5 کو ہوئی۔ اس موقع پر ملک ممتاز' میجر عامر' ملک نعیم' عارف اعوان اور رشید بھٹی کے درمیان گفتگو ہوئی۔

جی : کیسٹ نمبر7 کی ریکارڈنگ 89-10-5 کو ہوئی۔ اس موقع پر ملک ممتاز' ملک نعیم' عارف اعوان' رشید بھٹی اور میجر عامر موجود تھے۔

ایچ : کیسٹ نمبر8 کی ریکارڈنگ 89-10-5 کو ہوئی۔ اس موقع پر بریگیڈیئر امتیاز' میجر عامر' ملک نعیم' ملک ممتاز' عارف اعوان اور رشید بھٹی موجود تھے۔

آئی : کیسٹ نمبر9 کی ریکارڈنگ 89-10-6 کو کی گئی۔ اس موقع پر ملک ممتاز' بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کے درمیان گفتگو ہوئی۔

جے : کیسٹ نمبر10 کی ریکارڈنگ 89-10-6 کو کی گئی۔ اس موقع پر ملک ممتاز' بریگیڈیئر امتیاز' میجر عامر' عارف اعوان اور رشید بھٹی کے درمیان گفتگو ہوئی۔

کے : کیسٹ نمبر11 کی ریکارڈنگ 89-10-6 کو کی گئی۔ اس موقع پر بریگیڈیئر امتیاز' ملک نعیم' میجر عامر' عارف اعوان' رشید بھٹی اور ملک ممتاز موجود تھے۔

ایل : کیسٹ نمبر 12 کی ریکارڈنگ 98-10-6 کو کی گئی۔ اس موقع پر موجود شرکاء گفتگو میں ملک ممتاز، بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر موجود تھے۔

3: مذکورہ افراد کی گفتگو کو غور سے سننے سے محسوس ہوتا ہے کہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف کی قیادت میں ایک ایسا گروپ قائم ہو چکا ہے جو پی پی پی کی حکومت ختم کرنے کیلئے ہر قسم کے آئینی اور غیر آئینی اقدامات سے گریز نہیں کرے گا۔ موجودہ حکومت کے خلاف پیش کی جانے والی عدم اعتماد کی تحریک بھی اسی سازش کا حصہ ہے۔

4: اوپر بیان کئے جانے والے حقائق کی روشنی میں اس امر کی سفارش کی جاتی ہے کہ مذکورہ سازش میں شریک تمام افراد کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے۔ اس ضمن میں یہ کاروائی مندرجہ ذیل قوانین کے تحت کی جاسکتی ہے۔

اے: آفیشل سیکرٹ ایکٹ

بی: 16 ایم پی او

سی: پاکستان پینل کوڈ 107، 123، 124 اور 149-

ڈی: دوسرے متعلقہ فوجی قوانین

آخر میں یہ تجویز پیش کی جاتی ہے مذکورہ سیاستدانوں اور افسران ہونے والی گفتگو کی تفصیلات سے عوام کو آگاہ کردیا جائے اور اسے خفیہ معلومات کے طور پر نہ Treat کیا جائے۔ اس طرح عوام کو پتہ چلے گا کہ آئین کی خلاف ورزی کرنے والے عناصر سیاستدانوں پر کس کس طرح دباؤ ڈالتے ہیں۔

دستخط

بریگیڈئر محمد اختر خاں — مسعود شریف خاں

جائنٹ سیکریٹری (امور داخلہ) — جائنٹ ڈائریکٹر

وزیر اعظم سیکریٹریٹ — انٹیلی جینس بیورو

اسلام آباد — 25 اکتوبر 1989ء

نوٹ : انٹیلی جینس بیورو کی اس رپورٹ کی روشنی میں بے نظیر بھٹو نے بحیثیت وزیر اعظم اہم اقدامات کا فیصلہ کیا تھا لیکن اس وقت کے COAS مرزا اسلم بیگ نے پی پی پی کی حکومت کے خلاف سازش کرنے والے فوجی افسران کے خلاف بہت معمولی

ایکشن لیا۔

اپریشن مڈنائٹ جیکال

آئی بی یو او نمبر پی ایس او / جے ڈی آئی۔ صفر۔ 89/25-10

ٹاپ سیکرٹ

کیسٹ نمبر1 کی تفصیل جو 25 ستمبر 1989ء کو ریکارڈ کی گئی

منظر:۔

سینٹر حاجی گل شیر خاں کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور ایک شخص جس کا نام ملک ممتاز ہے ان کی خیریت دریافت کرتا ہے۔ ملک ممتاز حاجی گل شیر خاں سے میجر عامر کے بارے میں بھی پوچھتے ہیں جس نے پروگرام کے مطابق ان کے ساتھ ہی آنا تھا۔ ملک ممتاز اس دوران حاجی گل شیر خاں کا حوصلہ بڑھاتا ہے تاکہ وہ پی پی پی کے رکن قومی اسمبلی ملک عارف اعوان کے ساتھ کھل کر بات کر سکے۔ ملک عارف اعوان کمرے میں داخل ہوتا ہے اور گفتگو کا آغاز ہوتا ہے

سینٹر گل شیر خان: آج آپ سے کافی دیر بعد ملاقات ہوئی ہے۔

عارف اعوان: ہاں! یہ درست ہے کہ ہم بہت عرصے بعد ملے ہیں۔

ملک ممتاز: حاجی صاحب (ان کا ملک عارف اعوان سے تعارف کرواتے ہوئے) یہ میرے انکل ہیں۔ آپ ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ بات کرتے ہوئے بس یہی سمجھیں کہ آپ میرے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں اور (ملک عارف

عوان کا حاجی گل شیر سے تعارف کرواتے ہوئے) یہ حاجی گل شیر خاں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ سینٹر ہیں۔ ان کا (حاجی صاحب کا) تعارف میرے ایک انتہائی عزیز دوست (میجر عامر) نے کروایا تھا۔ آپ دونوں سیاستدان ہیں ——

سینٹر گل شیر : (مداخلت کرتے ہوئے) میں سیاستدان نہیں ہوں۔ میں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہوں۔ میں ایک سادہ قسم کا شخص ہوں اور منافق نہیں ہوں۔ جو کچھ میرے دل میں ہے میں وہ بیان کردونگا —— آپ میرے چھوٹے بھائی کی طرح ہیں۔ یہ اس معاملے پر ایک دوسرے سے بات کریں۔ اگر ہم کسی بات پر اتفاق کرلیتے ہیں تو درست' اگر ہم میں کوئی اتفاق رائے نہیں ہوتا تو پھر ہم دوبارہ اپنی اپنی پوزیشن پر واپس چلے جائیں گے (عارف اعوان اس بات سے اتفاق کرتے ہیں) اب میں بات شروع کرتا ہوں ——

عارف اعوان : بات کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ بھائی ہمیشہ ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کھل کر کہیں۔

سینٹر گل شیر : آپ کے پاس 3 ارکان قومی اسمبلی اور ایک رکن صوبائی اسمبلی کی سپورٹ ہے ——

عارف اعوان : ہاں ! ہم 3 ایم این اے ہیں اور ایک ایم پی اے۔ اس وقت وہ ایم پی اے ہمارے ساتھ ہے جس نے گذشتہ انتخابات میں نواز شریف کو شکست دی تھی ——

سینٹر گل شیر : آپ مجھے اپنا مطالبہ بتائیں۔ اگر یہ قابل عمل ہوا تو ہم میں معاہدہ ہو جائے گا۔

عارف اعوان : نہیں پہلے آپ ہمیں اپنی پیشکش کے بارے میں آگاہ کریں کیونکہ آپ کو اس معاملے میں انہوں نے (میاں نواز شریف اور آئی جے آئی) نے اختیارات دے کر بھیجا ہے۔

سینٹر گل شیر خاں : (مداخلت کرتے ہوئے) آپ مجھے اپنے مطالبے کے بارے میں بتائیں اور میں اس کے بارے میں انہیں آگاہ کروں گا —— ان سے مشورہ کروں گا اور پھر آپ کو آگاہ کروں گا۔ مجھے اپنا ہاتھ دیں۔ میں آپ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دونگا۔ اور ہم جو وعدہ کریں گے اسے پورا کیا جائے گا ——

عارف اعوان: آپ پہلے اپنی پیشکش کے بارے میں بتائیں ———

سینٹر گل شیر: نہیں ! مطالبہ آپ کی طرف سے ہی پہلے آئے گا (اس موضوع پر شرکاء ایک دوسرے کو قائل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں) گل شیر خاں دوبارہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ آپ مجھے اپنے آدمیوں کی لسٹ فراہم کریں اور اپنے مطالبے کے بارے میں بتائیں۔ جو کچھ آپ چاہتے ہیں یعنی وزارتیں یا رقم اس کے بارے میں مجھے مطلع کریں ——— وہ (پی پی پی کی حکومت کے حکام) مال کما رہے ہیں اور آپ اس بارے میں جانتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگوں کو بھی مال کمانا چاہئے چاہے یہ کسی بھی طرح ہو ———

عارف اعوان: میرا خیال تھا کہ پیشکش آپ کی طرف سے آئے گی (اس موقع پر گفتگو میں متعدد مرتبہ مداخلت ہوتی ہے اور مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے)

سینٹر گل شیر: رقم لینے اور دینے کا معاملہ اس وقت آئے گا جب وہ مجھے رقم فراہم کریں گے۔ میں یہ رقم ملک ممتاز کے پاس رکھوا دونگا (تھوڑی سی مداخلت)

ملک ممتاز: ہم یہ رقم میجر عامر کے پاس رکھوا سکتے ہیں کیونکہ وہ ہمارا مشترکہ دوست ہے۔

سینٹر گل شیر: نہیں - ہم اسے اپنے معاملات میں نہیں لائیں گے۔ اگرچہ وہ ہمارا مشترکہ دوست ہے لیکن یہ رقم آپ اپنے پاس ہی رکھئے گا۔

ملک ممتاز: حاجی صاحب میں ایک بہت غریب آدمی ہوں اور آپ کو اتنی بڑی رقم میرے کندھوں پر نہیں رکھنا چاہئے۔ اس ضمن میں میجر عامر کا انتخاب بہتر رہے گا۔

سینٹر گل شیر خاں: ہم اس سے (میجر عامر) سے بات کریں گے کیونکہ وہ ابھی آنے ہی والا ہے۔

عارف اعوان: چلیں اس معاملے کو دوسرے زاویے سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہر آدمی کا کسی معاملے کو جانچنے کا انداز اپنا ہوتا ہے۔ مثلاً میں اگر ایک روپیہ لینا چاہتا ہوں تو دوسرا کہہ سکتا ہے کہ مجھے دو روپے چاہئیں۔ اگر دوسرے اس بات سے اتفاق نہیں کرتے اور میں آپ سے تعاون پر آمادہ ہو جاؤں تو کم از کم آپ مجھے یہ بتادیں

کہ اس صورت میں آپ کی میرے لئے پیشکش کیا ہوگی۔

سینٹر گل شیر خاں : پیسہ ہر شخص کو خرید سکتا ہے——— اس وقت رشوت فروغ پا رہی ہے۔ کوئی کام پیسے کے بغیر نہیں ہوتا

عارف اعوان : اس لئے آپ مجھے بتائیں کہ مجھے ایک آدمی کیلئے آپ کی کیا پیشکش ہوگی———

ملک ممتاز : ایک آدمی کافی نہیں ہے ——— میں آپ کے ساتھ فری ماحول میں بات کرنا چاہتا ہوں——— یہاں پر کوئی باہر کا شخص نہیں ہے۔ جب باہر سے کوئی دوسرا شخص آئے گا تو ہم دوسرے انداز میں بات کریں گے۔ اس وقت ہم تین افراد یہاں موجود ہیں۔ یہاں حاجی صاحب میرے بھائی کی طرح ہیں۔ اور آپ (عارف اعوان) میرے چچا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے (اسلامی جمہوری اتحاد یا میاں نواز شریف) مجھ سے 4 یا 5 مرتبہ رابطہ قائم کیا۔ ایک دفعہ مجھ سے حاجی صاحب کی بات ہوئی تھی اور 4 یا 5 مرتبہ میجر عامر نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ انہوں نے مجھے کہا ہے کہ میں اپنا کام جلدی مکمل کروں کیونکہ انہیں قومی اسمبلی کے موجودہ سیشن کے دوران آپ کی ضرورت پڑے گی——— اگر معاملہ ہمارے درمیان طے پا جاتا ہے تو بہتر ہوگا۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو یہ معاملہ اسی جگہ پر ختم ہو جائے گا——— (اس موقع پر مداخلت ہوتی ہے اور تینوں افراد ممکنہ نتائج کے حوالے سے بات چیت کرتے ہیں

عارف اعوان : ان مذاکرات سے جو میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ (آئی جے آئی) آپ کو بے نقاب نہیں کریں گے۔ اور جس وقت وزیراعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کا وقت آجائے گا آپ کو اسی وقت وزیراعظم (بے نظیر بھٹو) کے خلاف اپنا ووٹ استعمال کرنے کیلئے کہا جائے گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ پریس کانفرنس سے خطاب کرے——— (مداخلت)

عارف اعوان: وہ جو مرضی چاہتے ہوں———

سینٹر گل شیر: نہیں! ہم آپ لوگوں کو بے نقاب نہیں کرنا چاہتے آپ عزت دار آدمی ہیں اور میرا بھائی (عارف) بھی ایک عزت دار شخص ہے۔ جب تک اس معاملے میں ہمیں 100 فیصد گارنٹی نہیں ملتی اس وقت تک نہ تو ہم آپ کو بے

نقاب کریں گے اور نہ ہی اپنے عزائم کے بارے میں کسی سے کوئی تذکرہ کریں گے

عارف: کیونکہ اس طرح اگر ہوا تو بہت بے عزتی ہوگی۔

ملک ممتاز: میجر عامر تشریف لے آئے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس کو اندر بلوا لیا جائے۔ (باقی افراد اس سے اتفاق کرلیتے ہیں) —— اسی دوران عارف اعوان اور سینٹر گل شیر کے درمیان عام قسم کی گفتگو جاری رہتی ہے۔ آخر کار میجر عامر کمرے میں داخل ہوتا ہے۔

ملک ممتاز: یہ (میجر عامر) میرے دوست ہیں اور جی ایچ کیو میں کام کرتے ہیں (عارف اعوان اور میجر عامر کا ایک دوسرے سے تعارف ہوتا ہے)

میجر عامر: ملک صاحب میرے دوست ہیں اور یہ بھائی کی طرح ہیں۔

ملک ممتاز: میں نے حاجی صاحب سے ملاقات کی ہے (مزاح کے انداز میں) حاجی صاحب سیاستدان نہیں ہیں —— یہ سیاست میں کیسے آگئے —— (مداخلت)

میجر عامر: یہی حاجی صاحب کی خوبصورتی ہے کہ اسمبلی خواہ کوئی بھی ہو یہ اس کے رکن ہوتے ہیں انہوں نے اسمبلی تڑوائی تھی —— اور اب یہ موجودہ اسمبلی تڑوانا چاہتے ہیں (قہقہہ)

عارف اعوان: ہاں! یہ (حاجی صاحب) 1977ء کی قومی اسمبلی کے رکن تھے۔ جب انہوں (ملک ممتاز) نے آج مجھے فون کیا اور کہا کہ میں حاجی صاحب سے ملاقات کرلوں۔ پھر مجھے یاد آیا کہ ہم دونوں ہی 1977ء کی اسمبلی میں رکن تھے —— (مداخلت)

میجر عامر: او کے! دیکھیں سیاست اب پاکستان میں پیشہ بن گئی ہے یہ کاروبار ہے۔ جس نے کاروبار سمجھ کر نہ کیا وہ ذلیل ہوگیا۔ ڈاکٹر شیر افگن میرے ایک دیرینہ دوست ہیں۔ میں انہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ محض ایک عام سے ڈاکٹر تھے۔ سابقہ اسمبلی میں (جونیجو دور میں) انہوں نے 1973ء کے آئین کی حمایت میں ایک زبردست تقریر کی۔ اسی رات وہ میرے گھر آئے۔ میں نے ان سے پوچھا ڈاکٹر صاحب آپ کیا کہ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا معاملہ کیا ہے؟ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ سرکاری مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلیں۔ اور وزیر بن جائیں کیونکہ آپکا تعلق درمیانے طبقے سے ہے —— اپنے لوگوں کو نوکریاں

دلواؤ۔ اور ان کے فائدے کے لئے کوئی کام کرو۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر ہم نے آپ کو جیل نہ بھجوایا تو گھر ضرور بھجوا دیں گے یہ امریکہ یا برطانیہ نہیں ہے کہ آپ سیاسی اور انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں اور آخر کار انہیں گھر واپس بھیج دیا گیا —— جب نئے الیکشن ہوئے تو وہ دوبارہ میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں کہا کہ آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑو۔ اس طرح وہ دوبارہ کامیاب ہو گیا اور مجھ سے آکر پوچھنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں نے انہیں کہا کہ سیدھا لاہور جاؤ اور پی پی پی میں شمولیت اختیار کر لو کیونکہ وہ حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہیں —— (مداخلت)

سینٹر گل شیر: اس طرح اگر آپ (عارف اعوان) اسمبلی کو بچانا چاہتے ہیں تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ہمارے ساتھ کوئی رقم لئے بغیر ہی شامل ہو جائیں۔ اگر آپ گھر واپس جانا چاہتے ہیں تو محاذ آرائی کا سلسلہ جاری رکھیں۔

میجر عامر: میرے ڈاکٹر شیر افگن کے ساتھ بہت قریبی تعلقات ہیں۔ اس کی بیوی بالکل میری بہن کی طرح ہے —— کیا آپ کو چیف آف دی آرمی سٹاف کی پریس بریفنگ یاد ہے۔ اگر کسی شخص میں تھوڑی سی بھی عقل ہے تو اسے یہ پیغام سمجھ لینا چاہئے جو بہت واضح اور صاف ہے —— چیف آف دی آرمی سٹاف نے کہا ہے کہ جس دن راجیو گاندھی اسلام آباد میں موجود تھا وہ اس دن پاکستانی ماہرین کے تیار کردہ میزائل کا تجربہ کرنا چاہتے تھے جس کا مطلب ہے کہ آپ کے (عارف اعوان) بھارت کے ساتھ تعلقات اسے قابل قبول نہیں ہیں —— (چائے اور نماز کے لئے مداخلت) (اس دوران عارف اعوان بس ہاں۔ ہاں کہتا رہا اور میجر عامر اسے قائل کرتا رہا)

میجر عامر: شیر پاؤ کی کابینہ میں اکثریت کا تعلق اسلامی جمہوری اتحاد کے فارورڈ بلاک سے ہے۔ آپ اعظم آفریدی ایم پی اے کو جانتے ہیں وہ ہمارا بھائی ہے اس نے سیاست میں اپنی جائیداد تباہ کر لی۔ اس نے ساری زندگی سیاسی جدوجہد میں گزار دی ہے۔ اس کو اس کا کیا انعام ملا؟ کوئی نہیں! اس وقت اس کا مقام کیا ہے؟

عارف اعوان: ہاں!

میجر عامر: دوسری بات جو چیف آرمی سٹاف نے کہی تھی وہ یہ ہے کہ وہ دنوں کے اندر سندھ کی صورت حال کو ٹھیک کر سکتے ہیں (مہینوں میں نہیں) اور سندھ میں وہ

صورت حال دوبارہ پیدا کرتے ہیں جو انتخابات سے قبل تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ تم لوگ (عارف سندھی) امن عامہ کی خراب صورت حال کے ذمہ دار ہو۔ اس طرح COAS نے واضح کردیا ہے کہ وہ سندھ کی صورتحال کو بہتر بنا سکتا ہے اور پیپلز پارٹی کے پاس اب سندھ کارڈ موجود نہیں ہے۔

عارف اعوان: ہاں! ٹھیک ہے۔

میجر عامر: COAS نے جو تیسری بات کی تھی وہ یہ تھی کہ بھارت سندھ میں مداخلت کررہا ہے جبکہ پی پی پی والے الزام لگاتے ہیں کہ سندھ میں نواز شریف مداخلت کررہا ہے ——— اسلام آباد میں اس وقت تمہیں سندھی کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آئے گا۔

عارف اعوان: ہاں!

میجر عامر: تیسری بات COAS نے خاتون صحافی کے متعلق کہی جس نے فوج میں Revolt کے بارے میں خبر شائع کی تھی۔

عارف اعوان: ہاں۔ یہ پریس میں آیا تھا

میجر عامر: COAS نے کہا تھا کہ یہ صحافی خاتون وزیراعظم کے ہمراہ سیاچین گئی ——— جبکہ وہ (پی پی پی) کہتے تھے کہ یہ خبر اسلامی جمہوری اتحاد نے شائع کروائی۔ کیا آپ سمجھ رہے ہیں؟

عارف اعوان: جی ہاں!

میجر عامر: فوج کا مقولہ ہے کہ بات صاف اور واضح ہونی چاہئے اور آپ جان لیں کہ COAS کا پیغام واضح اور صاف ہے ——— میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ (بے نظیر بھٹو) کل COAS کے پاس گئی۔ بے نظیر بھٹو کو COAS سے ملاقات کا وقت باربار درخواست کے بعد دیا گیا تھا۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ فوج اس کے ساتھ ہے جبکہ حقیقت میں فوج اس کے ساتھ نہیں ہے۔ آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔ رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔

عارف اعوان: یہ بات درست ہے لیکن اگر وہ (اسلامی جمہوری اتحاد) مرکز میں اقتدار میں آجاتے ہیں تو وہ امور سلطنت کیسے چلائیں گے۔ وہ کئی پارٹیوں اور گروپوں میں بٹے ہوئے ہیں ———

میجر عامر: موجودہ حکومت بھی تو ایک مخلوط حکومت ہے۔ آپ کو (پی پی پی) فاٹا اور ایم کیوایم کی حمایت حاصل ہے ——— اس لحاظ سے صورت حال دونوں طرف ایک جیسی ہی ہے۔ کسی وقت فاٹا کے ارکان ناراض ہوجاتے ہیں اور کسی وقت ایم کیو ایم والے حکومت سے الگ ہونے کی دھمکی دے دیتے ہیں۔ بہرحال کھچاؤ (Tension) موجود ہے ——— ان کے (ایم کیوایم) وزیر صوبے میں موجود ہیں اور وہ (ایم کیوایم) مرکز میں پی پی پی کی حمایت کررہے ہیں

عارف اعوان: ہاں!

میجر عامر: آپ (عارف) میرے ایک قریبی دوست ممتاز کے دوست ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ لوگ آپ (پی پی پی) کے خلاف ہیں۔ فوج آپ کے خلاف ہے۔ صدر آپ کے خلاف ہے اور امریکہ بھی ناراض ہوگیا تو پھر آپ کیسے حکمران رہیں گے۔

عارف اعوان: پی پی پی کو سندھ میں امن عامہ کی صورت حال خراب کرکے کیا مل جائے گا؟ کیونکہ وہاں تو ان کی اپنی حکومت ہے۔

میجر عامر: پیپلز پارٹی والے فوج کو بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پنجاب کو بھی بلیک میل کرنا چاہتے ہیں کہ اگر تم نے ہمیں ہٹایا تو صورت حال تمہارے کنٹرول سے باہر ہو جائے گی۔ لیکن میں آپ کو ایک بات کہہ دوں کہ عبدالحفیظ پیرزادہ نے صدر کے پاس جاکر ان سے ملاقات کی تھی۔ صدر سے ملاقات کرنے کے بعد عبدالحفیظ پیرزادہ نے ایک بیان جاری کیا تھا کہ انہوں نے کنفیڈریشن کا مطالبہ یا تجویز کا معاملہ ختم کردیا ہے۔ اسے بتایا گیا ہے کہ سندھ کارڈ کا استعمال اسے (بے نظیر) کو ہٹانے کیلئے ضروری تھا۔ اسی لئے عبدالحفیظ پیرزادہ نے کنفیڈریشن کے مطالبے کو ختم کردیا ہے۔ اس طرح سندھ کے لوگ اب ہمارے ساتھ ہیں ——— اب آپ دیکھ لیں کہ تمام معاملات درست کردیئے گئے ہیں۔

عارف اعوان: لیکن عبدالحفیظ پیرزادہ سندھ میں حکومت کیسے بنائے گا؟

میجر عامر: سرحد کی طرح جہاں اسلامی جمہوری اتحاد کی اکثریت کے باوجود ——— اسی طرح پی پی پی کے ارکان اسمبلی سندھ میں پیرزادہ کی حمایت کریں گے

عارف اعوان: ٹھیک ہے۔ لیکن یہ کیسے ہوگا؟

میجر عامر: یہ کام وہی حکومت کرے گی جس کو فوج کی مدد حاصل ہوگی' صدر کا جسے تعاون حاصل ہوگا۔ ملک کے سب سے بڑے صوبے پنجاب سے جن کا تعلق ہوگا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ ایسی حکومت فیل ہو سکتی ہے؟ ـــــ جبکہ اس کے برعکس موجودہ حکومت کو کسی کی حمایت حاصل نہیں ہے ـــــ اسے پنجاب' سندھ اور فوج میں سے کسی کی بھی حمایت حاصل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود یہ 9 مہینے تک حکومت کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں ـــــ لیکن اب غور کریں جس حکومت میں تمام اہم رہنما شامل ہونگے اور ٹرائیکا کی اسے مدد حاصل ہوگی کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ حکومت ناکام ہو جائے گی۔ اگر نئی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو ملک میں مارشل لاء نہیں لگے گا۔

عارف اعوان: مارشل لاء نہیں لگنا چاہیۓ

میجر عامر: اس صورت میں مارشل لاء کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہوگی

عارف اعوان: جمہوری اداروں کو اب پھلنے پھولنے کا موقع ملنا چاہیۓ

میجر عامر: یہ سسٹم ناکام نہیں ہونا چاہیۓ ـــــ (مداخلت) میں آپ کو ایک بات بتادوں ـــــ جتوئی وزیراعظم ہوگا ـــــ

عارف اعوان: ہمیں گذشتہ 11 برس کے دوران تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ یہ قوم کیلیۓ ایک مشکل دور تھا ـــــ ہم جیلوں میں موجود رہے ـــــ

میجر عامر: آپ جانتے ہیں کہ اس وقت حاکم علی زرداری کیا کر رہا ہے؟

عارف اعوان: خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔

میجر عامر: اس نے لوٹ کھسوٹ مچا رکھی ہے۔

عارف اعوان: اپوزیشن نے قرضوں کے بارے میں بات کی تھی لیکن اس نے (حاکم زرداری) وہ قرضہ ضیاء الحق کے زمانے میں لیا تھا۔

عارف اعوان: (ماچس لینے کے لئے مداخلت کرتا ہے)

میجر عامر: پنجاب سب سے بڑا صوبہ ہے ـــــ یہ مرکز سے تعاون نہیں کر رہا۔

عارف اعوان: (مداخلت کرتے ہوئے) اس کی وجہ سے فیڈریشن کمزور ہو گئی ہے۔

میجر عامر: آخر میں ان کے پاس صرف سندھ رہ جائے گا۔

عارف اعوان: پنجاب میں صورت حال بہت خراب ہے۔ حتیٰ کہ پولیس بھی

مقدمات درج نہیں کرتی۔ وہ (نواز شریف) اپنے ارکان اسمبلی کی سرپرستی کرتا ہے خواہ ان کا قصور ہو یا نہ ہو۔ کسی آدمی کو اسے بتانا چاہئے ——— اور ہم صرف اپنے ذرائع سے یا بھائیوں سے قرضہ حاصل کر کے گزر اوقات کر رہے ہیں

میجر عامر: وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ ایوب خاں ——— فاٹا کے لوگ صدر کے خلاف نہیں جائیں گے۔ ہم نے 2 ماہ قبل ایم کیو ایم سے ایک معاہدہ کر لیا ہے۔ ایم کیو ایم آخری لمحات میں ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گی ——— آپ کا ذکر (عارف) پہلے بھی کئی مرتبہ آچکا ہے کیونکہ ملک ممتاز سے بات چیت کے دوران آپ کا نام سامنے آیا———

نوٹ: کیسٹ کی اے سائیڈ ختم ہوتی ہے جبکہ اس دوران شرکاء محفل چائے وغیرہ پیتے ہیں اور ہر شخص بیک وقت بول رہا ہے۔ کیسٹ نمبر1 کی بی سائیڈ اس طرح شروع ہوتی ہے

میجر عامر: ضیاء الحق نے آئی ایس آئی کو منظم کیا تھا——— اور مشرقی پنجاب میں آئی ایس آئی کے اپریشن نے پاکستان کو بچایا تھا۔

حاجی گل شیر خاں: (عارف اعوان کو مخاطب کرتے ہوئے) تمہارا کیا خیال ہے اگر سکھوں کی اس میں دلچسپی نہ ہوتی تو کیا پاکستان کو بچایا جا سکتا تھا؟ (مداخلت)

عارف اعوان: ٹھیک ——— میں یہ نہیں سمجھ سکا۔ کیا یہ اتنا ہی برا ملک ہے کہ ہر کوئی ہمیں تباہ کرنے کیلئے تیار نظر آتا ہے۔ دوبارہ غلام بننے کے بعد ہمیں کیا حاصل ہوگا؟

میجر عامر: یہ مسئلہ غلامی کا نہیں ہے۔ آپ اس بات کو اپنے اوپر نہ لیں ——— یہ خاندان کے تعلق کا مسئلہ ہے۔ وزیراعظم کا خاندان نہ تو لاڑکانہ میں رہتا ہے اور نہ ہی اسلام آباد میں——— وہ باہر سے آئے تھے——— وہ صرف بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ ضیاء الحق سے نہیں بلکہ پنجابیوں سے——— فوج پنجابی ہے———

حاجی گل شیر: سندھ والوں نے ان کی حمایت میں ووٹ دیا تھا۔ لیکن سرحد والوں نے لسٹیں لگنے کے بعد ان کے ساتھ شمولیت اختیار کر لی۔ (حاجی گل شیر سرحد والوں کو ماں بہن کی ننگی گالیاں دیتا ہے۔

میجر عامر: میرا ایک انتہائی قریبی دوست ——— یہ لوگ پنجابیوں کے ساتھ مخلص

نہیں ہیں۔ سندھ سے پنجابیوں کی لاشیں آ رہی ہیں۔ یہ لاشیں کیوں آ رہی ہیں —— جبکہ وہ سندھ کی وجہ سے پاکستان پر حکومت کر رہے ہیں —— یہ جام صادق تمہارا مشیر بن گیا ہے۔

عارف اعوان: کیا اس کو (جام صادق کو) مشیر بنا دیا گیا ہے

میجر عامر: ہاں! اسے صوبائی Coordination کا مشیر بنا دیا گیا ہے۔

ملک ممتاز: غور کریں اسے (عارف) اس بات کا بھی علم نہیں ہے۔

عارف اعوان: میری مصروفیات بہت زیادہ ہیں اور لوگ بڑی تعداد میں میرے پاس آتے ہیں۔ لوگ مجھے سونے نہیں دیتے۔ وہ مجھے مناسب وقت پر کھانا نہیں کھانے دیتے۔ میرے پاس سوچنے کے لئے بہت کم وقت بچتا ہے —— آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ میں ایک ہفتے سے آپ کے ساتھ ملاقات کی کوشش کر رہا تھا لیکن مجھے وقت نہ مل سکا۔ آج میں پر سکون نیند لینے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ تمہارا فون آگیا۔ میرے پاس لوگ بڑی تعداد میں آتے ہیں کیونکہ وزراء ان کو Lift نہیں کراتے۔ اور لوگ ہمیشہ میرے پاس مسائل لے کر آتے ہیں (دوسرے اس کی تائید کرتے ہیں) اب میں یہ کیسے جان سکتا ہوں۔ میری بیوی بیمار ہے اور میں کسی ڈاکٹر سے اس بارے میں مشورہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ لیکن ابھی تک میں ڈاکٹر سے ملاقات نہیں کر سکا۔

ملک ممتاز: اب میں آپکا تعارف اس ایم این اے سے (عارف) کروانا چاہتا ہوں۔ اس کے پاس اپنی کار نہیں ہے۔ جب میں نے اسے فون کیا تو اس نے جواب دیا کہ میرے پاس کار نہیں ہے۔ یہ اس وقت آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کے پاس اپنا گھر تک نہیں ہے۔

میجر عامر: یہ آنے والے وقت میں سمجھ جائے گا ——

عارف اعوان: (مداخلت کرتے ہوئے) میں غریبوں کے مسائل کا حل اور ملک کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔

ملک ممتاز: کیا پھر تم کوئی خدمت کرنے میں کامیاب ہوئے ہو؟

عارف اعوان: یہ کیسے ممکن ہے ——

میجر عامر: اب اس جام صادق کو ہی دیکھ لیں۔ اس نے ماضی میں اشوکا ہوٹل دہلی میں ایک ہندو کے نام سے قیام کیا تھا۔ اوور اس کے بھارتی جاسوسی ادارے

RAW کے ساتھ مل کر پاکستان میں تخریب کاری کروانے کیلئے کوشاں تھا۔ آج یہ صوبائی رابطے کا مشیر بن گیا ہے۔ فہمیدہ ریاض نے 7 برس قبل بھارت میں شادی کی تھی۔ اور وہ بھارتی حکومت کے ساتھ منسلک رہی تھی۔ وہ آج تک ایک خصوصی مشن کی تکمیل کیلئے وزیراعظم کے ساتھ ہے۔ بشیر ریاض کو RAW نے۔ ٹریننگ دی تھی۔ اب یہ وزیراعظم کا Speech Writer ہے۔ —— بے غیرت کا بچہ راجیو گاندھی جس نے اسلام آباد بیٹھ کر ہمیں دھمکی دی تھی کہ کشمیر issue اس وقت Exist نہیں کرتا کیونکہ وہاں تین انتخابات ہو چکے ہیں اور لوگوں نے اپنی رائے دے دی ہے —— میں آپ کو بتادوں کہ کشمیر کی آزادی کیلئے جنگ شروع ہو گئی ہے۔ کشمیر ایک دن ضرور آزاد ہو گا۔ بھارت کو چھوڑدیں (راجیو چھوڑ راجیو کا باپ بھی) راجیو بھی اب پاکستان داخل نہیں ہو سکے گا۔

عارف اعوان: ہاں۔

میجر عامر: —— عبدالحفیظ پیرزادہ نے غلام مصطفیٰ جتوئی سے ملاقات کی تھی اور انہیں سندھ نیشنل الائنس کی طرف سے اپنی مکمل حمایت کا یقین دلایا تھا۔ ممتاز علی بھٹو نے رکن قومی اسمبلی قربان علی شاہ کو اپوزیشن کا ساتھ دینے کے لئے تیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے

عارف اعوان: ممتاز بھٹو؟ میرا خیال ہے کہ اس کے جتوئی کے ساتھ بھی خصوصی مراسم ہیں —— قربان علی شاہ کی دو بیویاں تھیں ان میں سے ایک پنجابی اور دوسری سندھی تھی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ پنجابی بیوی ایک طوائف تھی جس کا تعلق ملتان سے تھا۔ وہ اس کا گانا سننے جایا کرتا تھا اور ایک دن اس سے شادی کرلی —— قربان علی شاہ کے دو بہت بڑے بڑے گھر ہیں۔ احمد سعید' طارق رحیم اور میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے سندھ گئے تھے اور ہمیں وہاں جا کر ان باتوں کا علم ہوا۔

میجر عامر: کیا آپ جانتے ہیں کہ یہی طارق رحیم ISI کیلئے 8000 روپے ماہانہ پر کام کیا کرتا تھا۔

عارف اعوان: کیا؟

میجر عامر: خدا کی قسم ——

عارف اعوان: میرے خدا ——

ملک ممتاز: طارق رحیم ISI کیلئے 8000 روپے مہینے پر بطور Paid Agent کام کیا

کرتا تھا ـــــ (اس موقع پر تمام افراد اونچی آوزا میں بیک وقت باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں)

عارف اعوان: آپ مجھ سے حلف لے سکتے ہیں کہ یہاں کی بات یہیں پر رہے گی۔

میجر عامر: میں آپ کو ایک اور بات بتاتا ہوں جسے سن کر آپ حیران ہو جائیں گے۔ راؤ رشید جیسا بڑا آدمی بھی خدا کی قسم ISI کا آدمی تھا۔

عارف اعوان: میرے خدا ـــــ

ملک ممتاز: ہوئے ہوئے خدا!

عارف اعوان: اس طارق رحیم کے بارے میں غلام حیدر وائیں نے مجھے بتایا تھا کہ میں وزیراعظم تک یہ بات پہنچادوں کہ یہ کسی شخص کا وفادار نہیں ہو سکتا۔ یہ اس کو (بے نظیر بھٹو کو) بھی تباہ کرے گا۔ یہ بہت تیز اور کینہ پرور شخص ہے۔ یہ میرے ساتھ کسی مقصد کے بغیر جھوٹے وعدے کیا کرتا تھا۔ (اس موقع پر شرکاء محفل طارق رحیم اور حاجی سیف اللہ کے متعلق اونچی آواز میں اور بیک وقت باتیں کرتے ہیں اور کچھ دیر غیر متعلقہ گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا ہے)

عارف اعوان: اچھا اب مجھے یہ بتائیں کہ یہ طارق رحیم آخر کس طرح بے نظیر بھٹو تک پہنچا اور اس نے اسے اپنی وفاداری کا کس طرح یقین دلایا۔ کیونکہ وہ (طارق رحیم) پی پی پی میں بھی شامل نہ تھا اور اس کا پارٹی میں کوئی عہدہ بھی نہ تھا۔ یہ لاہور کا ایک وکیل تھا۔ اور اس کا باپ بھی سول مقدمات لڑنے کے حوالے سے مشہور تھا ـــــ

ملک ممتاز: میری بات سنیں۔ آپ کن چکروں میں پڑ گئے ہیں۔ حاجی صاحب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔

عارف اعوان: دیکھیں! میری بات سنیں۔ میں ڈر سے کانپ رہا ہوں۔ اوہ میرے خدا! کیا کوئی یہاں ملک سے مخلص بھی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہر شخص پیسے کیلئے کام کر رہا ہے۔

میجر عامر: آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو کچھ بھی علم نہیں ہے ـــــ ہم پوری پوری رات سو نہیں سکتے ـــــ (مداخلت) ـــــ

سینٹر گل شیر خاں: دوستو! خدا پر یقین کر لو۔ مجھ گنہگار پر چاہے یقین نہ کرو۔ ہماری اسمبلی کا اجلاس جاری تھا۔ کیا آپ عبدالمجید جتوئی کو جانتے ہیں جس کا تعلق سندھ

سے ہے۔ وہ میرا بڑا مہربان تھا۔ لا الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ خدا مجھے کافروں کے ٹولے میں اٹھائے اگر میں جھوٹ بولوں۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ ہم کبھی بھی پنجابیوں کے ساتھ نہیں رہیں گے۔

عارف اعوان: عبدالمجید جتوئی کون ہے ——

حاجی گل شیر: ہاں ——

میجر عامر: آپ مجھے یہ بتائیں —— میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فوج کے سربراہ (COAS) نے کہہ دیا ہے کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کو ختم ہونا ہوگا —— فوج کا کوئی شخص اس (بے نظیر) کے بھارت کے ساتھ تعلقات کو برداشت نہیں کرے گا —— (میجر عامر نے آصف زرداری کے بعض غلط کیسوں میں ملوث ہونے کی بھی باتیں کیں)

عارف اعوان: کیا وہ شخص ہمیں جہاز بھیجنا چاہتا تھا۔

میجر عامر: نہیں! وہ درمیان کا آدمی تھا۔ اس کو کہا گیا تھا کہ وہ اس سودے سے خود کو الگ رکھے۔ اس پر 8.5 ملین ڈالر کا کمیشن تھا۔

عارف اعوان: یار کیا ضرورت ہے ان کو اتنے پیسے دینے کی

میجر عامر: لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ ۔ اگر میں جھوٹ بولوں۔ ایک خاص آدمی ان کے بہت قریب تھا۔

عارف اعوان: کیا وہ آپ کا دوست ہے۔

میجر عامر: ہاں! وہ میرا دوست ہے —— اس کو ایک کڑور روپیہ دیا گیا ہے۔

عارف اعوان: کیا اس کا تعلق پیپلز پارٹی سے ہے

میجر عامر: ہاں بالکل ——

عارف اعوان: دو مہینے پہلے یہ رقم ترقیاتی اخراجات کے Cover میں ادا کی گئی تھی۔

ملک ممتاز: تمہارا اب کیا خیال ہے؟

عارف اعوان: کوئی ترقیاتی کام ابھی تک شروع نہیں ہوا۔

میجر عامر: میرا ایک خاص دوست ہے۔

عارف اعوان: کیا اس کا آپ کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔

میجر عامر: نہیں ——

عارف اعوان: کیا اس کے ساتھ آپ کا بھائی چارہ ہے۔

میجر عامر: ہاں! وہ میرے ایک دوست کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ انور عزیز نے اس فرانسیسی شخص کو یہ کہا ہے کہ ان کے ساتھ معاہدہ ختم ہو گیا ہے اور اسے اپنی رقم کے حصول میں مدد فراہم کی جانا چاہیے

عارف اعوان: انور عزیز اس فرانسیسی آدمی کو کہہ رہا ہے کہ رقم کی واپسی میں اس کی مدد کرے۔

میجر عامر: ہمیں نہیں! بلکہ حکومت کو ایسا کہا جا رہا ہے تم بیچ میں پڑ جاؤ

عارف اعوان: وہ یقینی طور پر فرانس میں اہم عہدہ پر فائز ہوگا۔

میجر عامر: ہاں! میں اس کا آپ کے ساتھ تعارف کراؤں گا۔ لیکن ایسا اس وقت وقت کروں گا جب کمیشن کے حوالے سے تمام معاملات طے پا جائیں گے

حاجی گل شیر: ایمان سے میں بھی اس سودے میں حصہ دار ہوں۔

عارف اعوان: کیسے؟

حاجی گل شیر: وہ میرا قریبی دوست ہے ——

میجر عامر: آپ نے پوری کہانی نہیں سنی۔ اس نے کہا کہ اتنی اتنی اصل رقم ہے اور باقی جو رقم بنتی ہے اس کے اوپر پاکستان کو منافع دیا جائے گا۔ شرح منافع کل رقم کا 25 فیصد بنتی ہے۔ خدا کی قسم بیگم بھٹو نے بھی کہہ دیا ہے کہ اس سودے میں اس کا بھی حصہ بنتا ہے جس کی اس کو ادائیگی کی جائے۔

ملک ممتاز: بیگم بھٹو کو بھی اس کا حصہ ادا کرنا چاہیے۔

عارف اعوان: بیگم بھٹو اس رقم کا کیا کرے گی۔ بے نظیر بھٹو بھی شادی شدہ ہے ان کے پاس پہلے ہی کافی جائیداد ہے۔ میرا نہیں خیال کہ اسے اس رقم کی ضرورت پڑے گی۔

میجر عامر: بیگم بھٹو کا کہنا ہے کہ بے نظیر بھٹو نے اپنا گھر بنا لیا ہے۔ یہ میرے بیٹے کا اور میرا اپنا گھر ہے۔

ملک ممتاز: میرے خدا ——

میجر عامر: خدا کی قسم یہ صحیح ہے۔ تم یقین کرو

عارف اعوان: ٹھیک ہے! مجھے یہ بتائیں کہ آپ کیا محسوس کرتے ہیں کہ پنجاب

میں بھی اسی طرح ہو رہا ہے یعنی کہ اس طرح کی لوٹ مچی ہوئی ہے۔

میجر عامر: ہاں

عارف اعوان: اگر ہر شخص لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہے تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟ میں ڈرتا ہوں اگر پاکستان بچے گا تو پھر ہی ہم بچیں گے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آنے والے وقت میں آپ ایک ہی لیڈر کو تسلیم کرلیں۔

میجر عامر: لیڈر کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے

عارف اعوان: وہ کون ہے؟ کیا جتوئی۔

میجر عامر: ہاں

عارف اعوان: کیا ولی خاں جیسے لیڈر بعد میں جتوئی سے لڑیں گے نہیں؟

میجر عامر: نہیں - (مداخلت) مجھے یہ کہنے دیں کہ اس وقت شیرپاؤ سرحد میں ہے شیرپاؤ کے پاس 21 یا 22 آدمی ہیں (ارکان اسمبلی) اس کو نیپ کے 14 ارکان کا تعاون میسر ہے۔ اس کے باوجود اس کے پاس اکثریت نہیں ہے۔ بعد ازاں شیرپاؤ نے 15 آزاد ارکان کی حمایت حاصل کی۔ ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر نیپ نے شیرپاؤ کا ساتھ چھوڑ دیا تو اس کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے شیرپاؤ نے عقل کا مظاہرہ کرتے ہوئے 10 ارکان پر مشتمل ایک ڈیموکریٹک گروپ بنوا دیا ہے۔ اس ڈیموکریٹک گروپ کے ارکان نے اپنا کام اچھے طریقے سے انجام دیا۔ اگرچہ نیپ نے شیرپاؤ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے لیکن اس کی حکومت بدستور قائم ہے۔ اسی طرح کا حربہ ہم مرکز میں پی پی پی کی حکومت کے خلاف استعمال کریں گے آپ جلد ہی دیکھیں گے کہ پی پی پی کے ساتھ 50 سے زیادہ ارکان اسمبلی نہیں رہ جائیں گے۔ جب ان کی حکومت برسر اقتدار آجائیگی ـــــ (مداخلت) ـــــ ولی خاں کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔

عارف اعوان: بہاولنگر سے رکن قومی اسمبلی مخدوم رکن الدین اس وقت ممتاز تارڑ سے ناراض ہے کیونکہ اسے وزارت نہ دی گئی تھی۔ یہ ممتاز تارڑ چوہدری شجاعت حسین کے بہت قریب تھا کیونکہ تارڑ نے ضیاء اور جونیجو کے دور میں فوائد اٹھائے تھے ـــــ کیا قربان علی شاہ کے ساتھ کوئی اور آدمی بھی ہے۔

میجر عامر: قربان علی شاہ کے ساتھ 10 یا گیارہ ارکان اسمبلی موجود ہیں جو ان کا 100

فیصد ساتھ دیں گے۔

عارف اعوان : میری اطلاع کے مطابق یہ ارکان مخدوم کے ساتھ ہیں - کیا ان کا تعلق جتوئی سے بھی ہے۔

میجر عامر: مخدوم؟

عارف اعوان: مخدوم طالب المولا کے آدمی۔

ملک ممتاز: اس موضوع کو چھوڑو صرف اپنے بارے میں بات کرو (عارف)

میجر عامر: میں نے اس کے بارے میں آپ کو بتا دیا ہے۔

عارف اعوان : یہ تو بہت تشویشناک بات ہے۔ گذشتہ گیارہ برس غصے اور مسائل کی نذر ہو گئے۔

میجر عامر: انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

عارف اعوان: وہ کس چیز کیلئے لڑ رہے ہیں

میجر عامر: اگر حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد منظور نہ ہوئی تو پھر میری یہ بات نوٹ کر لو کہ موجودہ اسمبلیاں ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہیں گی۔

ملک ممتاز: کیوں؟ کیا مارشل لاء لگ جائے گا؟

میجر عامر: کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اسمبلیاں قائم نہیں رہیں گی۔

ملک ممتاز : اگر اسمبلیاں توڑ دی گئیں تو کیا ہوگا؟ —— کیا نئے انتخابات منعقد ہونگے یا مارشل لاء لگ جائے گا

عارف اعوان: دو ہی چیزیں ہیں ——

میجر عامر: ہاں! یا دو بارہ الیکشن ہوں گے یا مارشل لاء لگ جائے گا۔ اگر تحریک عدم اعتماد منظور نہ ہوئی۔ کیونکہ اس کے بعد محاذ آرائی حد سے تجاوز کر جائے گی

حاجی گل شیر : اگر آپ اپنے اور اپنے ملک کیلئے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس معاملے پر غور کریں ——

عارف اعوان: ہم نے اس ملک کو کنٹریکٹ کے ذریعے نہیں حاصل کیا تھا ——

میجر عامر: میں آپ کو دوسرا اشارہ دیتا ہوں - جب جنرل امتیاز کے خاندان کو مارشل لاء کے دوران ملک چھوڑنے کی اجازت دی گئی تھی پہلی انہیں اس کی اجازت نہ تھی لیکن بعد ازاں ضیاء الحق نے انہیں یہ اجازت دے دی۔ جنرل امتیاز کے

خاندان کو ٹکٹیں بھی سرکاری فنڈز سے پی آئی اے سے خرید کر فراہم کی گئی تھیں۔ ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی جنرل اختر عبدالرحمٰن نے انہیں VIP ٹکٹیں فراہم کی تھیں۔

عارف اعوان: اس کی وجہ کیا تھی؟

میجر عامر: معاملہ صاف ظاہر ہے۔ حکومت انہیں VIP ٹکٹ دے کر کیوں باہر بھجوائے گی ــــ کیوں؟

عارف اعوان: (مداخلت) ــــ

میجر عامر: پھر جنرل قادر خود کہتے ہیں کہ ــــ میرا نہیں خیال کے یہ لوگ جانا پسند کریں گے۔ ختم ہو جائے گی۔

عارف اعوان: اچھا جی!

میجر عامر: اب اصل پوائنٹ کی طرف آتے ہیں ــــ میں نے آپ کے بارے میں بات کرلی ہے ہم آپ کو اعلیٰ حکام تک لے جائیں گے تاکہ آپ کی حیثیت بھی برقرار رہے۔ میں تجویز پیش کروں گا کہ وہ آپ کو اس کے بعد کچھ رقم بھی فراہم کریں۔ لیکن آپ باعزت انداز میں ان کی مدد کریں ــــ ہم مستقبل میں آپ کی مدد کریں گے۔ ہر چیز فٹ ہے ــــ

عارف اعوان: یہ اس طرح ہونا چاہیے کہ ــــ

میجر عامر: ــــ آپ کے متعلق تمام معاملات ٹھیک ہیں۔

عارف اعوان: اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں وزیراعظم کی کھلم کھلا مخالفت کروں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ جس کشتی میں سب ہیں، ہم بھی اس میں آجائیں گے۔

میجر عامر: میں آپ کو بتادوں کہ پنجاب سے 10 یا 12 ارکان اسمبلی ہمارے ساتھ ہیں۔ 3 کا تعلق سرحد اور 11 کا تعلق سندھ سے ہے۔ ان سب نے ہمیں اپنے تعاون کا یقین دلا دیا ہے۔ پیر آف رانی پور، دونوں Halepotas، قاضی مجید اور نور محمد لنڈ ہمارے ساتھ ہیں۔

حاجی گل شیر خاں: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں (وہ کلمہ طیبہ بھی پڑھتے ہیں) کہ رقم کا معاملہ بھی طے ہو گیا ہے۔ پہلے فیصلہ ہوا تھا کہ رقم میں رکھوں گا۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ رقم ملک ممتاز اپنے پاس رکھے ــــ

میجر عامر: دونوں اپنے پاس رقم نہیں رکھنا چاہتے ـــــــ وہ ہمیں کہتے ہیں کہ کوئی ایسی جگہ بتادیں جہاں گارنٹی دینے والے کے پاس رقم رکھ دی جائے ـــــــ

عارف اعوان: وہ کون ہیں؟

میجر عامر: وہی دونوں Halepotas، پیر آف رانی پور اور نور محمد لنڈ

میجر عامر: میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا۔ (اس موقع پر سب لوگ باتیں کرنا شروع کردیتے ہیں

میجر عامر: میں آپ کو ایک بات کہے دیتا ہوں۔ یہ ارکان اسمبلی (پی پی پی) سب کے سب کاروباری آدمی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی "حلالی" نہیں ہے۔ اگر وہ کاروباری فرد نہ ہوتے تو ایماندار ہوتے۔ اور انہوں نے نواز شریف کو تباہ نہ کیا ہوتا (میجر عامر اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کیلئے میاں نواز شریف کی ماں کو انتہائی گندی گالی دیتا ہے)

عارف اعوان : میں سمجھتا ہوں کہ اس سے ملک کو نقصان نہیں پہنچے گا ـــــــ آخر کار مرکز نے کام بھی تو کرنا ہے ـــــــ

میجر عامر: وہ خود (پی پی پی) ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ وہ بھارت کیلئے کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے افغان Cause کو بھی تباہ کردیا ہے۔ ملک کو جس قدر نقصان پہنچا ہے اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔ کیا آپ نے سیکریٹری داخلہ کا بیان پڑھا ہے۔ وہ فرسٹ گریڈ حرامی ہے کیونکہ وہ ایرانی انڈین ہے۔

ملک ممتاز: ایس کے محمود

میجر عامر: ہاں! وہ بھارت میں جیل میں رہا (شاید وہ جنگی قیدی تھا) اور بھارتی حکام اسے قید میں لڑکیاں سپلائی کیا کرتے تھے۔

عارف اعوان: اس نے کیا بیان دیا ہے؟

میجر عامر: اس نے (ایس کے محمود) کہا ہے کہ پنجاب میں کام کرنے والے 4 افسروں کو مرکز کے پاس رپورٹ کرنا ہوگی کیونکہ وہ سیاست میں ملوث تھے۔ ہم ان افسروں کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور آئی جے آئی نے گیارہ ستمبر کے جلسہ عام میں جو زبان استعمال کی ہے پیپلز پارٹی اس کا اسی انداز میں جواب دے سکتی تھی۔ (یہ پیپلز پارٹی کا چاچا لگتا ہے) میجر عامر ایس کے محمود کو بہن کی ایک

انتہائی گندی گالی دیتا ہے) تم (ایس کے محمود) ایک وفاقی سیکریٹری ہو۔ بھلا تم اس طرح کا بیان کس لئے دے رہے ہو۔

ملک ممتاز: میں یہ بیان پڑھ کر حیران ہو گیا تھا۔

میجر عامر: اور راؤ رشید ! اس کا ان کے ساتھ تعلق ہے ——— (میجر عامر راؤ رشید کے بارے میں انتہائی دھیمی آواز میں کچھ الفاظ کہتا ہے جو صحیح ریکارڈ نہیں ہو سکے)

ملک ممتاز: وہ یہ جان بوجھ کر کر رہے ہیں۔

عارف اعوان: ———(مداخلت)———

میجر عامر: اب اس جنرل نصیر الدین بابر کی طرف دیکھو ! اس کو جنرل فضل حق نے 5 سال قید میں رکھا تھا۔ اس نے اب فضل حق کو جیل میں ڈال دیا ہے۔

حاجی گل شیر: یہ درست ہے۔ میں حلف اٹھا کر کہہ سکتا ہوں۔

ملک ممتاز: کیا جنرل بابر مشیر ہے؟

حاجی گل شیر خاں: ہاں ! (کلمہ طیبہ پڑھ کر) اس نے کہا ہے کہ فضل حق نے مجھے جیل میں 5 سال تک قید رکھا تھا۔ میں اس کو 10 سال تک قید رکھوں گا۔

عارف اعوان: اس نے یہ کب کہا۔

حاجی گل شیر خاں: مجھے یاد نہیں ———

میجر عامر: ایک شخص ایسا بھی ہے جس کا جنرل بابر کی بیوی کے ساتھ تعلق ہے۔ اس نے کئی جگہوں پر کام کیا ہے اور ہر جگہ اس نے فراڈ کیا۔ اس کی عمر 45 سال ہے اور یہ شخص بھی ISI کا Paid Agent تھا۔ اور وہ ہمیں ان کے متعلق معلومات فراہم کیا کرتا تھا۔ جنرل بابر نے اس کو 19 ویں گریڈ میں نوکری دے دی ہے۔ جو جنرل بابر کا رشتہ دار بھی ہے۔ "دیکھیں 50 سالہ شخص کو جو ISI کا سابقہ انفارمر ہے اور اس کے خلاف دھوکہ دہی کے 50 کیس موجود ہیں' اب 19 ویں گریڈ میں کام کر رہا ہے (پکوڑے کھانے والا بہن ——— میجر عامر اسے بہن کی گالی دیتا ہے)

ملک ممتاز: کیا جنرل بابر اس پوزیشن میں ہے کہ وہ یہ کام کرے

میجر عامر: ہاں

حاجی گل شیر خاں: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص نے مجھے بتایا ہے کہ جنرل بابر نے 35 کروڑ روپے کمائے ہیں —— میں خدا کی قسم کھا کر یہ بات کہتا ہوں۔ کابل سے چیزیں لے کر آنے والے اکثر افراد کا کہنا ہے کہ یہ مال جنرل بابر کا ہے۔ اس سے زیادہ میری زبان نہ کھلواؤ۔

میجر عامر: جہاں تک اسلامی جمہوری اتحاد کے رہنماؤں کا تعلق ہے وہ ملک دشمن نہیں ہیں۔ پنجاب کی قیادت پاکستان کی مخالف نہیں ہے۔ جبکہ انہوں (پی پی پی) نے دشمن کے ایجنٹوں کو نوکریاں دے دی ہیں (میجر عامر پی پی پی کو بہن کی گالی دیتا ہے) یہ لوگ جان بوجھ کر یہ کام کر رہے ہیں۔ قربان علی شاہ امریکہ جائے گا اور وہ فرانس جائیں گے۔ جبکہ غریب لوگ مشکلات کا شکار ہیں —— میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ COAS نے کہہ دیا ہے کہ بے نظیر کو رخصت ہونا ہوگا۔

ملک ممتاز: کیا تم ان کے عینی شاہد ہو

گل شیر خاں: بالکل۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ —— غلام اسحاق خاں نے مجھے کہا ہے کہ میں اس کے پاس رات کے 12 بجے بھی آسکتا ہوں۔

ممتاز ملک: غلام اسحاق خاں نے یہ بات تمہیں کہی ہے؟

گل شیر خاں: ہاں

ملک ممتاز: اچھا تو یہ بات ہے۔ حاجی صاحب میرا خیال تھا کہ آپ سیاستدان نہیں ہیں لیکن آپ کو میں! ——

حاجی گل شیر خاں: سب خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب کبھی بھی میں نے اسے (غلام اسحاق خاں کو) ٹیلی فون کیا ہے وہ مجھے میری مرضی کا وقت دیتا ہے جبکہ دوسروں کو وہ اپنی سہولت کے مطابق کا وقت دیتا ہے۔

ملک ممتاز: حاجی صاحب آپ نے میرا کوئی کام نہیں کیا ——

حاجی گل شیر خاں: یقین کرو —— (حاجی صاحب ایک نامعلوم شخص کو گالیاں دیتے ہیں

میجر عامر: میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں۔ یہ ایسا ملک ہے جہاں چور اچکوں کا عمل دخل ہے۔ ان لوگوں نے ہر جگہ چور اچکے بیٹھا رکھے ہیں۔ ان سب سے 50 فیصد

سے زائد وہ لوگ ہیں جو بدعنوانی کے حوالے سے بدنام ہیں اور وہ سابقہ حکومت میں بھی کام کر چکے ہیں۔ یہ قاسم شاہ کون ہے؟ یہ طارق رحیم کون ہے؟ یہ احسان الحق پراچہ کون ہے؟ اور نواز شریف کا ایک وزیر ——— (نام سمجھ میں نہیں آئے)

گل شیر خاں: ——— یا کوڑے کھاؤں یا عیش کروں۔ (لگتا ہے کہ وہ عارف اعوان کو دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرنے پر تیار کر رہا ہے)

عارف اعوان: مجھے کیا کہنا چاہئے؟———

گل شیر خاں: آؤ اب سودا مکمل کریں———

میجر عامر: ——— میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا——— آپ کو اپنے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ہی لے کر جانا ہوگا۔ تا کہ ان کی آئی جے آئی کے لیڈروں سے بات ہو سکے———

ملک ممتاز: ———کیا؟———

عارف اعوان: اسلامی جمہوری اتحاد کے ساتھ ——— اسی موضوع پر جس پر تم بات کر رہے ہو۔ جب حاجی گل شیر خاں نے مجھ سے بات کی تھی تو میں تو ان سے پوچھا تھا کہ کیا تمہارے پاس اختیارات ہیں———

میجر عامر: میں آپ کو ایسے عزت دار آدمی کے پاس لے جاؤں گا جو بہت پڑھا لکھا ہے اور اس کے پاس اختیارات بھی ہیں۔ وہ آپ سے بات کر کے سودا فائنل کرے گا۔ وہ آپ کی مالی طور پر مدد کریں گے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود کو جنس کی طرح فروخت کر دیتا ہے اور پیسہ لے لیتا ہے لیکن ہم یہ کام دوسرے طریقے سے کریں گے تا کہ آپ سیاست میں زندہ رہ سکیں۔ اور ان کی نظروں میں آپ کی پوزیشن بھی برقرار رہے۔

عارف اعوان: پھر طے کیا ہوا ہے———

میجر عامر: میں آپ کی ملاقات ملک نعیم ایم این اے سے کراؤں گا——— (میجر عامر بہت آہستہ آواز میں نام لیتا ہے)

عارف اعوان: کون؟

میجر عامر: ملک نعیم

ملک ممتاز: ملک نعیم وہی جس کا تعلق خوشاب سے ہے

میجر عامر: وہ بہت سمجھ دار آدمی ہے ———

عارف اعوان: میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ اس سودے کے بارے میں زیادہ لوگوں کو علم ہو ——— کیونکہ مجھے ابھی اپنے ساتھیوں کو بھی راضی کرنا ہے میں ان سے کہوں گا یہ ان کی طرف سے یہ پیشکش ہے۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں انہیں کیا کہوں کہ آپ کی طرف سے کون سی پیشکش ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سے یہ بات انہیں اعتماد میں لینے کے بعد کروں گا۔ لیکن یہ بات صرف اسی صورت میں کر سکوں گا جب میرے پاس کوئی پیشکش ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر ایک آدمی 10 کروڑ روپے مانگ لیتا ہے تو ——— یہ سب کچھ ممکن ہے میں ان کے بارے میں اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسلئے آپ جو بھی دینا چاہتے ہیں یعنی وزارتیں یا رقم۔ لیکن اس کی پیشکش آپ کی طرف سے ہوگی۔ ان چاروں کو 2 وزارتیں یا ایک وزارت اور دوسرے کو مشیر کا عہدہ دینا ہوگا۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہمارے ساتھ ایک ایم پی اے بھی ہے۔ آپ نے ایک وزارت کی پیشکش کی تھی لیکن ان حالات میں 2 وزارتیں ملنی چاہئیں ———

ملک ممتاز: چلیں اب چلتے ہیں۔ آپ Deal کو Finalise کر سکتے ہیں۔ اس وقت مجھے کسی اور جگہ بھی جانا ہے۔

میجر عامر: نہیں۔ نہیں۔ پلیز ———

عارف اعوان: مجھے یہ بتائیں کہ میں اپنے ساتھیوں کو کیا بتاؤں

ملک ممتاز: مجھے وضاحت کر لینے دیں۔ ہم آپ کی ملاقات سیاستدانوں سے نہیں کروائیں گے۔ ہمارے مشترکہ دوست ہیں (جو ان کا بھی دوست ہے اور میرا بھی دوست ہے) وہ آپ کو نام بتائے گا۔ آپ اس سے ملاقات کریں گے اس کے بعد آپ کی نواز شریف کے ساتھ ملاقات کا بندوبست کیا جائے گا۔ اس معاملے میں کوئی دوسرا شخص نہیں آئے گا۔ کوئی رکن قومی اسمبلی بھی اس معاملے میں نہیں آئے گا۔

عارف اعوان: میری بات غور سے سنیں۔ میں صرف اپنے بارے میں بات کروں گا۔ ہم 4 لوگ ہیں (MNA) اس کے علاوہ ایک ایم پی اے جس نے میاں نواز شریف کو شکست دی تھی۔ اس طرح ہم ٹوٹل 5 لوگ بنتے ہیں۔

میجر عامر: ٹھیک ہے۔

عارف اعوان: اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کے آدمیوں نے ایک دوسرے ایم این اے سے رابطہ قائم کیا ہے جو اکیلا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے رابطے جاری ہیں ——

میجر عامر: ہاں! جاری ہیں۔ جاری ہیں۔

عارف اعوان: انہوں نے اسے کہا تھا کہ تم اپنی پسند کی وزارت قبول کرلو۔ اور میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف اس بات کی یقین دہانی کرائیں گے کہ ان کے ساتھ کئے جانے والے وعدے پورے ہونگے —— میں اس کے نام کا انکشاف نہیں کرنا چاہتا۔ حالانکہ اس نے مجھے بتادیا تھا کہ فلاں شخص سے اس کی ملاقات ہوئی ہے جو کافی اثر ورسوخ کی اہمیت کا حامل ہے

میجر عامر: صحیح ہے۔

عارف اعوان: اس آدمی نے (ایم پی اے) مجھے اعتماد میں لے کر کہا ہے کہ میں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ میں آپ کی تجویز پر غور کروں گا۔

میجر عامر: صحیح ہے۔

عارف اعوان: جب ہم اکٹھے بیٹھتے ہیں تو ہم بہت ساری باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ ہم Confidential معاملات پر بھی بات کرتے ہیں۔

میجر عامر: آپ Discuss کرسکتے ہیں ——

ملک ممتاز: آپ کو ان کے بارے میں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے

عارف اعوان: اب میری بات غور سے سنیں۔ مجھے کم از کم انہیں یہ تو بتانا چاہئے کہ ہمیں حاصل کیا ہوگا۔

میجر عامر: ہاں!

ملک ممتاز: آپ ان کو یہ بات بتاسکتے ہیں۔

عارف اعوان: اس کا مطلب ہے کہ میں انہیں بتادوں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر آدمی کی خواہش مختلف ہوتی ہے۔ میں ان کو کہہ دونگا کہ میرے ذرائع ہیں تم غور کرلو ——

میجر عامر: میں آپ کو کہوں گا —— آپ ان کو کہیں کہ میرے پاس کچھ اطلاعات

ہیں کچھ لوگوں نے مجھ سے ملاقات کی ہے ـــــ جتوئی کے ساتھ لوگ ہیں۔ ان میں 10 سے 15 لاکھ تک کے لوگ شامل ہیں۔ انہیں بتادو کہ تمہیں یقین نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ 10 لاکھ ہو۔ ممکن ہے کہ 15 لاکھ ہو۔ ہم آپ کے کام کروائیں گے۔ اگر 4 آدمی مل رہے ہوں تو ان کو ایک وزارت بھی ملے گی۔

عارف اعوان : میں کچھ سگنل جاننا تھا تا کہ میں ان سے اعتماد کے ساتھ بات کر سکوں۔

میجر عامر: ـــــ میں جانتا ہوں کہ پیپلز پارٹی کے جیالے کارکن کسی غرض کے بغیر کام کر رہے ہیں۔ وہ صرف اپنی وابستگی کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔

عارف اعوان : ابھی تک اس کا علم نہیں ہے کہ میرے دوست کیا کہیں گے اور میں کیا فیصلہ کروں گا۔ اسی بات کا امکان ہے کہ وہ کہیں کہ ٹھیک ہے رقم لے لو۔

میجر عامر: فاٹا کو جس کا نام قادم خاں تھا 25 لاکھ روپے دیئے گئے

نوٹ: (کیسٹ نمبر 1 ختم ہوتا ہے)

ٹاپ سیکرٹ

آئی بی یو او نمبر بی ایس او / جے ڈی آئی / 0-89 / 25-10-89

آپریشن مڈ نائیٹ جیکال

کیسٹ نمبر 2 کی تفصیل جو مورخہ 29/ ستمبر 1989ء کی رات کو ریکارڈ کی گئی

سائیڈ اے:

عارف اعوان : اسی لئے میں کہہ رہا ہوں کہ وہ زبانی طور پر بھی لالچ دینے سے اصل پوائنٹ کی طرف آجائیں گے۔ وہ اس بات سے لاعلم ہیں کہ مستقبل میں سیاسی افق پر کیا ہونے والا ہے۔

میجر عامر: ٹھیک ہے۔

عارف اعوان : ہم Sleeping partners ہونے کی وجہ سے اس معاملے میں بڑی حد تک لاتعلق ہیں۔ ہم اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے آتے ہیں اور اجلاس میں شرکت کرکے واپس چلے جاتے ہیں۔ پھر ووٹروں سے گالیاں کھاتے ہیں اور اگلے دن دوبارہ اسمبلی میں چلے جاتے ہیں۔ یہاں ہم کسی کو نہیں جانتے اور ہمیں کوئی نہیں جانتا۔

میجر عامر: ہم یقینی طور پر یہ نہ چاہیں گے کہ ——— (سینیٹر گل شیر مداخلت کرتا ہے)

سینیٹر گل شیر خان :——؟ لاکھ 28 ہزار اس پر خرچہ ہو چکے ہیں ——

(دوبارہ مداخلت)

ملک ممتاز : میری بات سنیں ! ہم نے جو کچھ باہر Discuss کیا ہے میں اس کا لب لباب بیان کئے دیتا ہوں۔ ہم آپکا اپنے ایک قریبی دوست کے ساتھ تعارف کروائیں گے جو سیاستدان نہیں ہے۔ اس کا نام بریگیڈیر امتیاز ہے۔ وہ آپ سے براہ راست معاملہ طے کرے گا۔ پھر وہ آپ کو وزیر اعلیٰ کے پاس لے جائے گا جہاں آپ اپنی Deal کو فائنل کر سکیں گے۔ آپ 4 یا 5 لوگ ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ 4 ارکان قومی اور ایک رکن صوبائی اسمبلی جاکر ان سے بات کرلیں۔

میجر عامر: ہم ان کو زبانی طور پر بتا دیں گے۔ آپ اس معاملے پر ان سے بحث کر لیجئے گا۔

عارف اعوان: ٹھیک ہے۔

ملک ممتاز : آپ کو پہلے رقم چاہیئے یا وزارت' میں کہتا ہوں کہ مجھے وزارت چاہیئے——

عارف اعوان : میری بات سنیں ! میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں جو بھی آپ کہیں گے مجھے منظور ہو گا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ ابھی تک میں نے کسی ایک سے بھی بات نہیں کی۔ اور ابھی تک ہم نے صرف اکٹھے رہنے کا ہی فیصلہ کیا ہے۔ اب میں ان کو صرف اتنا کہوں گا کہ میرے پاس ایک ایسا آدمی ہے جو ان سے ملاقات کا انتظام کر سکتا ہے۔ میں ان سے پوچھوں گا کہ آپ کی خواہش کیا ہے اور آپ کی ضرورت کیا ہو گی۔ اس لئے آپ میری بات سنیں میں آپ کو اس کے بعد ہی کچھ بتا سکوں گا ہم اس موضوع پر بات کیا کرتے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کی خواہشات بہت زیادہ ہوں گی۔

میجر عامر: کتنی زیادہ؟

عارف اعوان : آپ مجھ کو سمجھ نہیں رہے۔ میں آپ کو کیسے بتا سکتا ہوں۔ میں ان کو صرف یہی بتاؤں گا کہ میری ایک شخص کے ساتھ ملاقات ہوئی'

جس نے ذمہ دارانہ انداز میں مجھ سے بات کی ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں تو میں ان سے (میجر عامر سے) بات کروں گا۔ نہ ہی وہ مجھ سے پوچھیں کہ جس آدمی سے میری بات ہوئی ہے وہ کون ہے اور نہ ہی انہیں میں خود یہ بات بتاؤں گا۔

میجر عامر: ٹھیک ہے ایک چیز اور بھی ہے جتوئی نے ایک شخص کو 7 لاکھ روپے دئیے تھے لیکن اس آدمی نے یہ رقم آج وزیر اعظم کے حوالے کر دی۔ اگر اس نے رقم فنڈ میں دی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وزیر اعظم نے یہ رقم کیوں قبول کی۔ میں اس آدمی کے پاس گیا اور اس سے بات کی لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسے اس معاملے کا قطعاً کوئی علم نہیں ہے ــــــ

ملک ممتاز: او کے! اب میں دوبارہ نہیں آؤنگا کیونکہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

عارف اعوان: اب میں اتوار کو آوں گا۔

میجر عامر: تحریک عدم اعتماد ــــــ (وہ بہت آہستہ آواز میں بات کرتے ہیں جس کی سمجھ نہیں آتی)

عارف اعوان: رقم لے کر کام کیا جائے یا رقم کے بغیر' اس کے بعد ایک شخص کی پوزیشن کیا ہوتی ہے وہ وہی جانتا ہے جو اس کا سامنا کرتا ہے۔ ایک نہ ایک دن یہ راز کھل ہی جاتا ہے اور لوگ اس کو گالیاں دیتے ہیں کہ اس شخص نے خود کو بیچا تھا۔

میجر عامر: کوئی کچھ نہیں کہتا ــــــ

عارف اعوان: میری بات سنیں۔ ہر شخص یہی کہے گا کہ میں ـــ رقم لی تھی۔

ملک ممتاز: ہاں

عارف اعوان: ہر کوئی یہ کہے گا اور کوئی بھی نہیں مانے گا۔ اس کا دھبہ ہم پر ہو گا' آپ اس بات سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔

میجر عامر: اب آخر طے کیا پایا ہے

عارف اعوان: طے یہ پایا ہے کہ میں دوبارہ اتوار کو آوں گا

میجر عامر: آپ کہاں جا رہے ہیں؟

عارف اعوان: گھر

میجر عامر: دوسرے کدھر ہونگے۔

عارف اعوان: وہ بھی گھر جارہے ہیں کیونکہ اب دو چھٹیاں ہیں۔ میں آپ کے ٹیلی فون کی وجہ سے آگیا ہوں۔ میں نے کل صبح کے لئے سیٹ بک کروالی ہے۔

میجر عامر: ان کے نام کیا ہیں۔ ایک کا نام رائے رشید ہے۔

عارف اعوان: ایک کار میں چلا گیا ہے' دو جہاز کے ذریعے چلے گئے ہیں جبکہ رکن اسمبلی میرے ساتھ ہے۔

ملک ممتاز: ایک کا نام پنوں ہے۔

میجر عامر: اور ایک رائے رشید۔

عارف اعوان: میں اتوار کو آؤں گا میں اپنی بیوی کو ہسپتال لے کر جاؤں گا شام کے وقت اسمبلی کے سیشن میں شرکت کروں گا اور اتوار کو اپنے ساتھیوں سے ملاقات کروں گا۔ اب میں ان سے ان کے گھر ملاقات نہیں کر سکوں گا۔ اگر آپ مجھے اسی دن مل لیتے تو آج معاملات حتمی شکل اختیار کر چکے ہوتے۔

میجر عامر: اگر میں آؤں گا تو بہتر ہو گا ہماری گفتگو علیحدگی میں ہو۔ کیا میں آپ کی اپنی ہمارے ساتھ شمولیت کی بات کر سکتا ہوں؟

عارف اعوان: میں اس موضوع پر آپ سے دوبارہ بات کروں گا ——— جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں اس پر غور کروں گا۔ اگر میں نے محسوس کیا کہ میں اکیلا ہوں۔———

میجر عامر: میں یہ اسلئے کہہ رہا ہوں کہ ممکن ہے کہ آپ سے دوبارہ ملاقات سے قبل ہی وہ تحریک عدم اعتماد پیش کردیں۔

عارف اعوان: ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔

حاجی گل شیر خاں: آپ روانہ ہو جائیں

عارف اعوان: آپ فکر نہ کریں ——— ہم دوست ہیں ——— اگر ہم موقع ضائع کردیں تو اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ہم اس کے بعد آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

میجر عامر: میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ میں آپ کو مزید باتیں بھی بتا سکتا تھا لیکن انہیں سن کر آپ کا موڈ خراب ہو جائے گا۔

عارف اعوان: نہیں میرا موڈ کس لئے خراب ہو گا

میجر عامر: خدا کی قسم آپ کو فائدہ نہ پہنچایا تو ———

عارف اعوان: حقیقت میں ہم اکھٹے حلف اٹھا چکے ہیں

میجر عامر: آپ بات کریں

عارف اعوان: معاملہ یہ ہے کہ میں حلف سے روگردانی کیسے کر سکتا ہوں۔ ہم جو فیصلہ بھی کریں گے اکھٹے کریں گے۔ اگر میں نے اپنا الگ فیصلہ کیا تو میں تنہا ہو جاؤں گا۔

گل شیر خان: تم ان سے کہہ دینا کہ تم نے مجھے ذہنی طور پر تیار کر لیا ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے ———

میجر عامر: اور ان کو ضرور بتانا میرا یہ ایمان ہے کہ یہ بات ملک کے مفاد میں ہے

عارف اعوان: او کے! آپ نے ہمیں بہت ساری نئی باتیں بتائی ہیں۔

میجر عامر: آپ ان سے کہئے گا کہ یہ ملک کے مفاد کا معاملہ ہے' خدا ہم پر اپنا کرم کرے۔

عارف اعوان: مجھے ان باتوں کا پہلے علم نہ تھا جو آج آپ نے بتائی ہیں۔

ٹاپ سیکرٹ

آئی بی یو او نمبر پی ایس او / جے ڈی آئی / 0-89 / 89-10-25

آپریشن مڈ نائیٹ جیکال

بریگیڈئر امتیاز : اب میں آپ کو واقعات سے آگاہ کرتا ہوں اور باقی سب کچھ آپ پر چھوڑ دیتا ہوں۔ آئی ایس آئی آپ کا قومی ادارہ ہے اور میں ایک بار پھر کہوں گا کہ ——— (مداخلت)

ملک ممتاز : آپ کو احتیاط کرنی چاہئے کیونکہ آپ کی گفتگو صرف ان معاملات کے متعلق ———

بریگیڈئر امتیاز : میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ بھارت کی خفیہ ایجنسی RAW' امریکہ کی خفیہ ایجنسی CIA' اسرائیل کی موساد اور دنیا کے دوسرے ممالک کی انٹیلی جینس ایجنسیاں آئی ایس آئی سے خوف زدہ ہیں۔ بھارت حکام یہ جانتے ہیں کہ انہیں پہلے آئی ایس آئی کو تباہ کرنا ہو گا۔ آپ نے لازمی طور پر Brass Tacks کے بارے میں سنا ہو گا جس کے بارے میں تفصیلات کو پریس نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔ (باقی افراد اس کی تصدیق کرتے ہیں) میں آپ کو یہ لازمی طور پر بتانا چاہتا ہوں کہ بھارت نے اس فوجی مشق کے دوران پاکستان پر بھرپور قسم کا حملہ کر دیا ہوتا۔ جس کے دوران وہ پاکستان کے

ایک صوبے سندھ پر قبضہ کر لیتے۔ بھارت نے اس حملے کی منصوبہ بندی اس طرح کی تھی کہ پاکستان کی فوجیں چھاؤنیوں میں موجود ہوتیں اور وہ حملہ کر دیتا۔ یہ آئی ایس آئی ہی تھی جس نے بھارت کی فوجی مشق کے ٹاپ سیکرٹ نقشے حاصل کر لئے اور فوج کو اس کے بارے میں آگاہ کر دیا۔ (یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ بھارت میں اس وقت کے تعینات ڈیفنس اتاشی بریگیڈیئر زیڈ آئی عباسی اس ساری کوشش کے پیچھے تھا۔ یہ زیڈ آئی عباسی کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے مذکورہ نقشے حاصل کئے لیکن اس کا کریڈٹ آئی ایس آئی لیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈیفنس اتاشی اپنی تمام رپورٹیں آئی ایس آئی کو ارسال کیا کرتے تھے۔ زیڈ آئی عباسی کو اس دوران بھارتی انٹیلی جنس نے گرفتار کر لیا اور انہیں مارا پیٹا گیا۔ اور بعد ازاں انہیں ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر بھارت سے نکال دیا گیا۔ لیکن مسٹر عباسی کی وطن واپسی پر ترقی روک دی گئی جس کی بنیاد یہ بنائی گئی کہ انہوں نے این ڈی سی سے کورس مکمل نہیں کیا۔ حالانکہ انہوں نے برطانیہ سے این ڈی سی کورس کے برابر ایک کورس مکمل کیا تھا) یہ آئی ایس آئی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ افواج پاکستان کو بھارتی فوجی مشقوں کے آغاز سے 3 ماہ قبل ہی سرحدوں پر اس انداز میں تعینات کر دیا گیا کہ وہ نہ صرف ہر قسم کے بھارتی حملے کو روکنے کے لئے تیار تھیں بلکہ فوج نے جوابی حملہ کرنے کی بھی تیاری مکمل کر لی تھی۔ ہم نے بھارت میں موجود لوہے کی مضبوط الماریوں میں سے ان کاغذات کو نکالا اور ان کی فوٹو کاپی کروا کر پاکستان بھجوا دی۔ اس وجہ سے پاکستان کے چیف آف دی آرمی شاف نے ملتان ڈویژن میں ایک ڈویژن فوج تعینات کر دی جس کی کمان حمید گل نے کی جو بعد ازاں آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل بنے۔ حمید گل نے فوج کو اس انداز میں تعینات کیا تھا کہ ایک دن راجیو گاندھی کو ناشتے کی میز پر ایک بھارتی انٹیلی جنس آفیسر نے بتایا کہ ملتان میں تعینات کی جانے والی ایک ڈویژن فوج کی Location کے بارے میں ابھی تک پتہ نہیں چل سکا۔ یہ سن کر راجیو گاندھی کے ہاتھ سے وہ چمچہ گر گیا جس کو وہ پکڑے ہوئے تھا۔ یہی وہ وقت ہے جب راجیو گاندھی نے بھارتی فوجیوں کو واپس بلوانے کا حکم دیا (یہ ایک خود ساختہ کہانی ہے کیونکہ بھارتی فوجوں کو واپس نہیں بلایا گیا۔ اور بھارتی فوجیں مشقیں Brass Tacks مقررہ مدت تک جاری رہیں) بھارتی فوجوں کی واپسی صرف آئی ایس آئی اور راجیو گاندھی کو ناشتے کی میز پر ملنے والی اطلاعات کے نتیجے میں ممکن ہوئی یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ بھارتی رسالے میں بھی شائع ہو چکا ہے ——— یہ سب کچھ روزنامہ "انڈیا ٹوڈے" میں شائع ہوا ہے

میجر عامر: (اس موقع پر بات کاٹتے ہوئے کہتا ہے کہ) راجیو گاندھی حال ہی میں پاکستان آیا تھا۔ اس کے ساتھ 120 کمانڈوز تھے۔ ہالی ڈے ان ہوٹل اور اسلام آباد ایر پورٹ ان کمانڈوز کے قبضے میں تھا۔ (میجر عامر شکوہ کرتا ہے کہ) آئی ایس آئی کو راجیو گاندھی کے فنکشن میں جانے سے روک دیا گیا۔ جبکہ کشمیر کو مقبوضہ کشمیر پاکستان کے طور پر راجیو گاندھی کے سامنے پیش کیا گیا جس کا کشمیری رہنماؤں نے سخت نوٹس لیا۔

بریگیڈیر امتیاز: (میجر عامر کی تائید کرنے کے بعد) میں کہتا ہوں کہ یہ آئی ایس آئی ہی تھی جس نے افغانستان میں جہاد کیا اور سکھوں کے ذریعے بھارت کو ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے قریب کر دیا۔

عارف اعوان: میں جانتا ہوں کہ سکھوں کو فیصل آباد جیل میں رکھا گیا تھا اور انہیں بھارت بھجوایا گیا ——— (رینجرز فورس کا ذکر آتا ہے جو واضح نہیں)

بریگیڈیر امتیاز: (سکھوں کے کردار پر 30 سیکنڈ بحث ہوتی ہے جس کے بعد بریگیڈیر امتیاز کہتا ہے کہ) اب ہماری وزیر اعظم نے سکھوں کی فائیل بھارت کو فراہم کر دی ہے اور یوں فائلیں قربان کر دی گئی ہیں (بریگیڈیر امتیاز ممتاز کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ) وزیر اعظم نے بھارت کو جو فائلیں فراہم کی ہیں ان میں اس بات کو ظاہر کیا گیا ہے کہ آئی ایس آئی سکھوں کے معاملے میں مداخلت کر رہی ہے۔

ملک ممتاز: خدا کی قسم یہ درست ہے۔ پیپلز پارٹی نے آئی ایس آئی کو تباہ کر دیا ہے۔

عارف اعوان: آئی ایس آئی میں جو نیا آدمی (جنرل کلو) لگایا گیا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

بریگیڈیر امتیاز: اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

میجر عامر: جنرل کلو نے کبھی انٹیلی جینس میں کام نہیں کیا۔ وہ کچھ نہیں جانتا' اسے آئی ایس آئی کے بارے میں کیا علم ہو سکتا ہے؟

عارف اعوان: آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں اس نے تو تمام زندگی کام ———

بریگیڈیر امتیاز: اسے انٹیلی جینس کے بارے میں اے بی کا بھی پتہ نہیں ہے۔

بہر حال اس معاملے کو ختم کرتے ہیں جب دوسرے بھائی (ارکان اسمبلی) آجائیں گے تو پھر سب کو مزید سٹوری بتاؤں گا۔ اگر وہ (جنرل کلو) اچھا ہوتا تو افغانستان میں صورت حال بہتر ہو چکی ہوتی۔

میجر عامر: کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ انہوں نے ایک ریٹائرڈ آدمی کو آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر جنرل بنا دیا ہے۔

بریگیڈئر امتیاز: آئی ایس آئی کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ آئی ایس آئی کے تمام اچھے کارکنوں کو آپ نے (پی پی پی نے) آئی ایس آئی سے نکال کر پھینک دیا ہے۔ اور جن لوگوں کو آپ نے آئی ایس آئی میں شامل کیا ہے ان کو آئی ایس آئی کے مشن سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور بس وہی کام کر رہے ہیں جو کام انہیں کرنے کو کہا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس معاملے کی اہمیت سے لازمی طور پر آگاہ ہونگے۔ سادہ الفاظ میں میں بس یہی کہوں گا کہ آئی ایس آئی کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ ہم نے بھارت میں تعینات کرنے کے لئے 300 افسروں کو بھرتی کرنے کی منظوری لی تھی (اگر یہ درست ہے تو پھر اس انکشاف کے الزام میں سیکریٹ ایکٹ کے تحت مقدمہ بن سکتا ہے) یہ 300 افسر بھارت روانہ ہونے کے لئے تیار تھے کیونکہ اس مقصد کے لئے احکامات جاری کر دیے گئے تھے ــــــ ان افسروں نے بمبئی جانا تھا ــــــ اب آج سروہی کے معاملے کو ہی دیکھ لیں اس کا مقصد فوج کو تباہ کرنا تھا سروہی ان کا ٹارگٹ نہ تھا ــــــ حقیقت میں ٹارگٹ مرزا اسلم بیگ تھا۔

عارف اعوان: اوہ! کیا یہ ایسا ہی تھا؟

بریگیڈئر امتیاز: آپ دیکھ لیں کہ اگر 3 سال کی مدت کی دلیل دے کر سروہی کو ہٹایا جاتا ہے تو پھر مرزا اسلم بیگ کو بھی 23/مارچ 1990ء کو رخصت ہونا ہوگا ــــــ سروہی کے معاملے کو وہ بنیاد بنا کر اسلم بیگ کو ہٹانا چاہتے تھے ــــــ حکومت مرزا اسلم بیگ کو پسند نہیں کرتی کیونکہ اپنی پریس کانفرنس میں مرزا اسلم بیگ نے اس بات کا ذکر کیا تھا کہ ــــــ

ملک ممتاز: نہیں جناب! پہلے آپ ہمیں مرزا اسلم بیگ کے بارے میں کچھ بتائیں اور یہ بھی واضح کریں کہ مرزا اسلم بیگ کی جمہوریت کی بحالی سے کیا

مراد ہے ــــــ

بریگیڈئر امتیاز : دیکھو ممتاز ! آج یہ خاتون (بے نظیر) وزیر دفاع ہے اور وزیراعظم کے عہدہ پر فائز ہے۔ اگر وہ کہتی ہے کہ میں GHQ آرہی ہوں تاکہ کچھ معاملات کو زیر بحث لایا جاسکے تو اس صورت میں COAS سوائے اس کے کیا کر سکتا ہے کہ وہ اس کا استقبال کرے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ مرزا اسلم بیگ کو کیا کرنا چاہیے؟ وہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر یہ تاثر دے کہ یہ عورت (وزیراعظم) GHQ میں داخل نہیں ہو سکتی۔ (چند لمحے گرما گرم بحث ہوتی ہے) مرزا اسلم بیگ مارشل لا لگا کر بے نظیر کو شہید نہیں بنانا چاہتے کیونکہ اس وقت یہ عورت اپنی موت خود مر رہی ہے اور بیگ مارشل لا لگا کر اس کو نئی زندگی نہیں دینا چاہتا ــــــ یہی وجہ ہے کہ چیف آف دی آرمی سٹاف کہتا ہے کہ مارشل لا مسائل کا حل نہیں ہے اور جمہوریت کو اپنے انداز میں چلنے کا موقع دینا چاہیے۔

ملک ممتاز : جناب یہ بتائیں کہ اگر بے نظیر کی حکومت ختم ہوتی ہے اور جتوئی اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کامیاب نہیں ہوتا ــــــ کیا پھر دوبارہ الیکشن ہوں گے اور اگر الیکشن کے نتیجے میں پی پی پی دوبارہ کامیاب ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حالات کیا ہوں گے۔

بریگیڈئر امتیاز : چھوڑو ممتاز ! اس بحث پر بہت وقت ضائع ہو جائے گا۔ ہمیں اس چکر میں نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ تمام منصوبہ بندی مکمل ہو چکی ہے اور یہ طے پا چکا ہے کہ (بے نظیر بھٹو کو) اسے رخصت ہونا ہوگا۔ اور یہ بات ایسے ہی ہوگی جس طرح میں کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ جمہوریت چاہتے ہیں' اسمبلیوں کو چلانا چاہتے ہیں اور ملک کے اقتدار اعلیٰ کو بچانا چاہتے ہیں تو

ــــــ

عارف اعوان : مہربانی کرکے میری بات سنیں ــــــ یہ آپ کے اندرونی معاملات ہیں اور ان کو آپ بہتر طور پر جانتے ہیں ــــــ جہاں تک میرا تعلق ہے ہم صرف اخبارات پڑھتے ہیں۔ میں ایمانداری سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی عدم اعتماد کا ووٹ نہیں دیتا ــــــ گذشتہ حکومت نے بھی تو بھارت

سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی تھی اور ضیاء الحق بھارت گیا تھا اور ضیاء الحق کا کسی وزیر اعظم نے استقبال نہیں کیا تھا۔ لیکن ضیاء الحق نے یہ سب کچھ کس لئے کیا تھا اور اس کام کے پیچھے اس کا کیا مقصد تھا (بریگیڈئر امتیاز مداخلت کرتا ہے اور کہتا ہے میں آپ کو بتاؤں گا لیکن عارف اعوان اپنی بات جاری رکھتا ہے۔ آخر بریگیڈئر امتیاز کہتا ہے)

بریگیڈئر امتیاز : میں آپ کے سوال کا جواب دونگا۔ "انڈیا ٹو ڈے" میں کچھ مضامین شائع ہوتے ہیں جو بھارتی صحافیوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان مضامین میں لکھا ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں ——— یہ مت سمجھیں کہ میں ضیاء الحق کی تعریف کر رہا ہوں ——— بہر حال صحافی لکھتا ہے کہ اس جنرل (ضیاء الحق) نے ایک ہاتھ سے بھارت کو لوہے کا مکہ دکھایا ہے اور ——— محبت کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ یہ وہ جنرل تھا جس نے ایک سپر پاور کے خلاف جنگ لڑی تھی۔ اور یہ جنگ اس نے فرنٹ پر جا کر لڑی ضیاء الحق نے افغانستان کے معاملے میں محاذ پر جا کر جنگ لڑی۔ کیونکہ وہ یہ جنگ لڑنا چاہتا تھا لیکن وہ بھارت کے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا باوجود اس کے کہ اسے راجیو کے ساتھ جنگ لڑنے پر مجبور کیا جا رہا تھا اس وقت بھارت پاکستان کے ساتھ جنگ کرنا چاہتا تھا لیکن ضیاء الحق نے کرکٹ ڈپلومیسی سے کام لیا۔ کرکٹ ڈپلومیسی کا تعلق بھی بھارت کی فوجی مشق Brass Tacks کے ساتھ تھا جو ایک ہفتے یا مہینے میں نہیں بلکہ (یہ مشق) اکتوبر 1986ء میں ——— میں آپ کو کچھ اور بھی بتاتا ہوں ——— اندرا گاندھی کی زندگی کے آخری ایام تھے جب روس کا وزیر خارجہ بھارت گیا اور وہاں اس نے اندرا گاندھی کے ساتھ ایک خفیہ ملاقات کی اور دونوں نے پاکستان کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور پاکستان کو اپنا ٹارگٹ نمبر 1 بنا لیا ——— انہوں نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ وقت کی اہمیت چونکہ بہت زیادہ ہے اور ہمارے پس 2 یا 3 سال باقی رہ گئے ہیں (اندرا گاندھی کو اکتوبر 84ء میں قتل کیا گیا تھا) اس لئے اپنا مقصد جلد از جلد حاصل کرنا چاہئے ورنہ دوسری صورت میں ہم پاکستان کو تباہ کرنے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

عارف اعوان : ہاں ! انہیں ہمیں تباہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم خود ہی

اپنے آپ کو تباہ کرنے پر کمربستہ نظر آتے ہیں ——

بریگیڈئر امتیاز : اندرا گاندھی اور روس افغانستان کی صورت حال کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ مجاہدین یہ جنگ جیت رہے ہیں اور اگر ایسا ہوا تو افغانستان اس صورت میں مسلم ممالک کا قلعہ بن جائے گا۔ اور پاکستان کی اس طرح سرحد افغانستان تک پھیل جائے گی۔ ضیاء الحق کو ان تمام حالات کا علم تھا لیکن ہمارے ملک کے اندرونی حالات ٹھیک نہ تھے۔ ہماری سیاسی بنیاد مضبوط نہ تھی۔ اسی لئے ضیاء الحق جھگڑا نہیں چاہتا تھا۔ یہ تمام واقعات بھارت کی فوجی مشق Brass Tacks شروع ہونے سے پہلے کے ہیں۔ لیکن ضیاء الحق نے کرکٹ ڈپلومیسی کے ذریعے بھارت کی ہوا نکال دی۔ بھارت میں رائے عامہ راتوں رات تبدیل ہو گئی۔ اور بھارتی اخبارات و رسائل نے پاکستان کے حق میں مضامین اور ایڈیٹوریل لکھنا شروع کر دیئے —— بھارت میں اپوزیشن نے بھی راجیو گاندھی کے خلاف مہم تیز کر دی جبکہ راجیو گاندھی پاکستان کے ساتھ جنگ لڑنا چاہتا تھا —— ان حالات میں پورے بھارت نے اس بات کی مخالفت شروع کر دی کہ راجیو گاندھی جنگ چاہتا ہے۔

ملک ممتاز : اس کے متعلق —— غلام مصطفیٰ —— کیا وہ بھارتی ایجنٹ تھا۔

بریگیڈئر امتیاز : چھوڑ ممتاز —— ہم اس کے متعلق پھر کبھی بات کریں گے —— آپ اس وقت بہت سارے عنوانات کو سامنے لا رہے ہیں —— ابھی میں نے بھائی جی (عارف) کے ساتھ بہت ساری باتیں کرنا ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز : پہلی بات یہ ہی کہ عارف صاحب آپ کی میجر عامر سے ملاقات ہوئی تھی —— اب میری درخواست ہے کہ

عارف اعوان : میری درخواست سنیں —— مجھے کم از کم یہ تو پتہ ہونا چاہئے کہ مجھے کرنا کیا ہے۔ ہمارے کام کرنے کا طریقہ کار کیا ہو گا —— ممکن ہے کہ ہمیں باہر نکال دیا جائے۔ اخبارات کے بارے میں کیا بنے گا —— جہاں تک میرا تعلق ہے آپ دیکھیں گے کہ —— وقت ہی بتائے گا

——— آپ یقین کریں میں فیصلہ کر چکا ہوں کیونکہ کسی وزیر سے ہماری ملاقات بھی نہیں ہوتی
———

بریگیڈئر امتیاز : پہلی بات یہ ہے کہ ——— بنیادی بات یہ ہے کہ آپ کو چاہئے کہ ——— اپنے جیسے اور ملک کی بہتری چاہنے والے ———

عارف اعوان: یہاں کوئی نہیں ہے ——— کافی سوچا ہے ———

بریگیڈئر امتیاز: سیاسی جنگ تو ہمیشہ جاری رہتی ہے ———

عارف اعوان : لوگ آتے جاتے رہے ہیں ——— ادارے بنتے ہیں اور
———

بریگیڈئر امتیاز : جمہوری انداز میں کام کرو ——— آپ جانتے ہیں کہ جمہوریت ——— گردن توڑ دیتی ہے ——— یہ موجودہ جمہوری عمل ایک یا 2 ماہ تک ہی چل سکے گا ——— لیکن جس طرح یہ چل رہا ہے ——— آپ کو لازمی طور پر چاہئے کہ جب آپ عدم اعتماد کا ووٹ ڈالیں ——— آپ کو اپنی کامیابی کا یقین ہونا چاہئے ———

ملک ممتاز: کیا عدم اعتماد کا ووٹ Open ہو گا ———

بریگیڈئر امتیاز: Yes it is open

ممتاز: کیا Show of hand ہو گا

بریگیڈئر امتیاز: ہاں Show of hand ہو گا

ممتاز : جناب میرا خیال ہے کہ صوبوں میں یہ شو آف ہینڈ ہوتا ہے لیکن مرکز میں یہ خفیہ طریقے سے ہوتا ہے۔

بریگیڈئر امتیاز : ممتاز ——— میں بھائی جی (عارف) سے بات کرنا چاہتا ہوں ——— اور تم چاہتے ہو کہ ——— یہ شو آف ہینڈ بھی ہو سکتا ہے اور خفیہ طریقے سے Balloting بھی ہو سکتی ہے ——— آخری فیصلہ سپیکر خود کرے گا' سپیکر کیا فیصلہ کرتا ہے اس کا کسی کو علم نہیں ہے۔ اگر خفیہ Balloting ہوتی ہے تو پھر ———

ملک ممتاز: ہاں ضیاء الحق کے ریفرینڈم کی طرح ——— ہاں یا نہیں ———

بریگیڈیر امتیاز : اگر آپ یہ ظاہر کر دیں کہ یہ خاتون اسمبلی میں اکثریت کھو

چکی ہے تو ——

عارف اعوان: ہمیں یہ صدر کو بتانا ہو گا

بریگیڈئر امتیاز: ہمیں صدر پر یہ ثابت کرنا ہو گا کہ ہمارے پاس اتنے آدمیوں کی حمایت موجود ہے ——

عارف اعوان: ہاں —— ہمارے پاس Strenght زیادہ ہے۔

بریگیڈئر امتیاز: پھر صدر وزیراعظم کو کہے گا کہ وہ اعتماد کا ووٹ حاصل کرے۔ اس صورت میں وزیراعظم کو 120 ووٹ حاصل کرنا ہوں گے۔ اگر وہ 120 ووٹ حاصل نہیں کر سکتی تو پھر اسے جانا ہو گا۔ اس صورت میں ہمیں آپ جیسے مخلص آدمیوں کو اپنے ساتھ ملانا ہو گا جو اپنا وعدہ پورا کریں اور کھل کر اپوزیشن کی حمایت کریں۔

عارف اعوان: ایک منٹ ٹھہریں —— آپ نے مجھے کئی باتیں بتائی ہیں —— دوسرے بھائی صاحب —— مجھے ان کا نام معلوم نہیں ہے —— وہ عامر ہے —— اس نے بھی مجھے بہت ساری باتیں بتائی تھیں —— یہ واردات —— میں نے دوستوں سے بات کی ہے۔ میں بہت بے تکلفانہ انداز میں بات کرتا ہوں —— ان دنوں ہر آدمی لالچ کا شکار ہو گیا ہے۔ میں اس سے برا مطلب نہیں لے رہا —— کسی کو ملک سے محبت نہیں ہے —— (چائے آجاتی ہے جس کی وجہ سے باتوں کا سلسلہ رکتا ہے) اب مسئلہ یہ ہے کہ میں نے کئی مسائل دیکھے ہیں —— وہ 1977ء میں منتخب ہوا —— اسمبلیاں توڑ دی گئی۔ ہر شخص سمجھ رہا ہے کہ میں نے اتنی انوسٹمنٹ کی ہے —— خدا میرا گواہ ہے —— ہم اس ملک سے تنگ آگئے ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز: مجھے یہ کہنے دیں کہ —— میرے دل کا اپریشن ہو چکا ہے —— تین بائی پاس ہو چکے ہیں میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں —— میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میرے پاس سر چھپانے کی جگہ نہیں ہے —— (بریگیڈئر امتیاز اس لہجے میں بات کرتا ہے کہ سب کو اس سے ہمدردی محسوس ہونے لگتی ہے)

عارف اعوان: میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری اپنی یہی حالت ہے

بریگیڈئر امتیاز: میں خدا اور قرآن کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ——— میں بچوں کی قسم کھاتا ہوں کہ میرا اس سارے معاملے میں کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔

عارف اعوان: میں جانتا ہوں کہ یہ ہماری وطن سے محبت ہے ——— باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن میرے ساتھی رقم مانگتے ہیں

بریگیڈئر امتیاز: بالکل ٹھیک ہے۔

عارف اعوان: میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا تھا کہ میرے دو دوست ہیں ———(امتیاز اور عامر) میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہیں ——— اور بہرحال مجھے اس سے بھی کوئی غرض نہیں کہ کس کو ملنا چاہئے اور کس سے ملاقات نہیں کرنا چاہئے ——— خاں صاحب (میجر عامر کی طرف اشارہ ہے) اور ممتاز اس وقت موجود تھے۔ میرے دوستوں نے مجھ سے پوچھا ہے کہ میں انہیں معلوم کرنے کے بعد یہ بتاؤں کہ انہیں کتنی رقم ملے گی۔ اب آپ بتائیں کہ آپ ہمیں کیا فائدہ دیں گے ——— جو کچھ آپ کے ذہن میں ہے یا کوئی اور بات ——— میں نے انہیں بتایا ہے کہ میرے دوست نواز شریف کے لئے کام کر رہے ہیں ——— بس جناب یہی حل ہے۔ ہم تیار تو ہیں لیکن ہمیں سمجھ نہیں آرہی ——— ہم نے پہلے الیکشن لڑا تھا تو مارشل لا لگ گیا۔ اس کے بعد ہم کئی مسائل کا شکار ہوئے ——— 15 یا 16 ماہ تک جیل میں رہے۔ اور آج ایمانداری سے کہتا ہوں کہ میرے پاس ایک ٹیڈی پیسہ بھی نہیں ہے ——— اب شرائط سخت ہیں ——— ہمارا پنجاب میں کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ہم کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔ کسی کو نوکری نہیں دلوا سکتے ——— دنیا بدل رہی ہے ——— ہم کیسے بچیں گے؟ اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز: مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے بہت بے تکلفی سے اور سچی بات کی ہے۔

عارف اعوان: میرے پاس تو کار بھی نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ بے دلی سے آپ کا کام کروں (یعنی عدم اعتماد کا ووٹ دوں) ——— کوئی جھوٹا وعدہ

نہیں کیا جانا چاہیے ـــــــ آپ نے کچھ باتیں بتائی ہیں لیکن اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس Deal کے بارے میں جو کہنا چاہتے ہیں کہیں اور جو نہیں کہنا چاہتے وہ نہ کہیں ـــــــ دیکھیں اس وقت ملک میں امن دعامہ کی صورت حال کیسی ہے آئی جے آئی کے منشور کا جائزہ لیں۔ فوج میں زیادہ تر پنجابی ہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ پنجاب کا سچا رہنما کون ہے۔ جتوئی کیا ہے کچھ بھی تو نہیں ـــــــ آپ نے اتحاد (آئی جے آئی) بنایا تھا لیکن انحصار صرف میاں نواز شریف پر کیا جاتا ہے۔ جب اس چیز کی تعریف کریں گے کہ یہ جمہوریت ہے ـــــــ آپ سے پاکستان قائم ہوا ہے ـــــــ مسلم لیگ رنگ بدل رہی ہے۔ جبکہ ہم ـــــــ

بریگیڈیئر امتیاز: آپ کے تمام سوالات درست ہیں۔ لیکن ان تمام سوالات کے بارے میں میرا یہ جواب ہے کہ جہاں تک ہماری سیاست ـــــــ کا تعلق ہے ـــــــ

عارف اعوان: لیکن پنجاب کی طرف دیکھیں ـــــــ وزراء کی تعداد

بریگیڈیئر امتیاز: لیکن یہ اسی طرح ہے جس طرح پی پی پی ـــــــ سرحد میں جو پوزیشن ہے اس پر غور کریں ـــــــ ان کے پاس آپ کو دینے کے لئے ایک دن کوئی وزارت بھی نہیں رہے گی۔ میری بات سنیں ـــــــ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ ہمارے سیاسی ڈھانچے کا برا رخ ہے ـــــــ لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس چیز کو دیکھا جائے کہ پاکستان کا مخالف کون ہے۔ اور کون نہیں ہے ـــــــ اور کون کھلم کھلا پاکستان کے خلاف ہے ـــــــ اور یہ کیسے اس چیز کی شناخت کی جائے کہ بہن اور غیر عورت میں کون قصور وار ہے (اس موقع پر Group discussion شروع ہو جاتی ہے۔ اس دوران کھر کی پی پی پی میں شمولیت کا ذکر آتا ہے اور جتوئی کا نام لیا جاتا ہے)

ممتاز: جی جناب! کھر پی پی میں شمولیت اختیار کر رہا ہے۔

بریگیڈیئر امتیاز: کلمہ طیبہ کا ورد کرنے کے بعد کہتا ہے کھر کا آئی جے آئی کے ساتھ تحریری معاہدہ ہے ـــــــ اب یہ بات ہم تینوں کے درمیان ہے (ممتاز-عارف-امتیاز)

ممتاز: (حیران ہو کر) کیا تحریری معاہدہ ہے۔

بریگیڈیئر امتیاز: ہاں تحریری معاہدہ ـــــــ اپوزیشن

ممتاز: یہ کیا ڈرامہ ہے ——

بریگیڈئر امتیاز: ہاں —— ڈرامہ

عارف اعوان: یہاں کئی ڈرامے ہو چکے ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز: گھر نے دونوں طرف دروازہ کھلا رکھا ہے —— جو بھی کشتی بہتر ہو گی وہ اس میں سوار ہو جائے گا —— تاہم کھر پی پی پی میں شمولیت اختیار نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کرنا ہوتا تو تین ماہ پہلے کر چکا ہوتا —— اب جبکہ وہ فیصلہ کرنے والا ہے اسے یاد آتا ہے کہ آخری مرتبہ جب وہ پی پی پی میں شامل ہوا تھا تو بھٹو حکومت دو ماہ کے اندر ختم ہو گئی —— اس نے Compromise کر رکھا ہے۔

عارف اعوان: میری بات سنیں۔ اب ہم یہ سب کچھ کیسے کر سکتے ہیں؟

بریگیڈئر امتیاز: میں آپ کے ساتھ بیٹھا ہوں اور میرا کسی سے کوئی ڈائریکٹ رابطہ نہیں ہے —— مجھے تو باہر نکال کر پھینک دیا گیا ہے —— میں اپنے بچوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے وطن کی خدمت کی ہے —— یہ میرے لئے کوئی قیمت نہیں ہے ——

عارف اعوان: ہم محاذ آرائی کی پالیسی پر کب تک عمل کرتے رہیں گے —— ہمارا ملک اس کو کب تک برداشت کر سکے گا —— مہربانی کر کے اس پر بھی کچھ روشنی ڈالیں

بریگیڈئر امتیاز: چلیں ان چیزوں کو لیتے ہیں —— بعد میں ممکن ہے —— ہاں جتوئی —— مستقبل کا وزیراعظم باقی ماندہ مدت تک کے لئے ہو گا —— اپوزیشن میں اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے —— صدر بھی اس چیز سے اتفاق کرتے ہیں —— اور فوج بھی اس پر متفق ہے۔ او کے! —— دوسرے چھوٹے بڑے شوشے جو آپ کو نظر آتے ہیں وہ بعض افراد کے Self Interest کی وجہ سے ہیں —— یہ چھوٹے موٹے شوشے اخبارات کے پیدا کردہ ہیں ——

ممتاز: میں عارف اعوان کو آپ سے متعارف کرا دوں —— یہ شیخوپورہ کے وکیل ہیں —— ملکی اور بین الاقوامی سیاست کے بارے میں زیادہ

نہیں جانتے۔ جبکہ (عارف اعوان کو مخاطب کرتے ہوئے) یہ بریگیڈئر امتیاز ـــــــ اس کے بارے میں حتیٰ کہ امریکی اخبارات نے لکھا ہے۔ اور امریکہ اخبارات میں چھپا ہے کہ یہی وہ آدمی ہے جس نے آئی جے آئی کو بنوایا تھا۔ میرے خیال میں یہ ایک بہت بڑا کریڈٹ ہے۔

بریگیڈئر امتیاز: آج ملک میں انتشار کی سی کیفیت ہے ـــــــ اگر ان حالات میں اپوزیشن نہ ہوتی تو ـــــــ پاکستان کی تاریخ میں کبھی اس سے زیادہ مضبوط اپوزیشن نہیں بنی۔ (دوسرے لوگ اتفاق کرتے ہیں) میں آپ کو بتا دوں کہ اگر اپوزیشن نے آئی ایس آئی کی بات مان لی ہوتی تو آج پنجاب اور سندھ میں صورتحال مختلف ہوتی ـــــــ آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آئی جے آئی قائم کرنے میں تاخیر کردی تھی۔

ممتاز: انہوں نے آئی جے آئی کو بنانے میں 8 یا 10 ماہ کی تاخیر کردی تھی۔

عارف اعوان: آپ کا مطلب ہے کہ اسلامی جمہوری اتحاد ضیاء الحق کے زمانے میں ہی قائم ہوچکا ہوتا۔

بریگیڈئر امتیاز: نہیں میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اتحاد ایک ماہ قبل قائم ہوجاتا (مسلم لیگ کے دھڑوں کے اوپر مختصر بحث ہوتی ہے)

ممتاز: لیکن پھر ان تمام دھڑوں کو کس نے اکٹھا کیا

بریگیڈئر امتیاز: بات یہ ہے ـــــــ لیکن یہ بات ہمارے تینوں کے درمیان رہے گی ـــــــ

ممتاز: ہاں ـــــــ دوسرے (ارکان اسمبلی) آئیں یا نہ آئیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ شخص (عارف) آپ کا ساتھ دے گا۔ (دوبارہ گرما گرم بحث ہوتی ہے)

عارف اعوان: دیکھیں! مجھے پہلے ان باتوں کا علم نہ تھا ـــــــ میں نہیں جانتا ـــــــ میں جو چھلانگ لگا رہا ہوں ـــــــ میں نہیں جانتا ـــــــ

ممتاز: فکر نہ کرو ـــــــ دیکھو میں نے تمہیں صحیح راستے کی طرف لگا دیا ہے۔

بریگیڈئر امتیاز: میں سادہ شخص ہوں ـــــــ میں پانی پینے کے لئے اپنا گلاس خود اٹھاتا ہوں ـــــــ میں ایک بہادر باپ کا بیٹا ہوں۔ (اس موقع پر میجر عامر بھی کمرے میں آجاتا ہے۔ وہ کسی کو تلاش کرنے گیا تھا اور واپس آکر کہتا ہے

کہ میں اسے تلاش نہیں کر سکا۔ بریگیڈیئر امتیاز اسے کہتا ہے کہ ڈی آئی جی راولپنڈی شاہد کو فون کرو۔ اس دوران بریگیڈیئر امتیاز اور عارف اعوان ایک دوسرے کو وفاداری کا یقین دلاتے ہیں۔ اور اسمبلی کے اندر تحریک عدم اعتماد پیش ہونے کی صورت میں جو واقعات رونما ہو سکتے ہیں وہ ان پر بحث کرتے ہیں۔

بریگیڈیئر امتیاز : میری گیارہ برس میں آپ جیسے شخص سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اب میں' عامر اور ممتاز مل کر تمہارا الیکشن لڑیں گے ــــــ ہم بھائی ہیں ــــــ اگلا سسٹم خواہ کوئی سا بھی ہو لیکن اس کی حمایت نمبر 1 شخص کرے گا ــــــ غلام اسحاق خاں اور دوسرے یعنی فوج ــــــ جب دونوں اس نظام (حکومت) کی حمایت کریں گے تو پھر آپ یقینی طور پر اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اسمبلی کے اندر موجود پریشان کن صورت حال ہمیشہ کے لئے ٹھیک ہو جائے گی ــــــ ہر طرح سے ــــــ یا ہر صوبے میں ــــــ میں کہہ رہا ہوں کہ عامر اور تم ــــــ ہم میں Under standing ہو گئی ہے ــــــ اب ہمت سے کام لیں۔ بات سمجھیں اور میری بات غور سے سنیں ــــــ (بریگیڈیئر امتیاز حکومت کی برائیاں بیان کرتا ہے) ــــــ میرا نہیں خیال کہ اسلام کو اس سے زیادہ خطرہ ہو سکتا ہے۔

ممتاز : یہ بہت زیادہ ہے ــــــ اتنی مضبوط اپوزیشن کے باوجود حکومت جانے کیوں قائم ہے

عامر: آپ کو اس کی وجہ کا علم ہے۔

بریگیڈیئر امتیاز: وجہ یہ ہے خود امریکہ ان کی مدد کر رہا ہے۔

ممتاز: یہ تو وہی ہوا ــــــ

بریگیڈیئر امتیاز : یہ میرے پاس Document ہیں ــــــ اور آج وہ امریکہ کی بات کرتے ہیں ــــــ

ممتاز: مسئلہ یہ ہے کہ وفاقی حکومت اگر یہ خود ہی کرتی ــــــ

بریگیڈیئر امتیاز : ان کی پشت پر صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ دوسری ایجنسیاں بھی ہیں ــــــ جیسے شام ــــــ جیسے افغانستان

ممتاز : آپ نے جہاد کا ذکر کیا تھا ــــــ افغانستان میں جو جہاد ہوا ــــــ اب

آپ مجھے بتائیں ـــــ افغانستان میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے ـــــ کیا ضیاء الحق کی اس میں کوئی دلچسپی تھی۔

عامر: یہ افغانوں کے مفاد میں تھا ـــــ وہ ان مسلمانوں کے لئے لڑ رہا تھا ورنہ ہمارا کیا مفاد تھا۔

بریگیڈیئر امتیاز: انہوں نے (وفاقی حکومت نے) پہلے دن سے ہی ایسی پالیسیاں بنائیں کہ ـــــ بے وقوفانہ حرکتیں ـــــ

ممتاز: جناب حالات اب درست سمت کی طرف جا رہے ہیں اور یہ آخری مرحلے میں ہے ـــــ اب آپ کو یہ کام کرنا ہو گا ـــــ اگر آپ چاہیں تو وہ تمام لوگ آج یہاں آ سکتے ہیں ـــــ لیکن اگر آپ عارف اعوان سے بات کرنا چاہتے ہیں تو آپ ایسا بھی کر سکتے ہیں ـــــ اس کے پاس چار آدمی ہیں تین ارکان اسمبلی' چوتھے یہ خود ہیں اور اس کے علاوہ ایک ایم پی اے بھی ہے جس پر فی الحال اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس نے کہانی گھڑی ہے۔ لیکن ابھی تک اس نے اپنی حمایت کے بارے میں آخری فیصلہ نہیں کیا اور کہا ہے کہ وہ اس کی اپنے آنے سے قبل تصدیق کرے گا ـــــ پھر اس کے اپنے چند نکات ہیں ـــــ بنیادی طور پر وہ غریب آدمی ہے ـــــ یہ Self made آدمی ہے آپ اس غریب آدمی کی بات سن لیں ـــــ اس کے پاس اپنا گھر نہیں ہے ـــــ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے ـــــ سیاست میں آنے سے قبل وکالت کیا کرتا تھا ـــــ وہ سب اب ختم ہو گیا ہے ـــــ زیادہ تر عرصہ وہ جیل میں رہا ـــــ بہرحال ـــــ اب یہ کتنا دل برداشتہ ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا ـــــ آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں (ممتاز اپنے نوکر سے کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے ملنے آئے تو پہلے اس کے بارے میں مجھے بتا دینا)

میجر عامر: میں آپ کو بتا دوں کہ عارف صاحب ممتاز کے چچا ہیں اور پھوپھا ہیں ـــــ اس لئے یہ خاندانی معاملہ ہے ـــــ

بریگیڈیئر امتیاز: پھر تو یہ گھر کی بات ہوئی

ممتاز: آخری مرتبہ جب ہماری میٹنگ ختم ہوئی تو میں اس کے بعد ایم این

اے ہوسٹل گیا تھا۔ اور اس نے (عارف) مجھے کہا تھا کہ ممتاز ہم ایک ہیں (چاروں ایم این اے اور ایک ایم پی اے) ہم نے حلف اٹھایا تھا کہ ہم اکٹھے رہیں گے لیکن اگر کسی وجہ سے دوسروں نے ان کی (آئی جے آئی) مدد نہ کی تو میں اکیلا ہی (عارف) ان کی مدد کروں گا ـــــ اور یہ مدد کھلم کھلا کروں گا ـــــ اگر وہ چاہیں گے تو میں (عارف) پریس کانفرنس بھی کروں گا لیکن میں نے کہا میں آپ سب کو ساتھ لے کر چلوں گا۔ اب جناب یہ (عارف) آپ سے معاملہ طے کریں گے یہ ہر چیز پر حلف اٹھانے کو تیار ہیں۔

میجر عامر: لیکن ممتاز تمہیں چاہئے کہ انہیں کہو کہ سب کو ساتھ آنا چاہئے۔ یعنی وفاداری تبدیل کرنا چاہئے۔

بریگیڈیئر امتیاز: میں ان کے (عارف اعوان) آنے سے پہلے آپ کو بتادوں کہ میں نے آپ (ممتاز) کی کارکردگی کو خود دیکھا ہے اور میں اس کی تعریف کرتا ہوں۔ میں آپ کے ساتھ عہد کر رہا ہوں ـــــ اور عہد یہ ہے کہ ـــــ میرے لئے اگر (عارف اعوان) بڑا بھائی ہے تو یہ بھی بھائی ہے ـــــ میرے لئے تمہارا خاندان ہم سب ہیں۔ ـــــ اور انشاء اللہ وقت اس کو ثابت کرے گا ـــــ ہم چاروں ـــــ لیکن عارف اعوان اور اس کے دوستوں کا فیصلہ ـــــ

ممتاز: لیکن نہیں ـــــ وہ سب اکٹھے ہیں

بریگیڈیئر امتیاز: میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جو اس کے ساتھ (عارف) کیا جائے گا وہ دوسروں کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا ـــــ لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ ہمیشہ ملک کی تاریخ میں اپنا سربلند رکھ سکیں گے اور دوسرے بھی یہی کریں گے ـــــ اور جذباتی طور پر ان کے (پی پی پی) سامنے آپ کی آنکھیں کبھی نہیں ـــــ اس کے برعکس ہم سب ـــــ ان کے سامنے جائیں گے ـــــ اور اگر کبھی زندگی میں ـــــ دیکھو ممتاز وہ (عارف اور ان کے ساتھی) ہمیشہ تمہارے مشکور رہیں گے کہ تم نے انہیں ایک صحیح آدمی سے متعارف کروایا تھا۔ اور میرا (عارف کا) ضمیر زندہ ہے اور میرے ضمیر کی وجہ سے مجھے دلی تسلی ہے اور میں نے (عارف) صحیح کام کیا ہے ـــــ میں اس کی گارنٹی دے سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں مزید کچھ نہیں کہہ سکتا ـــــ

اور ممتاز ـــــ تمام قوم ـــــ کو دباؤ کا سامنا ہے اور تمام لوگوں کو متفق ہونا بہت اچھا ہے۔ لیکن اس کام میں باہمی اعتماد کا ہونا بہت ضروری ہے۔ جب یہ شخص نواز شریف سے ملاقات کرے گا ـــــ

ممتاز: جب آپ چاہیں

بریگیڈیئر امتیاز: ممتاز! یہ فرد ایک منفرد کیس ہے یہ بہت بہادری سے سامنے آیا ہے اور اس نے صاف صاف باتیں کی ہیں۔ نواز شریف کا آنا ہمارے گھر کا مسئلہ ہے اب میں کہہ چکا ہوں کہ یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے ـــــ

میجر عامر: نواز شریف کا معاملہ ہمارا گھریلو مسئلہ ہے

ممتاز: اگر یہ آپ کے گھر کا معاملہ ہے تو انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ ہم آپ کے لئے کام کے آدمی ثابت ہونگے ـــــ

بریگیڈیئر امتیاز: او کے - پھر تم مجھے یہ Support دو ـــــ جیسا میں نے کہا ہے ـــــ

ممتاز: بریگیڈیئر صاحب میں آپ کی میٹنگ یہاں نہیں رکھوں گا ـــــ ہم پہلے ہی ایک دوسرے سے متفق ہو چکے ہیں ملک ـــــ چین چلا گیا ہے۔ اسے واپس آنے دیں ' ـــــ کیا آپ کو یاد ہے کہ ہم نے اس کے بارے میں بات کی تھی جب ہم (آئی ایس آئی) Mess میں ملے تھے۔ (بریگیڈیئر امتیاز اس کی تصدیق کرنے کے لئے کہتا ہے بالکل) آپ فکر نہ کریں میں پہلے ان سب (عارف اور اس کے ساتھیوں) سے ملاقات کروں گا اور پھر ان کی آپ سے ملاقات کراؤں گا وہ دیہی علاقے سے تعلق رکھنے والے سادہ لوگ ہیں ـــــ اور زیادہ نہیں جانتا حقیقت میں وہ بھی نہیں جانتا

میجر عامر: کسی وردگ کے بارے میں بات کرتا ہے اور تمام لوگ ایک ہی وقت میں بولنا شروع کر دیتے ہیں۔

ممتاز: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کسی نے پی پی پی کے خلاف بات کی تو میں اس کا منہ توڑ دونگا۔

بریگیڈیئر امتیاز: میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب پاکستان قومی اتحاد کی احتجاجی تحریک شروع ہوئی تو میں سٹاف کالج کوئٹہ میں تعینات تھا اور میں قسم

کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس وقت پی پی کا حامی تھا۔ میری بہن جو کالج میں پڑھتی تھی آئی جے آئی کے لئے جلوس نکالا کرتی تھی (حیرت ہے اس وقت آئی جے آئی کون سی تھی؟)

ممتاز: یہ جو کچھ ملک میں ہو رہا ہے میں اس کے بارے میں سن کر حیران رہ گیا ہوں

ممتاز: نہیں اس کے پاس ایم پی اے ہے۔

میجر عامر: وہ ہمارے اعتماد کا آدمی ہے ——— وہ ہمیں باتیں بتایا کرتا تھا ———

ممتاز: وہ کہتا ہے ہم سادہ لوگ ہیں اور اپنی سادگی میں مارے گئے ہیں ——— آپ ان باتوں سے اس لئے باخبر ہیں کہ آپ انٹیلی جینس میں کام کرتے ہیں ——— ہم سویلین ہیں ہم کام پہ جاتے ہیں اور واپس آجاتے ہیں۔ یہ اتنا ہی ہے ———

بریگیڈئر امتیاز: میں آپ کو ایک بات اور بتاتا ہوں ——— ہم نے چند سال (آئی ایس آئی) اس محکمے میں کام کیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ——— میرے اور عامر سے قبل محکمے (آئی ایس آئی) میں ملازمت اختیار کی تھی۔ لیکن اس وقت انٹیلی جینس کا معیار اچھا نہ تھا ——— حتیٰ کہ آئی ایس آئی کو چیزوں کا علم نہیں ہوتا تھا ——— میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کبھی مجھے موقع ملا تو میں آپ کو ایک رپورٹ دکھاؤں گا۔ اور یہ ایسی رپورٹ ہے جو نہ صرف پاکستان کو تاریخ میں بلکہ دنیا کی تاریخ میں لکھی جائے گی۔ اس رپورٹ میں لکھا تھا کہ آئندہ ایک سال میں کیا ہونے والا ہے اور پھر ایک سال کے اندر وہی کچھ ہوا۔ بلکہ 100 فیصد وہی کچھ ہوا۔ (شاید عارف پوچھتا ہے کہ اس رپورٹ کی نوعیت کیا تھی) لیکن اس وقت جو ہمارے سامنے ——— یہ خوفناک غار ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو ———

ممتاز: نہیں جناب نہیں ——— مجھے ایک بات بتائیں آئندہ کیا ہو گا۔ (شاید پھر ممتاز ٹیلی فون پر ان واقعات کے بارے میں کسی سے پوچھتا ہے جو قومی اسمبلی میں ہو رہے ہیں)

بریگیڈئر امتیاز: کیسے؟

ممتاز: نہیں، یہ تمام صورت حال —— کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس میں بہتری آئے گی۔

بریگیڈیئر امتیاز: انشاءاللہ

ممتاز: کیسے؟

بریگیڈیئر امتیاز: انشاءاللہ۔ لیکن ویسے آپ کی Situation سے کیا مراد ہے۔

ممتاز: دو طرح کی Situations ہو سکتی ہیں —— پہلی Situation میں اسمبلی باقی رہے گی جبکہ دوسری صورت میں اسمبلی ٹوٹ جائے گی —— اگر اسمبلی باقی رہتی ہے —— پھر آپ ان کو (وفاقی حکومت) نیچا دیکھا سکتے ہیں اور ان کو ایک طرف کر سکتے ہیں۔ پھر دوسری پارٹی Take over کر لے گی۔ اس صورت میں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ (پی پی پی) انہیں Take over کرنے دیں گی۔

بریگیڈیئر امتیاز: اب میں جواب دیتا ہوں —— پہلی بات یہ ہے کہ ——

ممتاز: پی پی پی کے پاس 100 سے زیادہ لوگ ہیں —— کیا آپ سمجھتے ہیں کہ پی پی پی انہیں (آئی جے آئی) آگے بڑھنے دے گی۔

بریگیڈیئر امتیاز: میں آپ کو کہتا ہوں —— میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک دفعہ ان کی حکومت ختم ہو جائے، اگر ایک ماہ کے اندر ان کی طاقت کو 100 سے کم کر کے 50 نہ کر دیا تو میرا نام بدل دیجئے گا

ممتاز: اگر ایسا ہوتا ہے تو پھر کیا ہو گا؟

بریگیڈیئر امتیاز: میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ آپ میرے بھائی کی طرح ہیں —— وہ (عارف) تمہارا چچا ہے —— تمہارے چچا کی طرح —— اس کو (بے نظیر) کو اس کے آدھے سے زیادہ وزیر گالیاں دیتے ہیں

میجر عامر: ایک دفعہ ان کے ایک بڑے وزیر سے جو اس کی کچن کابینہ میں شامل ہے وزیراعظم کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے اس (بے نظیر) کے متعلق بہت توہین آمیز الفاظ استعمال کئے (اس بات کی سفارش کی جاتی ہے کہ جب تحقیقات ہوں تو۔ میجر عامر سے اس وزیر کا نام پوچھا جائے: آئی بی)

ممتاز: اس کے اپنے وزیر نے؟

میجر عامر: اچھا میں اب تمہیں ایک اور بات بتاتا ہوں ——— ملک ———
میرا ایک دوست اس کے پاس گیا ———

عارف اعوان: ہاں۔ اس سے قبل بھی آپ نے اس کا ذکر کیا تھا۔

میجر عامر: اس نے کہا کہ میں نے ملک صاحب کو بتایا ہے کہ ——— ہم یہ کام کر سکتے ہیں ——— اور انہوں نے ملک صاحب کو یقین دلایا کہ (ممکن ہے کہ ملک سے مراد ملک نعیم ایم این اے ہو)

عارف اعوان: اگر ملک یہ کہہ سکتے ہیں تو ——— وہ ایک Sober آدمی ہے

بریگیڈئر امتیاز: میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ جب اس عورت کو ہٹا دیا جائے گا تو وہ ملک میں 3 ماہ سے زیادہ عرصہ تک نہیں رہے گی ——— وہ تین ماہ سے زیادہ نہیں رہے گی ——— اور پہلا بھاگنے والا شخص آصف زرداری ہو گا۔ اور جب ایسا ہو گا تو آصف زرداری اسے (بے نظیر کو) ایک ماہ کے اندر طلاق دے دے گا۔ اس کے ملک میں رہنے کا تذکرہ ہی کیا ہے ———

ممتاز: لیکن جب آصف زرداری نے بے نظیر سے شادی کی تھی تب وہ وزیراعظم تو نہیں تھی

بریگیڈئر امتیاز: مہربانی کر کے میری بات سنیں۔

ممتاز: آپ کا مطلب ہے کہ آصف زرداری نے اس سے شادی اس کے وزیراعظم ہونے کی وجہ سے کی تھی ———

بریگیڈئر امتیاز: بالکل

ممتاز: اچھا

بریگیڈئر امتیاز: اس میں (آصف زرداری میں) دو خصوصیات تھیں۔ اول غنڈہ گردی۔ آصف زرداری غنڈہ ہے اور اب وہ قوم کے لئے Bane ہے یہ بڑا گندہ Issue ہے اور میں نے اس پر کبھی بات نہیں کی ——— یقین کرو میں نے اس کی تصویریں دیکھی ہیں ——— آصف زرداری ایک Abnormal آدمی ہے۔ (بریگیڈیئر امتیاز' آصف زرداری پر کیچڑ اچھالتا ہے)

ممتاز: (ہنستے ہوئے) کیا آئی ایس آئی اس طرح لوگوں کے نجی معاملات میں بھی دخل دیتی ہے

بریگیڈئر امتیاز : نہیں یہ آف دی ریکارڈ ہے۔ (پھر وہ کسی سے بات کرتا ہے اور کہتا ہے نواز شریف، کوریا کے سفیر سے قادر موٹرز میں ملاقات کرے گا جو پشاور روڈ پر واقع ہے)——نواز شریف کدھر ہے۔

ممتاز : آؤ اور بیٹھ جاؤ۔ (اس سے لگتا ہے کہ عارف اعوان واپس کمرے میں آگیا ہے)

عارف اعوان: میں نے سوچا کہ میں لیٹ ہو گیا ہوں

بریگیڈئر امتیاز : اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں 5 منٹ کے لئے جانا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے کسی کو کہا تھا کہ میں 18.00 بجے آؤں گا——آپ کے آنے سے قبل میں ممتاز سے بات کر رہا تھا کہ اگرچہ ہماری پہلی دفعہ ملاقات ہوئی ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں——آپ کے اصول——آپ کا طریقہ زندگی اور آپ کی آئیڈیالوجی۔

عارف اعوان : جناب میں تو سیاست میں صرف اپنے ملک کی اور لوگوں کی خدمت کرنے کے لئے داخل ہوا تھا۔ ہر سیاستدان یہی کہتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہر شخص افراتفری کا شکار ہو گیا ہے اب صرف خدا ہی جانتا ہے کہ ہمارے ملک کا کیا بنے گا——لیکن یہ لوگ——

بریگیڈئر امتیاز: آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں

عارف اعوان : ان لوگوں (سیاستدانوں) کو عوام کی خدمت کرنا ہے۔ ہم بہت غریب ہیں——میں نے اپنے گروپ کے لوگوں سے بات کی ہے۔ پہلے میں نے ان کی بات سنی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کوئی قربانی دینے کے لئے تیار ہے یا نہیں——پھر سوچ سکتے ہیں——بچے بڑے ہو گئے ہیں——لیکن قابل تعریف ہے——چونکہ آپ جلدی میں ہیں میں نے اپنے گروپ سے بات کی ہے۔ وہ تقریباً تیار ہیں اور میری تجویز سے متفق ہیں——میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کتنی رقم لینے کے خواہش مند ہیں انہوں نے کہا کہ——ہم اس طرح کر سکتے ہیں یا نہیں——اب ممکن ہے یہ معاہدہ میں خود ہی کروں——اور اب صورت حال——بھائی جب ہم اس طرح کا قدم اٹھاتے ہیں تو اسکا سیاسی کیریئر ختم ہو جاتا ہے۔ انشاء اللہ

Political Career کو کچھ نہیں ہو گا۔

بریگیڈئر امتیاز: عارف کو بات کرنے دو۔

عارف اعوان: جب ہم دوبارہ عوام کے پاس جائیں گے تو لوگ ہم سے بہت سارے سوالات پوچھیں گے ——— اس صورت میں ہمیں کون بتائے گا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے ——— اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ براہ راست مل جاؤں تو میں اس کیلئے بھی تیار ہوں۔

ممتاز: آپ کو ایسا ہی کرنا ہو گا۔

عارف اعوان: یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ میرے ساتھیوں نے فی الحال Avoid کیا ہے میں نے انہیں بتایا کہ ممکن ہے کہ آپ سمجھ رہے ہوں کہ میں آپ کے ساتھ کوئی غلط چال چل رہا ہوں ——— لیکن یہ بھی طے ہو گیا ——— لیکن اب آپ صاف صاف مجھے بتائیں کہ صورت حال کیا ہے ——— ہماری بھی خواہش ہے کہ ہمیں کامیابی حاصل ہو۔ مجھے امید ہے کہ ہماری کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔

میجر عامر: نہیں اگر ہم اس کھیل میں ہار جاتے ہیں تو پھر ایسا ہو گا کہ ———

عارف اعوان: مہربانی کرکے میری بات سنیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو گا کہ ہم آپ کی مدد کرنے کے بعد بھی خود وہیں پر پائیں جہاں اس وقت کھڑے ہیں ——— آپ کے ذہن میں کیا ہے وہ میں نہیں جانتا ——— مجھے بتائیں کہ آپ میرے ساتھیوں کے ساتھ کس طرح کا Coordination چاہتے ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز: یہ کام آپ خود بھی کر سکتے ہیں

عارف اعوان: آپ ہمیں سمجھائیں۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔

بریگیڈئر امتیاز: عارف بھائی' ہم دونوں کی عمر تقریباً ایک جتنی ہے ——— میری عمر تقریباً 52 سال ہے ——— اب بات یہ ہے کہ ہماری ملاقات ہو چکی ہے ——— آپ کو اپنے گروپ کے لوگوں سے پہلے ہی ملاقات کر لینی چاہئے۔ ——— اب ہم اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں ——— جیسا

کہ میں نے کہا ہے ــــــ عارف بھائی میرے پاس آپ کے متعلق اطلاعات موجود ہیں جو نامکمل تو ہو سکتی ہیں مگر مجھے اس بات کا یقین ہے کہ وہ درست ہو نگی ــــــ آپ کو اس بات کا بھی فائدہ ہے کہ آپ مجھے جانتے ہیں ــــــ آئیں ہم اپنے تعلقات کو مضبوط بناتے ہیں ــــــ میں صرف 10 منٹ لوں گا ــــــ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے نزدیک ممتاز اور میجر عامر بھائیوں کی طرح ہیں۔ اور آپ ممتاز کے انکل ہیں۔ ممتاز بھی مجھے بہت عزیز ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ــــــ

عارف اعوان : ہم ماڑے (عام قسم کے) آدمی ہیں ــــــ (عارف اعوان 1978ء کے واقعات کی متعلق کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن بریگیڈئر امتیاز فوراً بات کاٹ کر کہتا ہے چھوڑیں ہم سب جانتے ہیں)

بریگیڈئر امتیاز : پہلی بات تو یہ ہے کہ میرا آپ کے ساتھ وعدہ ہے کہ یہ وعدہ انسانیت کے نام پر ہے چاہے ہم اس جہاد (وزیراعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد) میں کامیاب ہوتے ہیں ــــــ لیکن ہمارے جو تعلقات آج قائم ہوئے ہیں ــــــ میری خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اتنی ہمت دے کہ آپ کبھی مجھ سے مایوس نہ ہوں (عارف کہتا ہے شکریہ) ــــــ اب ہمارے تعلقات ــــــ یہ بہتر نظر نہیں آتا اگر ــــــ ہمیں ایک دوسرے پر یقین کرنا چاہئے ــــــ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ (وزیراعظم کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ) ملک کی Sovereignty کے لئے نہ ہوتا اور اگر یہ محض سیاسی اقدام ہوتا تو مجھ جیسا شخص اس کی قطعاً پرواہ نہ کرتا ــــــ اگر یہ پاکستان کی عزت کا معاملہ نہ ہوتا تو ــــــ میں سمجھتا ہوں کہ حالات ایک نازک موڑ تک پہنچ گئے ہیں ــــــ میری بیوی کی عزت تک محفوظ نہیں ہے ــــــ میری ایک بیٹی ہے ــــــ جو اس عمر تک پہنچ گئی ہے کہ اس کی شادی کردی جائی اور مجھے اس کے مستقبل کا یقین نہیں ہے ــــــ

عارف اعوان : نہیں ! بچوں کے بارے میں کوئی بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا ــــــ آزادی کو ایک حد تک ــــــ

بریگیڈئر امتیاز : مجھے اس بات کا بھی یقین نہیں ہے کہ میرے والدین کی قبر بھی محفوظ رہے گی یا نہیں۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ اصل حقائق کا آپ کو علم

نہیں ہے اور جو کچھ آپ کے علم میں ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن ہمیں اندرونی باتوں کا علم ہے۔ ہم یہ سب کچھ اسی طرح جانتے ہیں جیسے کوئی دن کو رات سے پہچانتا ہو ——— اور یہ حقیقت ہے کہ وزیراعظم کے خلاف تحریک اعتماد کی کامیابی سے بڑا کوئی جہاد نہیں ہے ملک کی سلامتی کے لئے اگر کسی کو اپنا سیاسی اثاثہ بھی قربان کرنا پڑے تو حتیٰ کہ اس کی عزت ان کے انتخابات ——— ان کے ووٹ ———

عارف اعوان: بلاشبہ ملک کے لئے بھی قربانی دی جاسکتی ہے۔

بریگیڈیئر امتیاز: ملک کے لئے ——— کیونکہ جمہوریت ملک کے لئے ہے نا کہ ملک جمہوریت کے لئے ہے ——— ٹھیک ہے ——— سیاسی جماعتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ قومی وقار کا تحفظ کریں۔ یہ کام ملک کا نہیں ہے کہ وہ سیاسی جماعتوں کی عزت کا تحفظ کرے ——— (عارف اعوان اتفاق کرتا ہے) ——— میں یہ حقیقت خدا کی قسم کھا کر بیان کر رہا ہوں کہ یہ سب کچھ ملک کے وسیع تر مفاد میں کیا جارہا ہے ——— جب سے پاکستان قائم ہوا ہے ایسا نہیں ہوا تھا جو آج ہو رہا ہے ——— فوج کو ختم کرنے کے لئے معاہدے کر لئے گئے ہیں۔ بے نظیر بھٹو کی حکومت نے بھارتی حکام سے یہ بات طے کر لی ہے کہ پاکستان فوج کو کم کر کے پی پی پی کی حکومت کے سامنے جھکا دیا جائے گا۔ ——— اس کے بدلے بے نظیر نے انڈیا (راجیو) کو یقین دہانی کرائی ہے کہ اس کی حکومت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک وہ (بے نظیر) زندہ ہے ——— آپ (سیاستدانوں) کے پاس نومبر تک کا وقت ہے۔ اس کے بعد آپ کے پاس ایک دن بھی نہیں ہو گا ——— کیونکہ نومبر میں بھارتی انتخابات ہونے والے ہیں۔ اگر وہ (راجیو) الیکشن جیت جاتا ہے تو وہ اس پوزیشن میں ہو گا کہ فوری طور پر ——— اور وہ اس پوزیشن میں ہو گا کہ اسے (بے نظیر) بچالے ——— اس لئے نومبر سے قبل اس قسم کے اقدامات کرنا ہونگے کہ راجیو گاندھی اکثریت حاصل ——— میں پھر واضح کر رہا ہوں کہ یہ باتیں بالکل درست ہیں ——— اور 29/ مارچ کے بھارتی جریدے "ٹائم" میں لکھا گیا ہے کہ اس علاقے میں بھارت کی فوج ایک جن کی حیثیت رکھتی ہے ——— اب آپ خود ہی مجھے بتائیں کہ یہ سب کچھ کیا

ہے ——— جب سے پاکستان بنا ہے ———

عارف اعوان : اب میں نہیں جانتا ——— ان سے چند دن اور چند ہفتوں کے اندر ملاقات ہو سکتی ہے۔ (عارف اعوان اس موقع پر بریگیڈئر امتیاز سے ضیاء اور جونیجو دور میں ہونے والے بعض واقعات کے بارے میں پوچھتا ہے)

ممتاز : شاید آپ کو یاد ہو کہ آپ نے رسالپور میں مجھے کشمیر کے متعلق کچھ بتایا تھا ——— ان کو وہ بات بتائیں

بریگیڈئر امتیاز : میں نے کہا ہے کہ ان باتوں پر اگر ہم بحث کرنا چاہیں تو گھنٹوں کر سکتے ہیں

عارف اعوان : ہماری آئندہ نسل کو آزاد ماحول دینے کی ہماری خواہش

———

بریگیڈئر امتیاز : عارف بھائی، میں آپ کو بتاتا ہوں ——— یہاں قول و فعل میں بہت تضاد ہے منافقت اپنی آخری حد تک پہنچ چکی ہے ——— آپ کی قیادت، اور آپ جانتے ہیں کہ میرے نزدیک آپ کی قیادت سے مراد وزیراعظم (بے نظیر) ہے ——— یہ قیادت ——— آپ کی پارٹی جمہوریت کی بات کرتی ہے لیکن آپ یہ زیادہ بہتر جانتے ہونگے کہ یہ (پی پی پی) پارٹی خود کتنی جمہوری ہے ———

عارف اعوان : اس کے بارے میں بھول جائیں کیونکہ ہمارا معاشرہ Degenerate ہو چکا ہے ——— آپ دفاع کے بارے میں کیوں نہیں بات کرتے ——— ملک کا دفاع ———

ٹاپ سیکرٹ

آئی بی یو او نمبر پی ایس او / جے ڈی آئی / 0-89-10-25

آپریشن مڈنائیٹ جیکال: 3/2/ اکتوبر 1989ء

کو ریکارڈ کی جانے والی گفتگو کی تفصیل

کمرہ ملاقات میں ملکی سیاست پر بحث جاری ہے۔ عارف اعوان' بریگیڈئر امتیاز سے ملکی سیاست پر گفتگو کر رہا ہے۔ ممتاز ملک اور میجر عامر بھی اس وقت موجود ہیں۔ اس گفتگو کے دوران عارف اعوان اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ اسے پاک بھارت تعلقات کے بارے میں بتایا جائے۔ بریگیڈئر امتیاز اس بارے میں چند باتیں عارف اعوان کو بتاتا ہے اور سلسلہ گفتگو کچھ اس طرح آگے بڑھتا ہے۔

بریگیڈئر امتیاز: عارف اعوان نے تین سوالات اٹھائے ہیں۔

(1) کہ انہیں کامیابی کا یقین دلایا جائے۔

(2) کتنا پیسہ دیا جائے گا۔

(3) ووٹ ڈالنے کا طریقہ کار کیا ہو گا آیا کہ یہ خفیہ بیلٹ ہو گا یا شو آف ہینڈ ہو گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی کو بھی اس چیز کا علم نہیں ہے کہ تحریک عدم اعتماد کے دوران ووٹ خفیہ طریقے سے ڈالا جائے گا یا شو آف ہینڈ کا مظاہرہ ہو گا۔

——میں آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھوں گا——چونکہ اب ہم بھائی ہیں اس لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ خفیہ ووٹ کے ذریعے ہو گا یا شو آف ہینڈ ہو گا۔ کیونکہ اگر آپ نے ہماری مدد کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ کو کھلم کھلا اس کا اعلان کرنا ہو گا۔ اس معاملے میں آپ کی اور دوسرے لوگوں کی سوچ میں فرق ہو سکتا ہے۔ آپ کو دوسروں کی طرح فکر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آپ کو ملک کے تحفظ اور لوگوں کے حقوق کے لئے ایک مضبوط موقف اختیار کرنا پڑے گا——

میجر عامر: میں لازمی طور پر پریس کے لئے چارج شیٹ تیار کروں گا۔

بریگیڈیئر امتیاز: ہاں! ہمیں یہ چارج شیٹ لازمی طور پر تیار کرنا چاہئے۔

میجر عامر: یہ (عارف اعوان) پریس کو یہ بیان جاری کریں گے اور اس طرح ہیرو بن جائیں گے۔

ملک ممتاز: کیا یہ (بیان) پیپلز پارٹی کے خلاف ہو گا۔

بریگیڈیئر امتیاز: ہاں!

ملک ممتاز: ممکن ہے کہ اس صورت میں وہ (پی پی پی) اسے (عارف) پارٹی سے ہی نکال دیں۔

بریگیڈیئر امتیاز: نہیں۔ وہ (عارف) یہ نہیں کہیں گے کہ وہ پارٹی چھوڑ رہے ہیں

میجر عامر: یہ (عارف) محض یہ کہیں گے کہ ان کے پارٹی کے ساتھ اختلافات ہیں؟

بریگیڈیئر امتیاز: ان کے اختلافات ہیں

عارف اعوان: آپ کا مطلب ہے کہ میں فارورڈ بلاک بنا لوں اس طرح پارٹی نہیں چھوڑنا پڑے گی۔

بریگیڈیئر امتیاز: میں آنے والے حالات کی پیش گوئی نہیں کر سکتا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

عارف اعوان: ٹھیک ہے۔

بریگیڈیئر امتیاز: یہ ملک کی بقا اور تحفظ کا معاملہ ہے۔ اگر یہ تحریک کامیاب نہ ہوئی تو——

عارف اعوان: اچھا

بریگیڈئر امتیاز: اب میں دوسرے سوال کا جواب دے رہا ہوں۔ اگر تحریک عدم اعتماد کامیاب نہیں ہوتی تو تمہارے سمیت یہاں پر کوئی نہیں رہے گا ——— اسی لئے ہم بھائی یہاں اکھٹے ہوتے ہیں۔ تا کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ کامیابی ہماری ہو گی

میجر عامر: بلکہ اس کو حد سے زیادہ یقینی بنانا (اس ملاقات کا مقصد ہے) ہاں۔ یہ درست ہے کہ ہم اپنی کامیابی کو انتہائی یقینی بنانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ (اسلامی جمہوری اتحاد) کامیابی کے بہت قریب ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ کامیابی کے قریب پہنچ چکے ہیں لیکن ہمارا اصول ہے کہ کامیابی کو مکمل طور پر یقینی بنانے کا بندوبست کر لیا جائے۔

میجر عامر: میں نے انہیں طارق رحیم کی تنخواہ کے بارے میں بتا دیا ہے۔

بریگیڈئر امتیاز: کیا آپ طارق رحیم کا بیان پڑھا ہے جو کل کے اخبارات میں شائع ہوا تھا (طارق رحیم نے یہ بیان 2 وزراء کے خلاف دیا تھا) ——— لیکن اس کے باوجود ہم اپنی کامیابی کو یقینی بنانا چاہتے ہیں۔ اگر ہمیں کامیابی کا یقین نہ ہوا تو ہم تحریک عدم اعتماد پیش نہیں کریں گے۔ پھر ہمیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہو گی؟

ملک ممتاز: ہاں اس طرح ذلت ہو گی۔

بریگیڈئر امتیاز: ہاں اور اس طرح وہ (بے نظیر) دوبارہ وزیراعظم بن کر بیٹھ جائے گی۔

ملک ممتاز: پھر وہ 5 سال تک حکمرانی کرے گی۔

بریگیڈئر امتیاز: وہ (بے نظیر) حکمران رہتی ہے یا نہیں لیکن اسی صورت میں مارشل لاء ضرور آ جائے گا جس سے ہم بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ملک ممتاز: اچھا۔ تو کیا پھر مارشل لا آ جائے گا؟

بریگیڈئر امتیاز: وہ مضبوط نہیں ہو گی۔ ہم 17/ اگست 1988ء (ضیاء الحق کے طیارے کی تباہی کی طرف اشارہ ہے) سے قربانیاں دے رہے ہیں تا کہ مارشل لاء نہ لگ سکے ——— اس صورت میں ہم پھنس جائیں گے اور اس

کا فائدہ بھی کچھ نہیں ہو گا۔

عارف اعوان : مہربانی کر کے مجھے ایک بات بتائیں ـــــ آخر فوج کب تک ان اداروں کو چلاتی رہے گی ـــــ کیا وہ ملک کے دفاع یا ایڈمنسٹریشن پر توجہ دیں گے ـــــ اگر ملٹری کورٹ کسی کو کوڑوں کی سزا دیتی ہے خواہ وہ قصور وار ہو یا نہ ہو' تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اس فرد کے اہل خانہ فوج سے ہمدردی کے جذبات رکھ سکیں گے ـــــ یہ فاصلہ دوبارہ پیدا نہیں ہونا چاہئے فوج اور عوام اسی صورت میں ترقی کر سکتے ہیں جب ان کے درمیان کوئی نہ ہو

ملک ممتاز : بریگیڈیئر صاحب کا بھی یہی مطلب ہے۔ اور وہ اس مقصد کے لئے کوشاں ہیں۔

میجر عامر: کیا آپ کو علم ہے کہ "فاٹا" والوں نے کیا کہا۔

ملک ممتاز : حاجی گل شیر خاں کے ساتھ جس شخص سے ہماری ملاقات ہوئی تھی ـــــ حاجی گل شیر کے کمرے میں ہم جس سے ملے تھے اس کا نام حاجی بسم اللہ تھا۔

میجر عامر: حاجی بسم اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ اگر وہ (بے نظیر) میرے ووٹ سے جا سکتی ہے تو خدا کی قسم میں اس کے خلاف ووٹ ڈالوں گا۔

ملک ممتاز: حاجی بسم اللہ نے یہ کیا کہا ہے۔

میجر عامر: ہاں

ملک ممتاز: آج آپ Deal مکمل کر لیں کیونکہ میں ہر روز نہیں آ سکتا۔

بریگیڈیئر امتیاز : میں آپ کو حقائق سے آگاہ کر رہا ہوں۔ پنجاب میں نواز شریف نے جس گروپ کی ہمدردیاں حاصل کی ہیں اسے بھی ابھی تک رقم ادا نہیں کی گئی وہ (نواز شریف) بہت سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اگر پنجاب میں بھی اسی طرح پیسہ خرچ کیا گیا جس طرح سرحد میں خرچ کیا گیا تھا تو پھر اس سلسلے کا کوئی End نہیں ہو گا اور اس صورت میں سرحد کی کہانی پنجاب میں بھی دہرائی جائے گی۔

عارف اعوان: لیکن وہ پنجاب میں ارکان اسمبلی کو رقم ادا کر رہا ہے۔

بریگیڈئر امتیاز: یہ افواہیں ہیں۔

عارف اعوان : نہیں ——— نہیں ——— اس نے پنجاب میں ارکان اسمبلی کو 10 لاکھ روپے فی کس ادا کئے ہیں اور زمینوں کی الاٹمنٹ بھی کی جا رہی ہے۔ ایس ایچ او حضرات بھی کافی Hanky Panky کر رہے ہیں (ارکان اسمبلی کو) پلاٹ اور Pajero جیپیں بھی دی گئی ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز : مجھے کہنے کی اجازت دی جائے کہ اب رقم کیش کی صورت میں نہیں ادا کی جائے گی بلکہ اس کے برعکس قیمتی پلاٹ دیئے جا سکتے ہیں۔ یہ پلاٹ اتنے قیمتی ہونگے کہ ان کو دینے کے بعد میں خود بھی مطمئن ہونگا۔

عارف اعوان : ان کی (پلاٹ) اندازاً قیمت کیا ہو گی کیونکہ پلاٹوں کی مختلف قیمتیں ہوتی ہیں۔ پلاٹ کی قیمت ایک لاکھ بھی ہو سکتی ہے اور پانچ ہزار بھی۔

بریگیڈئر امتیاز : یہ پلاٹ کم از کم 15 لاکھ روپے قیمت کا ہو گا اور اس کی قیمت 15 سے 20 لاکھ روپے کے درمیان ہو گی۔

عارف اعوان : مہربانی کر کے مجھے صحیح صحیح بتائیں کیونکہ ماضی میں بھی میرے ساتھ کئی مرتبہ دھوکہ ہو چکا ہے۔ مہربانی کر کے مجھے ایک بات بتائیں (مداخلت) پلیز میری بات سنیں۔ اگر میں ——— خود کو بیچتا ہوں ——— آخری دفعہ جب اس ضمن میں مجھ سے بات ہوئی تھی تو مجھے یہ قیمت 25 لاکھ روپے بتائی گئی تھی (مداخلت) ایک منٹ میری بات سنیں۔ یہ بے عزتی کی بات ہے اگر یہ بے عزتی کی بات نہیں ہے تو کیا ہے؟ موجودہ سیاسی صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم خود کو بیچنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ذلت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے ———

ملک ممتاز: آیئے اب اس معاملے کو حتمی شکل دیں ———

عارف اعوان : میں اپنے گروپ کے دیگر ارکان کو آپ کی تجویز کے بارے میں بتاؤں گا۔ اگر انہوں نے اتفاق کیا تو ہم سودا طے کر لیں گے ہم میجر عامر کو ضامن بنا سکتے ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز : ہاں ——— یہ درست ہے ——— ضامن ٹھیک ہو گا ——— اگر آپ کہیں تو میں گارنٹی کے طور پر آپ کے نام ایک مکان لکھ

دیتا ہوں ——

عارف اعوان : مجھے ممتاز کے ذریعے آپ کا پیغام ملا تھا اس لئے میں نے دوستوں سے بات کی —— (مداخلت)

بریگیڈئر امتیاز : پیارے بھائی اگر کبھی آپ کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑ جائے اور حتیٰ کہ آپ کی جان بھی خطرے میں پڑ جائے تو بھی ہم تینوں کا نام (بریگیڈئر امتیاز میجر عامر اور ممتاز ملک) کسی کو نہ بتائے گا۔ خدا آپ پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے۔

عارف اعوان : یہ میرا وعدہ ہے۔ لیکن ویسے میں نے کیا برا کیا ہے؟ لوگ ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں اور اس میں کوئی برائی نہیں ——

بریگیڈئر امتیاز: اچھا پیارے بھائی —— (مداخلت)

ملک ممتاز : آپ کا مطلب یہ ہے کہ اگر پلاٹ دینا ہے تو اس کی قیمت 50 لاکھ ہونا چاہئے؟

بریگیڈئر امتیاز : میں کہہ رہا تھا کہ پلاٹ کی قیمت 15 سے 20 لاکھ روپے کے درمیان ہونا چاہئے

عارف اعوان : میں ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ پلاٹ کی قیمت کسی بھی صورت میں 50 لاکھ سے کم نہیں ہونی چاہئے تا کہ میں اپنے ساتھیوں کو راضی کر سکوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا۔ لوگ کیا کہیں گے اور ہم اپنے حلقہ میں لوگوں کا سامنا کیسے کریں گے ——

ملک ممتاز : وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے فاٹا والوں کے ساتھ معاملہ طے کر لیا ہے اور اس ضمن میں فاٹا سے تعلق رکھنے والوں کو فی کس 25 لاکھ روپے ادا کئے جائیں گے۔

میجر عامر: ہاں

عارف اعوان: حکومت یہ رقم ادا کرے گی؟

بریگیڈئر امتیاز : نہیں۔ پنجاب حکومت کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس رقم کا پرائیویٹ طور پر بندوبست کیا جائے گا۔

میجر عامر: یہ رقم ذاتی ہو گی۔

بریگیڈیئر امتیاز: خدا کی قسم یہ رقم ایک شخص ذاتی طور پر ادا کرے گا۔

میجر عامر: (مذاق کرتے ہوئے) جو شخص یہ رقم ادا کر رہا ہے اس کا تعلق پیپلز پارٹی سے ہے

ملک ممتاز: پیپلز پارٹی کا کون سا شخص مالدار ہے۔

عارف اعوان: وہ شخص کوئی بھی ہو' اسے کہیں کہ ہمیں ادائیگی کیش کی صورت میں کرے۔

بریگیڈیئر امتیاز: اگر ہم نے پنجاب میں ایک شخص کو بھی کیش میں رقم ادا کی تو اس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔

عارف اعوان: نواز شریف نقد ادائیگی کر رہا ہے

بریگیڈیئر امتیاز: نہیں پنجاب میں ایسا نہیں کیا جا رہا۔

ملک ممتاز: پنجاب میں نہیں' انہوں نے (نواز شریف) سرحد اور سندھ میں نقد ادائیگی کی ہے

بریگیڈیئر امتیاز: میں آپ سے کوئی بات چھپا نہیں رہا۔ ایسا سندھ اور سرحد میں تو کیا گیا ہے مگر پنجاب میں یہ نہیں کیا گیا۔

عارف اعوان: پنجاب میں کتنے ارکان صوبائی اسمبلی آپ کے ساتھ ہیں؟

بریگیڈیئر امتیاز: ہمارے پاس ارکان اسمبلی کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔

ملک ممتاز: سندھ سے قربان علی شاہ ہے' لیکن وہ Momentum پیدا کرنے میں ناکام ہو گیا ہے ——— روزنامہ جنگ میں خبریں شائع ہو رہی ہیں کہ قربان علی شاہ اکیلا رہ گیا ہے اور اسے اپنے مشن میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی

میجر عامر: روزنامہ جنگ میں خبریں کون لکھ رہا ہے۔ آپ کو اس کا پس منظر دیکھنا چاہئے اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ (صحافی) کس کا ایجنٹ ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔

بریگیڈیئر امتیاز: پلاٹ آپ کی مرضی کے مطابق کسی بھی شخص کے نام پر الاٹ کیا جا سکتا ہے ——— جو پلاٹ ہم آپ کو الاٹ کریں گے اس کی مارکیٹ ویلیو' کاغذات میں بیان کی جانے والی قیمت سے زیادہ ہو گی

عارف اعوان : یہ سودا طے کرنے سے قبل اپنے دوستوں سے مشورہ کروں گا ——— میں انہیں آپ کی پیشکش کے بارے میں آگاہ کروں گا اور اس کے بعد ہم متفقہ طور پر فیصلہ کریں گے کیونکہ میں تنہا نہیں آسکتا ——— اگر میں انہیں کہتا ہوں کہ میں نے سودا طے کر لیا ہے اور وہ اس سے اتفاق نہیں کرتے تو پھر کیا ہو گا۔ مجھے یہ معاملہ بھی ان سے Discuss کرنا ہے ———

بریگیڈیئر امتیاز : مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس بہت کم وقت باقی رہ گیا ہے ——— آپ آج یا کل تک اس کے بارے میں فیصلہ کریں ———

عارف اعوان : پچھلی مرتبہ ہم کسی حتمی فیصلے تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ آخری مرتبہ جب ہماری ملاقات ہوئی تھی تو اس وقت تجویز مختلف تھی۔ ہمیں کہا گیا تھا کہ ہمیں Expose نہیں کیا جائے گا اور ہمیں اپنے ووٹ کا استعمال خفیہ طریقے سے کرنا ہو گا۔ لیکن اب آپ کھلی محاذ آرائی کی بات کر رہے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ ہم سب کے سامنے کشتی میں سوار ہو جائیں چونکہ اب صورت حال مختلف ہے اس لئے مجھے اپنے دوستوں سے مشورہ کرنا ہو گا کیونکہ میرے فیصلے کے نتیجے میں جو صورت حال پیدا ہو گی میں اس کا تنہا مقابلہ نہیں کر سکوں گا۔

بریگیڈیئر امتیاز : یہاں سوال سیکرٹ بیلٹ کا نہیں ہے۔ یہ آسان کام نہیں۔ اگر خفیہ بیلٹ کے ذریعے تحریک عدم اعتماد لانا مقصود ہوتی تو ہمیں آپ سے بات کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اس صورت میں ہمیں ممکن ہے خود بخود ہی مطلوبہ ووٹ حاصل ہو جاتے ——— یہ ووٹ مطلوبہ تعداد سے زیادہ ہوتے۔ چونکہ (تحریک عدم اعتماد پیش ہونے کے دن) شو آف ہینڈ ہو گا اس لئے ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔

عارف اعوان : آپ مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو اپنے جواب سے مطلع کر دونگا لیکن سر دست میں فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

ملک ممتاز : ہم اکٹھے جائیں گے، آپ اپنے دوستوں سے بات کریں اور Deal کو مکمل کریں۔

میجر عامر: چلیں اس معاملے کو ختم کرتے ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز: دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ فیصلہ کر لیں گے تو پھر آپ کی ملاقات نواز شریف سے کرائی جائے گی تا کہ حتمی فیصلہ سے قبل Discussion ہو سکے۔

عارف اعوان: میں کسی قیمت پر کہیں نہیں جاؤں گا' یہ معاملہ آپ یہیں طے کر سکتے ہیں۔ میں کسی شخص کے پاس نہیں جاؤں گا۔

میجر عامر: ممتاز کے پاس اچھے دوست ہیں۔

ملک ممتاز: آئیں MNA ہوسٹل چلیں۔ ہم انہیں (ارکان اسمبلی) کو وہاں تلاش کریں گے ـــــ اور آپ ان سے بات کر سکتے ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز: میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ جب تک ہمارے درمیان معاملہ طے نہیں پاتا کسی اخبار میں اس کے متعلق کوئی خبر شائع نہ ہو۔

ٹاپ سیکرٹ

آئی بی یو او نمبر پی ایس او / جے ڈی آئی / 0-89 / 10-25

2/ اور 3/ اکتوبر 1989ء

کی رات کو ریکارڈ کی جانے والی گفتگو کی تفصیل

میجر عامر نے ڈی آئی جی راولپنڈی شاہد حسن سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ اس نے شاہد حسن سے پوچھا کہ کیا آپ کا دوسرا فون کام کر رہا ہے۔ میجر عامر نے جس نمبر کو ڈائیال کیا تھا اس پر شاہد حسن سے گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسے کہا کہ زبیر کو پیغام دے کر وہ اس سے 863839 پر بات کرے۔ یہ ٹیلی فون ملک ممتاز کے گھر لگا ہوا ہے۔

دوسری ٹیلی فون کال بریگیڈئر امتیاز نے Receive کی۔ یہ ٹیلی فون کال ایس ڈی آئی جی راولپنڈی شاہد حسن نے کی تھی۔ اس نے پوچھا کہ کیا ٹیلی فون Safe ہے۔ بریگیڈئر امتیاز نے چند فقروں کے تبادلے کے بعد اسے کہا کہ زبیر کو پیغام دو کہ مجھ سے بات کر لے۔ پھر میجر عامر نے شاہد حسن سے بات کی اور کہا کہ میرا ٹیلی فون نمبر 863839 Safe ہے اور میجر عامر نے کوڈ ورڈز میں وزیر اعلیٰ کو ان کی موجودہ Assignment کے بارے میں ر. عمل کے بارے میں پوچھا۔ ڈی آئی جی نے بتایا کہ اس کی وزیر اعلیٰ سے بات ہوئی ہے جس . ے کہا ہے کہ ٹھیک ہے لیکن میں شام کو بات کروں گا۔ شاہد حسن نے میجر عامر سے کہا کہ فارغ ہونے کے بعد مجھ سے

گھر میں ملاقات کر لینا۔ مسٹر شاہد حسن اس موقع پر میجر عامر کو ایک محفوظ ٹیلی فون نمبر بتانا چاہتے تھے لیکن عامر نے کہا میرے پاس قلم نہیں ہے۔ چونکہ ٹیلی فون درست طریقے سے بند نہیں ہوا تھا اس لئے شاہد حسن کی آواز آتی ہے جو علی محمد سے ایک سرکاری معاملے پر بات کر رہے ہیں۔ اس سے یہ بات مزید کنفرم ہوتی ہے کہ وہ شاہد حسن ہی تھے۔

ٹاپ سیکرٹ

آئی بی یو او نمبر پی ایس او / جے ڈی آئی / 0-89 / 89-10-25

اپریشن مڈنائیٹ جیکال

چھٹی کیسٹ کی تفصیل جو 5/ اکتوبر کی رات کو ریکارڈ کی گئی

کمرہ ملاقات میں چند افراد کے درمیان گفتگو جاری ہے۔ جو باہمی دلچسپی کے مختلف موضوعات پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اسی دوران ملک نعیم ایم این اے اور ملک ممتاز کے درمیان علیک سلیک ہوتی ہے۔ ملک نعیم اور ملک ممتاز گفتگو کر رہے ہیں جبکہ میجر عامر ٹیلی فون پر کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ پھر تینوں افراد گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ ایک طرف کوئی شخص ٹیلی فون پر بات کر رہا ہے جبکہ دوسری طرف ملک ممتاز کی بلند آواز سنائی دیتی ہے ——

ملک ممتاز : میں آپ کو شرائط کے بارے میں آگاہ کرتا ہوں۔ انہوں نے پہلے ہی ان شرائط پر تفصیلا بات کر لی ہے۔ (بظاہر لگتا ہے کہ نواز شریف نے ملک نعیم کو سودا طے کرنے کے لئے بھیجا ہے)

: پہلی بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمیں سروست چاہے ایک پیسہ بھی ادا نہ کریں لیکن ہمیں ضمانت دیں اور معاہدہ کریں کہ انہیں کتنی رقم ادا کی جائے گی۔

2: اسلامی جمہوری اتحاد والے اگر تحریک عدم اعتماد پیش کرتے ہیں تو ہم (عارف وغیرہ) ان کا ساتھ دیں گے۔ اس کے بعد ہم پانچوں اسلامی جمہوری اتحاد کے ساتھ ہونگے۔ وہ ہمیں (IJI) اپنی مرضی کے مطابق استمال کر سکتے ہیں۔ وہ اگر ہمیں کہیں گے تو ہم پریس کانفرنس سے بھی خطاب کر دیں گے۔ اس کے علاوہ وہ (IJI) ہمیں جو کہیں گے ہم کرنے کے لئے تیار ہیں۔

3: لیکن انہیں (IJI) چاہیے کہ ہمیں قبل از وقت Expose نہ کریں کیونکہ اگر تحریک عدم اعتماد ناکام ہو گئی تو ہم نہ ادھر کے رہیں گے نہ ادھر کے۔

ملک نعیم: نہیں جناب ایسا نہیں ہے۔ صورت حال ہمارے حق میں ہے (اس دوران ٹیلی فون کال آنے سے گفتگو متاثر ہوئی ملک نعیم پھر نسیم آہیر کے ساتھ اپنے اختلافات کے بارے میں شرکاء محفل کو آگاہ کرتا ہے اور کہتا ہے) میں 1988ء میں سوچ رہا تھا کہ کہیں میں الیکشن ہار ہی نہ جاؤں لیکن میں نے اسے 35 ہزار ووٹوں سے شکست دی۔ اب اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو بھی فائدہ پہنچے گا (شاید ملک نعیم، عارف اعوان کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ آئندہ انتخابات میں دھاندلی کے ذریعے بھی ان کو کامیاب کروا سکتا ہے) پس دونوں کی اسمبلی میں ملاقات ہوئی۔ اور انہوں نے مجھے بتایا کہ عارف اعوان ہمارا لیڈر ہے۔

ملک ممتاز: ہم نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ عارف اعوان ہمارا لیڈر ہو گا

ملک نعیم: میں نہیں جانتا تھا کہ نثار پنوں بھی ان میں شامل ہے۔ اس لئے میں نے ذاتی طور پر بھٹی سے بات کی اور معاملات ٹھیک ہو گئے۔

ملک ممتاز: ہاں یہ فیصلہ ہو چکا تھا اور عارف نے اس کے بارے میں میجر عامر کو آگاہ کیا تھا۔

ملک نعیم: اب کام کرنے کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب ہم تحریک عدم اعتماد پیش کریں گے تو اس کے لئے 3 سے 7 دن پہلے نوٹس دینا لازمی ہوتا ہے (قہقہہ) جس دن ہم نے تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا ——

ملک ممتاز: اس کا مطلب یہ ہوا کہ 3 سے 7 دن قبل پہلے نوٹس دینا ہو گا۔

ملک نعیم: اس نوٹس کو دینے سے ایک دن قبل ہم سب غائب ہو جائیں گے۔

ملک ممتاز : غائب ہو جائیں گے ! لیکن آپ کو ووٹ دینے کے لئے لوگوں کی ضرورت ہو گی

ملک نعیم : جی۔ ہم اس دن ان تمام ارکان اسمبلی کو (ایوان کے اندر) اکھٹے لائیں گے۔

میجر عامر: ہم انہیں اغواء کر سکتے ہیں

ملک ممتاز: اچھا۔

ملک نعیم : یہ ٹھیک ہے (دوبارہ ٹیلی فون کال گفتگو کو متاثر کرتی ہے) ان کے لئے بھی موت ہم فیل ہو جائیں تو ہمارے لئے بھی موت ہے۔ اچھا! اسی لئے ہم تحریک اس وقت پیش کریں گے جب ہمیں اپنی کامیابی کا 190 فیصد یقین ہو گا۔ ہمارے دوستوں کو اس مسئلہ پر کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہونی چاہیے۔ جب ہمیں تین چوتھائی اکثریت کا یقین ہو جائے گا ہم تحریک پیش کر دیں گے۔ دوسری صورت میں ہم ایسا نہیں کریں گے ——

ملک ممتاز : قدرتی طور پر یہ ایسا ہی ہونا چاہیۓ۔ اس دوران اگر کوئی گڑ بڑ ہو جائے تو ہمیں بہت زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ عارف بھی اسی لئے یہ کہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم نہ ادھر کے رہیں اور نہ ادھر کے رہیں نہ اس کے بعد ہم کہاں جائیں گے۔

ملک نعیم : آپ میری بات سنیں ——جب ہم تحریک پیش کریں گے اس وقت ہماری تعداد کا سب کو علم ہو گا مسلم لیگ' آئی جے آئی اور جے یو آئی کے ارکان کی تعداد سب کے سامنے ہو گی۔ ہم نے طے کیا ہے کہ پیپلز پارٹی کے ارکان اسمبلی کو اپنے ساتھ موجود افراد کی تعداد دکھا دیں گے اور اس کے بعد وہ مطمئن ہو جائیں گے اور ہم تحریک پیش کر دیں گے۔

ملک ممتاز : یہاں ایک بات کی وضاحت کریں۔ اگر اس وقت ارکان اسمبلی اپنے بیگ لے کر آ گئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں جہاں مرضی ہے لے چلو تو پھر کیا ان کا یہ حق نہ ہو گا کہ ان کو رقم ادا کر دی جائے۔ میرے خیال میں یہ مناسب ہو گا کہ ان کو رقم ادا کر دی جائے۔

ملک نعیم: ادائیگی تحریک پیش ہونے کے وقت کی جائے گی۔

ملک ممتاز : میں کہتا ہوں کہ جو شخص ہمیں گارنٹی دیتا ہے کہ وہ ہمیں Support کرے گا۔ اس کے بارے میں کیا ہو گا۔

میجر عامر: ہاں۔ اس کی وضاحت ہونا چاہئے۔

ملک نعیم : ہاں ! آپ درست کہتے ہیں۔ لیکن ہم نے کچھ اس طرح کا انتظام کیا ہے کہ اپنے تحفظ کی خاطر ہم اکٹھے ہو جائیں گے تا کہ وہ (حکومت) ہمیں ہراساں نہ کر سکے اور ہم آسانی سے مطلوبہ جگہ (اسمبلی) پہنچ جائیں۔

ملک ممتاز : پنجاب اسمبلی کے معاملے میں بھی بالکل ایسا ہی طریقہ کار کیا گیا تھا۔

ملک ممتاز : ہاں ! اس کا مقصد یہ تھا کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے (کہ ہمارے آدمی بلا روک ٹوک ایوان کے اندر پہنچ جائیں) ہم نے اس طرح کے انتظامات کئے ہیں کہ جس دن وزیر اعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش ہو گی اسی دن ان کو (خریدے ہوئے ارکان اسمبلی کو) ادائیگی کر دی جائے گی۔ گارنٹر کو اجازت دے دی جائے گی کہ وہ رقوم ادا کر دے اور اس سلسلے میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا۔ اگرچہ نواز شریف ایک انتہائی کھلے دل کا آدمی ہے اور وہ بہت بڑا بزنس مین ہے لیکن آج کل اسے بھی مالی دشواری کا سامنا ہے۔ آج تو اس کی بالکل ماں مری ہوئی ہے۔

ملک ممتاز : اس سے کیا فرق پڑتا ہے ——— اگر وہ وزیر اعظم بن گیا تو ——— آیا کہ نواز شریف وزیر اعظم بنے گا یا جتوئی

ملک نعیم: وہ (نواز شریف) وزیر اعظم نہیں بن سکتا

میجر عامر: نہیں۔ وہ وزیر اعظم نہیں بن سکتا

ملک ممتاز: کیوں؟

ملک نعیم: وزیر اعظم سندھ سے ہو گا ——— جتوئی کو ———

ملک ممتاز : یہی وجہ ہے کہ وہ (عارف اعوان اور اس کے ساتھی) یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگلا وزیر اعظم کون ہو گا کیونکہ انہیں اس بات کا خدشہ ہے کہ وزیر اعظم کے عہدہ کے لئے ایک سے زیادہ امیدوار سامنے آنے کے بعد کوئی نیا جھگڑا نہ شروع ہو جائے۔

ملک نعیم : اس صورت میں صدر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ وزیراعظم کی نامزدگی کرے۔ جس دن صدر صاحب وزیراعظم کی نامزدگی کریں گے اس سے اگلے دن 160 ارکان اسمبلی اسے اتحاد کا ووٹ دے کر یہ معاملہ ہی ختم کردیں گے۔

ملک ممتاز: اسمبلی کے اندر ٹوٹل تعداد کیا ہے۔ کیا یہ تعداد 287 تو نہیں؟

ملک نعیم: یہ تعداد 237 ہے

ملک ممتاز: اور وزیراعظم بننے کیلئے کتنے ارکان کی ضرورت ہوگی

میجر عامر: آپ اس (وزیراعلیٰ) کی طرف سے آج سودا مکمل کرسکتے ہیں

ملک نعیم: او کے۔ درست ہے۔

ملک ممتاز : میں اس معاملے کو مکمل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ایمان سے اب میں بالکل تنگ پڑ گیا ہوں

ملک نعیم : ـــــــ تم نے ایک شاندار کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ قومی خدمت ہے۔

میجر عامر: ہاں یہ قومی خدمت ہے۔ یہ میرے بھائی کی طرح ہے اور میں اس کی مدد سے ایک اور بڑا کام کروں گا۔

ملک ممتاز: جناب ہم کریں گے آپ کے سارے کام۔ کیوں نہیں کریں گے۔

میجر عامر: مجھے اور انہیں (ممتاز) بہت سارے دوسرے کام بھی کرنا ہیں

ملک ممتاز : میں نے صبح کے وقت ان سے ٹیلی فون پر بات چیت کی تھی۔ پھر انہوں نے یہاں آکر ان سے (عارف وغیرہ سے) بات چیت کی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ کھل کر بات کریں۔ اور جیسا کہ سینیٹر گل شیر خاں کے کمرے میں ملاقات کے دوران طے ہوا تھا' میجر عامر نے عارف وغیرہ کو فی کس ایم این اے 50 لاکھ روپے دینے کی پیش کش کی۔ یہ رقم کیش کی صورت میں ادا کی جائے گی اور اس کی ادائیگی کی گارنٹی دی جائے گی۔ انہوں نے (عارف وغیرہ) یہ پیشکش قبول کرلی ہے ـــــــ بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر آئے تھے۔ بریگیڈئر امتیاز کنجوسی کر رہا تھا ـــــــ اس نے 10 لاکھ روپے سے بات شروع کی اور کہا کہ اتنی رقم کی مالیت کا ایک پلاٹ الاٹ کیا جائے

گا۔ اور اس پلاٹ کو بیچا جا سکے گا۔ اس طرح یہ بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔ چونکہ بریگیڈئر امتیاز چاہتا تھا کہ عارف اعوان اور اس کے ساتھی پیپلز پارٹی کے خلاف اخبارات میں بیان شائع کرائیں اس لئے یہ معاہدہ مکمل نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ (عارف وغیرہ) ایسا کرنے کیلئے تیار نہ تھے میں نے کہا کہ ابھی تو کوئی بات ہی مکمل نہیں ہوئی اور آپ (امتیاز) وزیر اعظم کے خلاف بیان دینے کی بات کر رہے ہیں۔

ملک نعیم: نہیں نہیں - ہم معاملہ طے کرنے کے بعد ان کو چھوڑیں گے نہیں ۔ ——— جس دن تحریک عدم اعتماد پیش ہوگی ہم احتیاطی تدابیر اختیار کریں گے ——— آپ آئیں اور غائب ہو جائیں۔

میجر عامر: اسی لئے میں نے آپ سے کہا تھا کہ ان سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کرو۔

ملک ممتاز: ان کا تیسرا پوائنٹ یہ تھا کہ وہ 5 آدمی ہیں (4 ایم این اے اور ایک ایم پی اے) اور جب آپ حکومت بنائیں گے تو پھر آپ رقم کے علاوہ انہیں کیا دیں گے۔ رقم کا مقصد تو محض وزیر اعظم کو ہٹانا تھا۔ وہ مستقبل میں بھی آپ کا ساتھ دینا چاہتے ہیں (ملک نعیم اتفاق کرتا ہے) کیونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اگر آپ تحریک عدم اعتماد کی کامیابی کے بعد انہیں چھوڑ دیں تو وہ آپ کے خلاف بھی اسی طرح کی تحریک کامیاب کروا سکتے ہیں کیونکہ بنیادی طور پر تو ان کا پی پی پی کے ساتھ تعلق ہے۔ آج وہ آپ کی حمایت کر رہے ہیں لیکن آپ کو انہیں مستقل طور پر اپنے ساتھ چلانا ہوگا۔ جب 5 آدمی آپ کے ساتھ آئیں گے تو آپ انہیں کیا دیں گے۔ وہ وزارتیں بنانا چاہتے ہیں۔ اس وقت تو بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر نے ان سے اتفاق کر لیا تھا لیکن کل دونوں (امتیاز اور عامر) کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے وزیر اعلیٰ سے بات کی ہے لیکن وہ نہیں مانتا۔

میجر عامر: ویسے ان کے پاس (آئی جے آئی) شیخوپورہ سے کوئی ایم این اے نہیں ہے۔

ملک ممتاز: ہاں - آپ کے پاس شیخوپورہ سے کوئی ایم این اے نہیں ہے۔ اور آپ کو انہیں نمائندگی دینا ہوگی۔

ملک نعیم: میں عرض کرتا ہوں۔ اس وقت انہوں نے (پی پی پی) ملک مشتاق کو نمائندگی دی ہے جس کا تعلق شیخوپورہ سے ہے۔

ملک ممتاز: وہ تو ٹوٹی پھوٹی (غیر اہم) منسٹری ہے۔

ملک نعیم: اگر وہ (عارف وغیرہ) ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور کسی ایک نام پر متفق ہو جائیں تو ——

ملک ممتاز: وہ متحدہ ہیں۔

ملک نعیم: کس کے حق میں؟

ملک ممتاز: چاروں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہیں۔ آپ انہیں ایک وزارت کی پیشکش کریں اور پھر انہیں یہ فیصلہ خود کرنے دیں کہ ان میں سے وزیر اعظم کون ہوگا۔

ملک نعیم: یہ بات ان پر واضح کردی جانی چاہئے کہ جب میں گارنٹی دونگا تو وزیر اعلیٰ بھی اس کی گارنٹی دے دیں گے۔

ملک ممتاز: وزیر اعلیٰ کو ذاتی طور پر اس کی گارنٹی دینا چاہئے۔

ملک نعیم: یہ ہو جائے گا۔ یہ معاملہ طے ہوگیا۔ یہ میری گارنٹی ہے کہ وزیر اعلیٰ بھی گارنٹی دے گا۔

میجر عامر: میں نے ملک ممتاز کو کہا ہے کہ وہ باقی ساری باتوں کو ایک طرف رکھ کر معاملہ طے کرے اور باقی باتوں کا میں ذمہ دار ہونگا۔ اور آپ مجھے جانتے ہیں۔

ملک نعیم: بالکل درست! رقم دینے کی تجویز یہ ہوگی کہ 10 لاکھ کے پلاٹ کے علاوہ 40 لاکھ روپے بھی ادا کئے جائیں گے۔ ہم پلاٹ کو کیش تصور کرتے ہیں

——

میجر عامر: ان میں سے ایک کے پاس گھر یا گاڑی تک نہیں ہے۔

ملک ممتاز: ملک صاحب ممکن ہے کہ آپ کو یہ علم نہ ہو کہ عارف اعوان میرے انکل ہیں وہ قابل رحم آدمی ہیں' نہ تو اس کے پاس گاڑی ہے نہ گھر۔

ان کی بطور وکیل پریکٹس بھی ختم ہو گئی ہے۔ پی پی پی کے ساتھ تعلق کی وجہ سے وہ تباہ ہو گیا ہے اور عمر کا زیادہ حصہ انہوں نے جیل میں گزارا ہے۔

ملک نعیم: میں انہیں جانتا ہوں۔ وہ آج تک بہت بری حالت میں زندگی بسر کر رہا ہے۔

ملک ممتاز: عارف اعوان نے ایس پی کو فون کیا اور کہا کہ آپ کو ہمیشہ مجھے گرفتار کرنے کیلئے زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔ جب کبھی آپ نے مجھے گرفتار کرنا ہو، صرف مجھے فون پر مطلع کر دیا کریں میں تھانے میں خود پیش ہو جایا کروں گا۔ اس کے بعد ایس پی کے دفتر سے انہیں ٹیلی فون پر مطلع کیا جاتا تھا اور وہ اپنی گرفتاری دے دیا کرتے تھے۔ ایس پی کہا کرتا تھا عارف صاحب آپ کے وارنٹ آ گئے ہیں۔ اور عارف جواب دیتا بس آدھ گھنٹہ میں شیو کر کے سامان لے کر آتا ہوں (تمام شرکاء محفل زور دار قہقہہ لگاتے ہیں)

ملک نعیم: مجھے اس کا بھی علم ہے۔ وہ بہت محنتی سیاسی کارکن تھا۔ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے اسی طرح کی زندگی گزاری ہے۔

ملک ممتاز: جونیجو کے دور حکومت میں بھی وہ جیل میں رہے۔

میجر عامر: ہاں۔

ملک ممتاز: کیا تسیم آہیر کا ضیاء الحق کے ساتھ کوئی خاص تعلق تھا۔

ملک نعیم: ہاں۔ وہ ضیاء الحق کے ساتھ تھا۔

ملک ممتاز: کیا آپ کے ان کے ساتھ تعلقات اچھے ہیں۔ یہ تعلق جونیجو کے حوالے سے ہے یا نواز شریف کے حوالے سے

ملک نعیم: اس کے ساتھ نہیں۔ لیکن جونیجو کے معاملات درست ہیں۔ ہمیں اپنے ضلع میں مقامی مسائل کا سامنا ہے۔ میں خدا بخش ٹوانہ کی حمایت کرتا ہوں اور تسیم آہیر ——— توبہ جی۔

میجر عامر: تسیم آہیر بنیادی طور پر ایک کمینہ شخص ہے۔ وہ ایم این اے اتفاقاً بن گیا تھا۔ اب اس کا باپ بھی نہیں بن سکتا۔

ملک نعیم: وہ خوش قسمت آدمی تھا۔ بریگیڈیئر امتیاز نے اس کی مدد کی تھی۔

ملک ممتاز: کیا بریگیڈیئر امتیاز اس کا حمایتی تھا۔

ملک نعیم : وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کو تو صرف بریگیڈئر امتیاز کی وجہ سے اب یاد کیا جاتا ہے۔

میجر عامر: ایک دن میں نے بریگیڈئر امتیاز سے پوچھا کہ آپ اس (تسیم آہیر) کو سپورٹ کرکے دوسروں کے ساتھ ناانصافی کیوں کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ میں سرگودھا میں رہتا ہوں اس لئے اس حوالے سے میرا ان کے ساتھ بہت لگاؤ ہے۔

ملک نعیم : ہم انہیں پلاٹ کے علاوہ 40 لاکھ روپے کی بینک گارنٹی بھی دے سکتے ہیں۔

ملک ممتاز : ابھی تو وہ ایک ٹیڈی پیسہ بھی نہیں لینا چاہتے۔ (میجر عامر بات کاٹتا ہے) وہ آپ سے کچھ نہیں چاہتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم رقم اس وقت لیں گے جب تحریک عدم اعتماد کامیاب ہو جائے گی۔ اور آج میں اس میں تھوڑی سی ترمیم کر رہا ہوں۔ اگر آپ ان لوگوں کو چھانگا مانگا یا کسی اور جگہ پر اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتے ہیں تو پھر ادائیگی کریں۔

میجر عامر: آپ انہیں کہیں کہ وہ ہمارے حق میں ووٹ ڈالیں۔ اگر تحریک ناکام بھی ہو گئی تو ان کو رقم ادا کی جائے گی ———

ملک نعیم : اگر وہ ہمارے حق میں ووٹ دیں گے تو پھر تحریک کامیاب ہو گی اور اس کی ناکامی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ملک ممتاز : میجر عامر آپ نے کہا تھا کہ اگر تحریک کامیاب نہ ہوئی تو اسمبلیاں ٹوٹ جائیں گی اور آپ نے یہ بات چیف آف دی آرمی سٹاف (مرزا اسلم بیگ) کے حوالے سے کہی تھی۔

میجر عامر: ہاں! میرا یہی خیال ہے۔ لیکن اگر وہ (عارف وغیرہ) ہمارے حق میں ووٹ ڈالتے ہیں اور پھر بھی تحریک ناکام ہو جاتی ہے تو اس کے باوجود ان کو رقم ادا کی جائے گی کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں۔

ملک نعیم : یہ ٹھیک ہے۔ آئیں اب اس معاملے کو اس طرح طے کرتے ہیں

ملک ممتاز: کیا تحریک عدم اعتماد "شو آف ہینڈ" کے ذریعے ہو گی۔

ملک نعیم: یہ سپیکر کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔

ملک ممتاز: کیا آپ سپیکر کی حمایت بھی حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ملک نعیم: فیر تے رولا مک گیا جی۔ یعنی پھر تو کوئی مسئلہ ہی باقی نہیں رہے گا

ملک ممتاز: (ملک ممتاز بار بار کہتا ہے کہ سپیکر کو بلا کر اس سے بھی ملاقات کی جائے اور ملک نعیم قہقہے لگاتا رہا ہے۔)

میجر عامر: دیکھو ہم کام کر رہے ہیں۔ یہ بڑا مجاہد اور نر آدمی ہے۔

ملک نعیم: بہت خوب۔

ملک ممتاز: لیکن کہیں میرا کورٹ مارشل ہی نہ کروا دینا۔ اگر آپ کوئی بات کرنا چاہتے ہیں تو میں اسے بھی بلا لیتا ہوں۔

ملک نعیم: نہیں۔ اس وقت ہمیں دوسرے کام بھی کرنا ہیں۔ (ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے)

ملک ممتاز: عارف کی تو خیر ہے۔ نہ اسے پہلے منسٹری ملی تھی نہ اب ملنی ہے۔ نہ آئندہ ملنی ہے۔ وہ تو ماسٹر آدمی ہے۔

ملک نعیم: میں نہایت ادب سے کہتا ہوں کہ اگر ہماری کوشش کامیاب نہیں ہوتی تو ہم پھر دوبارہ 10 یا 15 دن بعد کوشش کریں گے۔ اگر دوسری مرتبہ بھی ہمیں کامیابی نہ ہوئی تو پھر ہم صدر کے پاس جا کر انہیں کہیں گے کہ وہ اسے (بے نظیر کو) اعتماد کا ووٹ لینے کیلئے کہے۔

ملک ممتاز: مطلب یہ ہوا کہ اگر آپ کامیاب نہ ہوئے تو پھر صدر کو کہا جائے گا کہ وہ اسے ووٹ لینے کو کہے۔ (اعتماد کا ووٹ)

ملک نعیم: بالکل۔ اگر ہم بے نظیر سے نجات نہ حاصل کر سکے تو فوج آجائے گی (قہقہہ لگاتا ہے) ہم فی الحال انہیں ریزرو کے طور پر بیرکوں میں رکھنا چاہتے ہیں ــــــ وہ نہیں آئیں گے۔

ملک ممتاز: ہاں آپ (فوج) کو بیرکوں میں ہی رہنا چاہئے۔

میجر عامر: ہم بیرکوں میں رہنا چاہتے ہیں۔

ملک ممتاز: یہی بہتر ہے۔ دوسری صورت میں ملک کو نقصان پہنچے گا۔

ملک نعیم: پھر وہ (عارف گروپ) ہمارے ساتھ رہیں گے۔ ہم انہیں پنجاب

میں مکمل تحفظ فراہم کریں گے۔ جو ہمارے ساتھ ہیں وہ مزے اڑا رہے ہیں۔ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم جس دن تحریک پیش کریں گے، اسی دن ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

میجر عامر: آپ کو ناکامی کے بارے میں کبھی بھی بات نہیں کرنا چاہئے ——

ملک نعیم: ہم کامیاب ہوں گے اور ہمیں کامیاب ہونا ہو گا۔

میجر عامر: ایسا کب کیا جائے گا۔ یہ ہو جانا چاہئے ——

ملک ممتاز: کیا ہمیں ملک نعیم اور نواز شریف کی میٹنگ کا انتظام کرنا چاہئے۔

اس دوران مختلف سیاسی موضوعات پر گفتگو جاری رہی اور ملک ممتاز ٹیلی فون پر معراج خالد سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف ملک نعیم اس کوشش میں مصروف ہے کہ ان کا نواز شریف سے رابطہ ہو جائے۔ تاکہ وہ پی پی کے ارکان کی ان کے ساتھ ملاقات کر سکیں۔ ملک نعیم کو آخر کار کامیابی ہوتی ہے اور انہیں پتہ چل جاتا ہای کہ نواز شریف مری میں موجود ہے۔ یہ تفصیل آگے دی جا رہی ہے۔ اسی دوران ملک نعیم۔ ملک ممتاز اور میجر عامر تینوں عارف اعوان کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور وہ تھوڑی سی بوریت کا شکار نظر آتے ہیں اسی دوران ٹیلی فون کی گھنٹی کئی بار بجتی ہے۔ آخر کار عارف اعوان کمرے میں داخل ہوتا ہے جس کا شرکاء محفل گرم جوشی سے استقبال کرتے ہیں۔ عارف اعوان کے ساتھ ایم این اے رائے رشید بھٹی بھی کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح بات چیت کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوتا ہے

عارف اعوان: ان لوگوں میں سے میں صرف آپ کو (ملک نعیم) ملنے کے لئے آیا تھا۔ اب انہوں نے (بریگیڈیئر امتیاز اور میجر) میرے رشتے داروں کو بھی میدان میں اتار دیا ہے (قہقہہ عارف اعوان، ملک نعیم سے بغلگیر ہوتا ہے) یہ میرا بھتیجا ہے —— (میجر عامر بات کاٹتا ہے تاہم عارف اعوان بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے) میری بات سنیں۔ انہوں نے (عارف رشتے داروں نے) مجھے قائل کرنے کی کوشش کی اور میں نے ان پر بھی واضح کر دیا کہ ہم لوگوں نے حلف اٹھا رکھا ہے کہ ہم اکٹھے رہیں گے۔ ملک صاحب اگر میں تنہا

آپ کا ساتھ دیتا ہوں تو باقی تین چار لوگ مجھے ذلیل کریں گے۔

ملک نعیم : میں اس سلسلے میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ امریکہ میں جماعتیں بھی ——

عارف اعوان : ہم 5 بجکر 45 منٹ پر روانہ ہوئے تھے لیکن ٹریفک کی وجہ سے پیرودائی سے آگے جانے کیلئے ہمیں ایک گھنٹہ لگ گیا کیونکہ وہاں ٹریفک جام ہو چکی تھی۔ اس لئے ہم راجہ بازار سے موڑ مڑ کر دوبارہ مری روڈ پر آئے۔ یہاں بھی ٹریفک رکی ہوئی تھی۔ پھر میں نے بھٹی صاحب کو روٹ کے بارے میں بتایا۔ (ملک نعیم کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے لیکن عارف اعوان اپنی بات جاری رکھتا ہے) ممتاز ذرا کسی سے کہو کہ پانی لے آئے کیونکہ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے پیچش اور پیٹ میں درد تھا۔ لیکن اس کے باوجود مجھے آنا پڑا۔

ملک نعیم : امریکہ میں جب الیکشن قریب آتے ہیں تو وہاں کی سیاسی جماعتیں پاگل ہو جاتی ہیں۔ کوئی سینٹ کی نشست کیلئے الیکشن لڑنا چاہتا ہے تو کوئی کانگریس کے لئے - پھر وہ سیاسی جماعتوں سے سودے بازی کرتے ہیں اور اپنی پسند کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سیاسی سودے بازی سے انہیں فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے کہ وہ کون سی جماعت میں شمولیت اختیار کریں۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ میں نے الیکشن لڑا تو نسیم آہیر ایم این اے منتخب ہو گیا اور اس نے مسلم لیگ بنالی اور چھٹے دن ہم ضیاء الحق کے ساتھ بیٹھے تھے۔ 3 ماہ بعد الیکشن ہوئے تو میں 35 ہزار ووٹ سے جیت گیا۔ خدا کی قسم یہ محض اتفاق کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔ اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ یہ سولہویں صدی کا ملک ہے اور آپ نے پارٹی (پی پی پی) کو خدا بنالیا ہے۔ یہ پارٹی کیا ہے؟ ایک انتہائی ذہین اور باصلاحیت انسان (بھٹو) نے پارٹی بنائی تھی لیکن اس کے مرنے کے بعد پارٹی میں کوئی قابل ذکر لیڈر نہ رہا اور آپ نے 36 سالہ خاتون کو بادشاہ بنادیا ہے جس میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ انسانی معاشرہ انسانوں سے چلتا ہے یہ پارٹی کیا ہے؟ اگر آپ پارٹی کی ہی بات کرتے ہیں تو پھر معراج خالد اس وقت صدر بن چکا ہوگا۔

عارف اعوان : دوست میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں۔ یہ دور ایسا ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک میں شخصیات کو دیکھا جاتا ہے۔ بھارت میں۔ (میجر عامر کوئی بات کہتا ہے لیکن عارف اعوان اپنی بات جاری رکھتا ہے) ہندو خاندان ہے۔ آپ سیاست سے شخصیت کے عنصر کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔

ملک نعیم : اگر آپ "آئیڈیالوجیکل گراؤنڈ" پر بات کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ میکس (Max) اور لینن کے بارے میں کیا کہیں گے۔

عارف اعوان : نہیں نہیں، ہم جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ میں پہلے ہی آپ کو بتا چکا ہوں ہمارا 4 ارکان قومی اسمبلی اور ایک ایم پی اے پر مشتمل ایک گروپ ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم ایک گروپ کی شکل میں ہی رہیں گے۔ آپ نے ایک وزارت کی پیشکش کی ہے۔ ہم یہ بات مان لیتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص وزیر بنے گا۔ اب ہم اس کی بات نہیں کرتے —— آپ دوسروں کے متعلق بتائیں۔ آپ کام کرنے کا طریقہ بتائیں کیونکہ کوئی شخص کھل کر سامنے آنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ اگر تو خفیہ بیلٹ کے ذریعے (تحریک عدم اعتماد کے دن) ووٹ دینا ہے تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ تاہم شو آف ہینڈ کے حوالے سے میرے ساتھیوں نے ابھی مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ نہیں کیا۔

ملک نعیم : اچھا۔ آئین میں یہ بات درج ہے کہ تمام انتخابات سیکریٹ بیلٹ کے ذریعے ہوں گے۔ لیکن کوئی شخص بھی یہ مسئلہ کھڑا کر سکتا ہے کہ عدم اعتماد کی تحریک الیکشن کے زمرے میں نہیں آتی۔ چونکہ اس ضمن میں رولز بھٹو دور حکومت میں بنائے گئے تھے اس لئے یہ واضح نہیں ہے اور سپیکر اپنا فیصلہ دے سکتا ہے کہ عدم اعتماد کی تحریک شو آف ہینڈ کے ذریعے ہوگی۔ چونکہ سپیکر کا تعلق پیپلز پارٹی سے ہے اس لئے وہ ان حالات میں سخت دباؤ میں ہوگا۔ اس بات کا امکان ہے کہ خفیہ طریقے سے ووٹ ڈالنے کی بجائے ایسا شو آف ہینڈ (ہاتھ اٹھا کر) کیا جائے۔

عارف اعوان : میں نے انہیں (رشید بھٹی کو) کہہ دیا ہے کہ اس کے متعلق فیصلہ کریں۔

ملک نعیم : چونکہ یہ صورت حال بہت نازک وقت پر پیدا ہوئی ہے اس لئے آپ ہر حال میں اسے قبول کریں۔ انور عزیز نے بھی مجھ سے ملاقات کر کے تمام اختلافات ختم کر دیئے ہیں۔ انور عزیز کا کہنا ہے کہ اگر لوگ جتوئی کے ساتھ ہیں تو پھر اس صورت میں میں بھی اس کا ساتھ دونگا۔ اس نے نواز شریف کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے۔ فاٹا کے آٹھ ارکان اسمبلی کو 25 لاکھ ملیں گے۔ جبکہ 8 ایم کیو ایم کے ارکان اسمبلی (بھی ہمارے ساتھ ہیں) اس طرح 14 + 90 ارکان اسمبلی ہوں تو ٹوٹل تعداد 104 بن جاتی ہے۔ اب ہمیں مزید 21 ارکان اسمبلی چاہئیں۔ اب میری رائے ہے کہ تحریک عدم اعتماد لانے سے قبل ہمیں انہیں ایک جگہ پر اکھٹا کرنا ہوگا۔ تاکہ تحریک کے دن ان کو اکھٹے لایا جاسکے اور ان کو بھی حوصلہ رہے کہ ان کی تعداد 125 ہے۔ اگلے دن ہم اسمبلی میں جا کر عدم اعتماد کی تحریک پیش کر دیں گے۔

عارف اعوان : اس صورت میں اس بات کا امکان ہے کہ وزیراعظم اسمبلیاں توڑ دے۔

ملک نعیم : نہیں - وہ اسمبلیاں نہیں توڑ سکتی۔ ہم نے تفصیلی تجزیہ کر لیا ہے ——— پی پی پی کے ارکان اسمبلی کی اکثریت نالائق ہے جس کی وجہ سے ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ (ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے سلسلہ گفتگو رکتا ہے)

ملک نعیم : اب صورت حال یہ ہے کہ 112 ملین پاکستانیوں میں سے سندھی صرف 12 ملین ہیں ——— بنگالی کل آبادی کا 56 فیصد تھے اور وہ ایک ہزار میل کے فاصلے پر رہتے تھے ——— ایم کیو ایم کی اپنی حیثیت ہے وہ فوجی طرز پر تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ دوسرا معاملہ سندھیوں اور سیٹھوں کا ہے۔ دوسرے علیحدگی پسند عناصر سندھ نیشنل الائنس اور سندھو دیش تحریک ہیں۔ ان کی تعداد بہت محدود ہے ——— ممتاز بھٹو اور حفیظ پیرزادہ جیسے وڈیرے ——— آپ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ (ممتاز بھٹو اور پیرزادہ) اکثر غلام اسحاق خاں، میرے اور نواز شریف کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں۔ بہت کم مواقع

ایسے آئے ہیں جب انہوں نے کہا ہو کہ سندھ کے لوگ مزید خود مختاری کا مطالبہ کریں گے۔ ان لوگوں نے بتایا تھا کہ سندھی علیحدگی کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ وہ 120 ملین آبادی میں سے صرف 12 ملین ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ برکان کا ایس ایچ او' ڈپٹی کمشنر اور وہاں تعینات فوج پنجابی ہے۔ ان کا تصادم ایم کیو ایم کے ساتھ ہوگا اور دونوں ایک دوسرے کو مار ڈالیں گے۔ اس لئے انہیں یہ صورتحال پسند نہیں ہے۔ سندھ میں بمشکل 5000 ایسے لوگ ہونگے۔ جو پاکستان سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم نے غداری کی سزا تو آئین میں موت درج کی ہے لیکن ابھی تک کسی کے خلاف ایف آئی آر بھی درج نہیں کی گئی۔ قومی پرچم جلانے کے واقعہ کے بعد پہلی مرتبہ ان عناصر کے خلاف ایف آئی آر کا اندراج عمل میں آیا ہے۔ ان کے خلاف شروع ہی میں کاروائی کی جانا چاہئے تھی۔ علیحدگی پسند عناصر کو جو تعداد میں چند ہزار ہیں' سزا ملی ہوتی تو آج صورتحال مختلف ہوتی۔ جہاں تک ان کے معاشی مسائل کا تعلق ہے تو آپ کو اس کا خاتمہ کرنے کیلئے اقتصادی حالت بہتر بنانے کے منصوبوں پر عمل درآمد شروع کرنا ہوگا۔ ہمیں جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنا ہوگا کہ اگر کالا باغ ڈیم سندھ کی معیشت کیلئے خطرہ ہے تو اس کو ختم کردیا جائے۔ موجودہ قسم کے وزیروں کے ذریعے قومی امور کو نہیں چلایا جا سکتا۔ وزارت کا مطلب ہے پاور' روپیہ اور سیاست۔ ریاست لوگوں کی عادات تبدیل کر سکتی ہے۔ ایک دن ضیاء الحق نے شلوار قمیض پہنی تھی اب ہم پینٹ شرٹ پہننا بھول چکے ہیں۔ اب آپ کو 12 یا 14 ارکان کی ضرورت ہے جو نئے دور کا آغاز کریں گے۔ جتوئی قیادت کرے گا ——— میری بات سن لیں کہ اگر ان (علیحدگی پسند عناصر) کے خلاف کاروائی کر کے انہیں سزا نہ دی گئی تو پھر خواہ بے نظیر کی حکومت ہی کیوں نہ ہو' آپ کو 3 برس بعد سندھ کے خلاف فوجی ایکشن کرنا پڑے گا۔ اگر آپ نے اس وقت کاروائی نہ کی تو پھر آپ کو مشین گن کا دہانہ کھول کر 3 لاکھ افراد کو مارنا پڑے گا۔

ٹاپ سیکرٹ

آئی بی یو او
پی ایس او / سے جے ڈی آئی 89-10-25

اپریشن مڈنائٹ جیکال
5- اکتوبر 1989ء کی رات کو کی جانے والی
ریکارڈنگ کی تفصیل

سندھ کی صورت حال کے متعلق بحث کے آغاز سے کیسٹ نمبر 7 کا آغاز ہوتا ہے رشید بھٹی اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ علیحدگی پسند اور انتہا پسند عناصر کے خلاف کاروائی سے سندھ کی مجموعی صورت حال تبدیل نہیں ہوگی۔ آج کی صورت میں حال کا کیا کہنا' ضیاء الحق

نے غلام مصطفیٰ جتوئی کی زیر قیادت چلائی جانے والی ایم آر ڈی کی تحریک کو آہنی ہاتھ سے کچلنے کی کوشش کی تھی لیکن سندھ کی صورت حال بہتر نہ ہوئی۔

ملک نعیم : اگر وہ (بے نظیر بھٹو) اقتدار میں رہتی ہے تو پھر بھی سندھ مطمئن نہیں ہوگا ـــــــ صورت حال اس مقام پر پہنچ جائے گی کہ 3 لاکھ افراد مارے جائیں گے ـــــــ حالات خواہ کیسے ہی ہوں' آپ کو سندھی قوم پرستوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ معاملہ فہم اور زیرک حکمرانوں نے کبھی بھی بغاوت کو پنپنے نہیں دیا۔ انہوں نے ہمیشہ احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ یعنی انہوں نے انصاف اور میرٹ کو ملحوظ خاطر رکھا اور سب کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم کئے۔ لیکن ہم نے گذشتہ 40 برس کے اندر سندھ میں کیا کیا ہے۔ سب سی پہلے پٹھانوں (غفار خاں) نے بغاوت کی اور ہم نے کچھ نہ کیا۔ پٹھان ایک محنتی قوم ہیں۔ بعد ازاں بلوچوں نے سر اٹھایا۔ چونکہ وہ تعداد میں کم تھے اس لئے وہ منظر عام پر نہ آسکے۔ اب سندھیوں نے بغاوت کر دی۔ جب کبھی بغاوت ہو تو یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اس کو دبانے کیلئے آہنی ہاتھوں سے کاروائی کرنا چاہئے۔ اب اس وقت بغاوت سے پہلے کا مرحلہ شروع ہو چکا ہے اور اس کو ایک مکمل بغاوت نہیں کہا جا سکتا۔ سندھی علیحدگی پسندوں نے ابھی چھاؤنیوں پر حملے شروع نہیں کئے۔ چونکہ یہ بغاوت سے قبل کی سٹیج ہے اس لئے آپ زیادہ سخت کاروائی کئے بغیر بھی اس کو کچل سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اس وقت ایکشن نہیں لیتے تو پھر دو سال بعد تباہی ہوگی۔ اگر آج آپ ہلکی سختی نہیں کرتے تو پھر کل آپ کو مشین گن کا استعمال کرنا پڑے گا۔ جہاں تک بھارت کا تعلق ہے' جب آپ مشین گن کا استعمال کریں گے تو بھارتی خطرہ زیادہ بڑھ جائے گا۔ اس وقت 5000 افراد کو قید میں ڈالنے کی بجائے جب آپ 50 ہزار افراد کو قتل کریں گے تو بھارتی مداخلت زیادہ ہوگی۔ اس وقت بھارت اندرونی طور پر زیادہ مستحکم نہیں ہے۔ اگر آپ کو یاد ہو تو Brass Tack Exercise (بھارتی فوجی مشقیں) شروع کرنے کا مقصد پاکستان کے خلاف کھلی جنگ کرنا تھا۔ یہ جنگ نہ ہو سکی کیونکہ بھارت کا خیال تھا کہ اگر پاکستان' مشرقی پنجاب میں داخل ہو گیا تو پھر وہ اسے

(مشرقی پنجاب کو) خالصتان ریاست قرار دے دے گا۔ بھارتی کشمیر میں اس وقت مکمل طور پر بغاوت ہو چکی ہے۔ وہاں تشدد کی کارروائیاں اتنی بڑھ چکی ہیں کہ بھارتی حکام چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ سیاچین کو چھوڑ کر کشمیر پر توجہ دی جائے۔ کیونکہ سیاچین میں ہم نے بمشکل دو بٹالین فوج تعینات کی ہوئی ہے جبکہ بھارتی حکومت نے وہاں 200 میل گلیشئر کے علاقے کی حفاظت کیلئے 5 ڈویژن فوج جمع کی ہوئی ہے۔ اور وہاں شرح اموات بہت زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ بھارتی چاہتے ہیں کہ سیاچین سے توجہ ہٹا کر وہ فوج کو جموں کشمیر میں تعینات کریں تاکہ وہاں بغاوت کو کچلا جا سکے۔ اب انہوں نے سنٹرل انڈیا سے 5 ڈویژن مزید فوج بھیجنا شروع کر دی ہے۔ ان کی 6 ڈویژن فوج سری لنکا میں موجود ہے اس کے علاوہ تامل بغاوت' میزو بغاوت' گورکھا بغاوت اور ہد لینڈ کی بغاوت کا بھی بھارت کو سامنا ہے۔ ان سب سے زیادہ خطرناک سکھ ہیں۔ اس لئے بھارت ہم پر حملہ نہیں کرے گا۔ لیکن جب ایسا مقام آجائے گا کہ آپ کو سندھ میں مشین گن کا استعمال کرنا پڑے گا' اور آپ کو جناب ایسا کرنا ہو گا کیونکہ کوئی ملک کو دولخت ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ ہر شخص زندگی کی آخری سانس تک ملک کے لئے لڑنا پسند کرتا ہے۔ آخر کار آپ نے 30 ہزار بنگالیوں کو قتل کیا تھا۔ اس لئے یہاں بھی آپ کو آخری وقت تک لڑنا ہو گا۔ یہ مسئلہ مشرقی پاکستان سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ سندھ ہماری زندگی کی لائن ہے۔ یہ ہماری بندرگاہ ہے۔ اس لئے آپ کو ان علیحدگی پسندوں کے ساتھ لڑنا ہو گا اور اس صورت میں بھارتی مداخلت کا خطرہ 10 گنا بڑھ جائے گا۔ جب میں بھارتی افواج کی تعیناتی کو دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ بھارت' پاکستان کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا۔

عارف اعوان : نوائے وقت میں غلام مصطفیٰ جتوئی کا ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے جی ایم سید کی مذمت کرنے سے انکار کر دیا ہے حالانکہ اس نے پاکستانی پرچم جلایا تھا۔

ملک نعیم : سب سے پہلے تو میں آپ کو کہوں گا کہ ہم (اپوزیشن) حکومت کے ساتھ خونی تصادم کے مقام تک پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے ہم خاموش ہیں۔ نہ تو

ہم جی ایم سید کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ ہی خود مختاری کا مطالبہ کرتے ہیں۔
لیکن جو بات میں نے آپ کو بتائی ہے وہ بہت خراب ہے۔

عارف اعوان: ہم بہت بد قسمت ہیں کہ ہم پر حملہ ہمیشہ اندر سے ہوتا ہے۔

ملک نعیم: یہ ہماری نالائقی ہے۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہم قوم نہیں ہیں۔ ہم چار لوگ ہیں جن کی زبانیں مختلف ہیں۔ ہماری عادتیں مختلف ہیں ہم نے گذشتہ دس برس اسلام کی باتیں کرتے ہوئے ضائع کر دیئے ہیں۔

عارف اعوان: آپ وہی بات کر رہے ہیں جو لوگ کہتے ہیں یعنی یہ ملک غیر فطری ہے۔

ملک نعیم: نہیں نہیں! ہمارا ملک فطری ہے۔ لیکن اس کی مینجمنٹ صحیح طریقے سے نہیں کی گئی۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب انصاف' میرٹ اور مساوی معاشی تقسیم نہیں ہوگی تو بغاوت ہوگی یا لسانی گروپ جھگڑا کریں گے' یا وہ لوگ لڑیں گے جن کے پاس ہے اور جن کے پاس نہیں ہے۔ جہاں کہیں بھی آپ خلا کو بڑھائیں گے' اس سے مسائل پیدا ہوں گے۔ سب سے پہلے 22 خاندان پیدا کئے گئے اور ان میں وسائل تقسیم ہوئے۔ دوبارہ یہی عمل شروع ہو چکا ہے۔ اگر پٹھان کی طرح سندھی بھی خوشحال ہوتے تو کوئی مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا۔

عارف اعوان: اگر ملک میں صورت حال خراب ہو جاتی ہے تو پھر پنجاب کا کیا بنے گا۔ کیا آپ نے اس بارے میں غور کیا ہے؟

ملک نعیم: اس وقت ملک میں 70 ملین پنجابی ہیں (قہقہہ) اگر وہ اس چیز کو کنٹرول نہ کر سکیں تو ان پر لعنت ہے۔ اسی طرح پنجابی کی طرح پٹھان پر بھی لعنت ہے اگر وہ بھی پنجابی کی طرح رونا شروع کر دیں۔

عارف اعوان: مشرقی پاکستان میں (جنرل) نیازی نے کیا کیا تھا۔ اس وقت بیرونی خطرہ بھی موجود ہے۔

ملک نعیم: میرے خیال میں بیرونی خطرے پر مشرقی پاکستان میں اپریشن شروع کر کے قابو پالیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بھارت ایسا نہیں کر سکے گا۔

ملک ممتاز : مجھے بتایا گیا تھا کہ میں (گورنمنٹ ہوسٹل کے) کمرہ 93 میں پہنچ جاؤں۔ وہاں ہم نے ڈنر کیا اور عارف کے ساتھیوں کی تحریک عدم اعتماد کے موقع پر ہمارے ساتھ شمولیت پر غور کیا۔ حاجی گل شیر بھی اس وقت وہاں موجود تھا ——— میں نے انہیں (عارف کو) پہلے نہیں بتایا تھا۔ جب بات شروع ہوئی تو میں نے انہیں کہا کہ چچا جان پیپلزپارٹی اور مسلم لیگ کو بھول جائیں، ہم سب پاکستانی ہیں۔ انہوں نے (آئی جے آئی) مجھے قائل کرلیا ہے کہ پی پی بری ہے اور اگر آپ بھی قائل ہوگئے تو پھر معاملہ طے پاجائے گا۔

رشید بھٹی : ہم نے عارف اعوان کو اپنے گروپ کا چیئرمین منتخب کیا ہے۔ وہ گروپ کے ساتھ بات چیت کرکے فیصلہ کرسکتا ہے۔

ملک نعیم: چیئرمین ہمیشہ اپنے بعض اختیارات کا غلط استعمال کرسکتا ہے

عارف اعوان : ملک صاحب ذرا ان کے سامنے وضاحت کردیں کہ جب ہمارے درمیان پہلی مرتبہ مذاکرات ہوئے تھے تو ہم نے کیا بات کی تھی۔

ملک نعیم : انہوں نے مجھے بتایا کہ میری گروپ میں کوئی پوزیشن نہیں ہے۔ ہم صرف گروپ کی شکل میں ہی آسکتے ہیں۔ اگر میں اکیلا آتا ہوں تو میں تباہ ہوں جاؤں گا۔ اس لئے میں آپ کے ساتھ اکیلا شامل نہیں ہو سکتا۔ ہم آپ کو ہر چیز دیں گے۔ آپ اپنے ضلع میں کرتا دھرتا ہوں گے اور ہماری حکومت آپ کو بہت زیادہ اختیارات دے گی۔

عارف اعوان : پھر اس صورت میں ہمیں مسلم لیگ اور محمد خاں جونیجو لیڈر کا ساتھ دینا ہوگا۔

ملک نعیم : ہم محمد خاں جونیجو جیسے لیڈروں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ (اس دوران ملک نعیم کیلئے ٹیلی فون آتا ہے جس کی وجہ سے گفتگو کا سلسلہ رک جاتا ہے ملک نعیم کو یہ فون مری سے چیف منسٹر سرکل سے کیا گیا تھا) جب کبھی بھی ہم کوئی بڑا اپریشن شروع کریں تو قدرتی طور پر راستے میں رکاوٹ آتی ہے اور آپ ان چیزوں پر عمل درآمد روک دیتے ہیں جن پر ترجیحات کے مطابق آپ کو عمل کرنا ہوتا ہے۔؟

عارف اعوان: اب کیا کیا جانا چاہئے؟

ملک نعیم: وہ (نواز شریف) مری میں کسی جگہ پر موجود ہے۔ اور ہم اس کا جلد ہی سراغ لگالیں گے۔ یا تو مری جائیں گے یا پھر اس سے درخواست کریں گے کہ وہ ادھر آجائیں۔

عارف اعوان: ہم اپنے باقی ماندہ دو ساتھیوں سے بات چیت کئے بغیر اس سے (نواز شریف سے) بات نہیں کریں گے۔

ملک نعیم: میں اتفاق کرتا ہوں۔ آپ اپنے باقی ماندہ دو ساتھیوں کے بغیر ان سے بات نہ کریں۔ اگر آپ چاروں مل کر ان سے ملاقات کریں گے تو یہ ایک "گرینڈ شو" ہوگا۔ اور اس صورت میں آپ کی عزت بھی زیادہ ہوگی۔

عارف اعوان: ہمیں بتایا گیا تھا کہ حتمی بات چیت اس سے (نواز شریف) ہوگی۔

ملک نعیم: کیا آپ نے بنیادی بات چیت کرلی ہے۔

عارف اعوان: نہیں نہیں! ابھی تک کچھ بھی فائنل نہیں ہوا۔

ملک نعیم: جناب چلیں پھر ایسا کریں۔ آئیں اس کو ختم کرتے ہیں۔ ہم پھر کیا کررہے ہیں؟

عارف اعوان: میرے باقی دو ساتھی یہاں نہیں ہیں۔ وہ دو دن بعد آئیں گے۔

ملک نعیم: اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوگی —— آئیں اس کو فائنل کرلیں۔

عارف اعوان: ہم اتوار کی صبح کو بات کرلیں گے۔

ملک نعیم: یا پھر ہم انہیں (نواز شریف) کل صبح یہاں بلا لیتے ہیں —— یا آپ باقی دو ساتھیوں کو فون کرکے یہاں کل بلالیں —— کل بات کرنے میں کیا حرج ہے

ملک ممتاز: ہاں۔ مجھے بھی کل صبح رسالپور جانا ہے ——

ملک نعیم: مہربانی کرکے کچھ کریں —— ہم نواز شریف سے رابطہ قائم کرکے انہیں یہاں بلا لیتے ہیں۔

عارف اعوان : اگر آپ کا نواز شریف سے رابطہ ہوگیا اور ہم تمام ساتھی یہ موجود نہ ہوئے تو پھر کیا ہوگا۔

ملک نعیم: پھر آپ اس سے معاملہ طے کر لیجئے گا۔ اور کیا؟

عارف اعوان: ہم صرف دو لوگ ہیں۔

ملک نعیم: ہاں۔ آپ دونوں

رشید بھٹی: ہاں۔ ہم دونوں ان سے بات کر سکتے ہیں۔

ملک نعیم: بطور چیئرمین آپ کے پاس اختیار ہے کہ معاملہ فائنل کر لیں۔

عارف عوان: او کے!

ملک نعیم: میں ان کو تلاش کرتا ہوں۔ پھر ہم ایسا کر سکیں گے۔

رشید بھٹی: اگر آج ہی ایسا ہو جائے تو کیا کہنے!

ملک ممتاز : ملک نعیم کا کہنا ہے کہ انہوں نے میاں نواز شریف سے کل بات کی تھی۔ اور انہوں نے پلان کو او کے کر دیا ہے۔ لیکن یہاں مسئلہ یہ پیدا ہوا ہے کہ بریگیڈئر امتیاز نے انہیں کہا تھا کہ ان کی (نواز شریف) ملاقات معاملہ طے ہونے کے بعد کرائی جائے گی۔

ملک نعیم : آج میں ایک میٹنگ میں شرکت کیلئے گیا تھا اس لیئے میرا نواز شریف سے رابطہ نہ ہو سکا اور وہ مری سے نکل گئے۔ (ملک نعیم' نواز شریف سے رابطہ کرنے کے لئے ٹیلی فون کرتا ہے۔ وہ میاں نواز شریف اور چوہدری نثار کے بارے میں کسی سے فون پر پوچھتا ہے لیکن دونوں کے بارے میں انہیں پتہ نہیں چل پاتا) وزیر اعلیٰ کو وائرلیس پر پیغام دے دیا گیا ہے مگر وہ مری میں جس جگہ موجود ہیں وہاں ٹیلی فون نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ تھوڑی دیر میں ہمیں فون کریں۔

ٹاپ سیکرٹ

کیسٹ نمبر 8 کی تفصیل جس کی ریکارڈنگ 4 اکتوبر 1989ء کی رات کو کی گئی

(کمرے میں محمد خاں جونیجو کے حوالے سے گفتگو کا سلسلہ جاری ہے)

رشید بھٹی: میں تبدیلی موسم کیلئے مری جا رہا ہوں۔ (قہقہہ) وہ مری میں کپڑے تبدیل کرنے جا رہا ہے۔

عارف اعوان: تم اچھی باتیں سننے کے بعد انہیں دوسروں کے سامنے پیش کر دیتے ہو۔

رشید بھٹی: اس کا کوئی ماضی نہیں ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ دنیا کی کسی بھی زبان میں چند فقرے درست نہیں لکھ سکتا۔

عارف اعوان: میرے ایک رشتے دار نے کہا تھا کہ آپ دونوں اعوان ہیں اس لئے آپ کو لڑنا چاہئے۔ اس نے کہا کہ وہ ہمیشہ آپ کی تعریف کرتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اسے اس سے ضرور یہ پوچھنا چاہئے کہ اس نے ہمارے چند آدمیوں کو بھی کوارٹر الاٹ کئے تھے۔ وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ ایک ہی کوارٹر مختلف لوگوں کو الاٹ کر دیتا ہے۔ اسے خطرہ ہے کہ کہیں کوئی اس کی غلطی نہ پکڑے۔

ملک نعیم: وہ Inferiority Complex کا شکار ہے۔

عارف اعوان: میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے جانے کی اجازت دیں!

ملک نعیم: وزیراعلیٰ نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ سے ملاقات کرکے ابتدائی تفصیلات طے کرلوں۔ میرا خیال ہے کہ ہم نے ابتدائی باتیں طے کرلی ہیں اور حتمی فیصلہ وزیراعلیٰ سے ملاقات تک چھوڑ دیتے ہیں۔ میں صرف یہ درخواست کروں گا کہ آپ جلد از جلد حامی بھرلیں۔ میں ایک بات اور عرض کردوں کہ جس دن ہم مطلوبہ تعداد میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ اسی سے اگلے دن ہم تحریک عدم اعتماد پیش کردیں گے اور پھر سات دن تک اکٹھے رہیں گے۔

عارف اعوان: اگر اتنی بڑی تعداد میں لوگ بیک وقت غائب ہوگئے تو کیا شور و غوغا نہیں ہوگا؟

ملک نعیم: اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ (اس دوران ٹیلی فون آتا ہے اور ٹیلی فون کرنیوالے کو کہا جاتا ہے کہ وہ آدھے گھنٹے بعد فون کرے) لوگوں کو رات کے وقت اکٹھا کیا جائے گا اور صبح کے وقت تحریک عدم اعتماد پیش کی جائے گی۔ آپ سے ہماری اگلی ملاقات کب ہوگی' اس کے بارے میں آپ کل رات تک آگاہ کردیجئے گا۔ (دوبارہ ٹیلی فون آتا ہے جس پر ملک نعیم ٹیلی فون کرنے والے سے پوچھتا ہے کہ کیا میاں نواز شریف کو وائرلیس پر پیغام مل گیا ہے جس پر ٹیلی فون کرنے والا شخص انہیں بتاتا ہے کہ وہ (نواز شریف) دوبارہ غائب ہوگئے ہیں۔ ملک نعیم ٹیلی فون کرنے والے شخص کو بتاتا ہے کہ عارف اعوان کے ساتھیوں کے ساتھ ابھی معاملہ طے نہیں ہوسکا کیونکہ وہ اپنے باقی دو ساتھیوں کے ساتھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے اور ملک نعیم فون پر باتیں کرتے رہتے ہیں جبکہ باقی لوگ آپس میں گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

عارف اعوان: میں آپ کو کھل کر یہ بات کہے دیتا ہوں کہ میں ان سے بات کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ (ممکن ہے کہ عارف کا اشارہ میاں نواز شریف کی طرف ہو)

ملک نعیم: آپ چند منٹ مزید انتظار کرلیں - کیونکہ میں ان سے (میاں نواز

شریف) رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہماری کل ملاقات ہو سکتی ہے اور میں ملاقات کے وقت کے بارے میں صبح تک بتاؤں گا کہ کہاں ملاقات کر سکتے ہیں۔

عارف اعوان: میں کہیں نہیں جاؤں گا۔

ملک نعیم: براہ مہربانی آپ ان سے ملاقات کر لیں۔ باقی دو ساتھی بھی ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ آپ بطور چیئرمین وزیر اعلیٰ سے ملاقات کر کے معاملہ طے کر سکتے ہیں

عارف اعوان: نہیں۔ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔

ملک نعیم: آپ کو چونکہ (آپ کے ساتھیوں نے) اختیارات دے دیئے ہیں اس لئے آپ کو فیصلہ کر لینا چاہئے دوسری صورت میں پاکستان کی حالت کے آپ خود ذمہ دار ہونگے۔

عارف اعوان: نہیں۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

ملک نعیم: اتنی ہچکچاہٹ اچھی نہیں ہوتی۔ آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے۔

عارف اعوان: ایم این اے ہونا بھی ایک اذیت سے کم نہیں ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ بندے کو استعفیٰ دے کر دوبارہ الیکشن لڑنے کیلئے اپنے حلقے میں چلا جانا چاہیے۔ جب سے میں اس معاملے میں ملوث ہوا ہوں مجھے کوئی ذہنی سکون نہیں مل سکا۔ میں 1977ء میں ایم این اے منتخب ہوا تھا لیکن 3 ماہ بعد اسمبلی توڑ دی گئی۔ بعد ازاں 11 برس کے دوران میں نے تکالیف اٹھائیں۔

ملک نعیم: میں ضمانت دیتا ہوں کہ نئی حکومت 4 یا 5 برس تک مسلسل اقتدار میں رہے گی۔

عارف اعوان: میرا نہیں خیال کہ آپ کی حکومت اتنے لمبے عرصے تک اقتدار میں رہے گی۔ اگر اکثریتی پارٹی (پی پی پی) کو اقتدار سے نکال پھینکا جا سکتا ہے تو پھر آپ کی مختلف جماعتوں پر مشتمل حکومت بھی زیادہ دیر تک اقتدار میں نہیں رہے گی۔

ملک نعیم: ہم ان دلائل کے متعلق پہلے ہی بات کر چکے ہیں۔ (دوبارہ ٹیلی فون آنے سے سلسلہ گفتگو رکتا ہے ملک نعیم کہتا ہے میں پنجاب ہاؤس کے کمرہ

1045 میں ٹھہرا ہوا ہوں اس لئے مہربانی کر کے کل صبح کے وقت وہاں پہنچ جائیں)

ملک ممتاز: جناب کیا مجھے اب جانے کی اجازت ہے؟

ملک نعیم: نہیں- آپ مہربانی کر کے کل کی ملاقات تک رک جائیں

عارف اعوان: آئیں اب چلتے ہیں۔

ملک نعیم: آپ مہربانی کر کے چند منٹ ٹھہر جائیں عامر آپ سے ملاقات کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو ہم کل آپ کی وزیر اعلیٰ سے ملاقات کروادیں گے اور آپ ان سے بات چیت کر سکیں گے۔

عارف اعوان: ہاں - یہ بہتر ہوگا (اسی دوران بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر تشریف لے آتے ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز: یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم نے وزیر اعلیٰ کو نہیں کہا تھا کہ وہ ملاقات کے لئے تیار رہیں۔

ملک نعیم: اب ہم نے طے کر لیا ہے کہ ہم کل یہاں 1100 بجے صبح ملاقات کریں گے۔ وہ یہاں 1030 پر آجائیں گے۔ عارف اعوان کو چونکہ چیئرمین منتخب کیا گیا ہے اس لئے اب انہوں نے فیصلہ کرنا ہے۔

عارف اعوان: مجھے بتایا گیا تھا کہ مصالحت کرانے والے کا نام ظاہر نہ کروں - میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو نئی صورت حال کے بارے میں بتا دیا ہے اور ان سے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ میں سنجیدہ ہوں۔

بریگیڈئر امتیاز: تمام وعدوں پر عمل ہونا چاہئے۔ میرے نزدیک دوستی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے۔ میں خود کو اس معاملے میں ملوث نہیں کرنا چاہوں گا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ بطور آرمی آفیسر مجھے اس معاملے میں ملوث نہیں ہونا چاہئے۔ میرا اس معاملے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے لیکن خدا کی قسم اس ملک کو جس آگ نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے' آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو اس کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ اگر آپ کو تمام حقائق کا پتہ چل جائے تو آپ رات کو سو نہیں سکیں گے۔ حتیٰ کہ نیند کی گولیوں کا بھی آپ کے اوپر اثر نہیں ہوگا۔ میں آپ کو وولر بیراج کی مثال دیتا ہوں گذشتہ

15 برس کے دوران آنے والی تمام حکومتوں نے اس بیراج کی تعمیر کے حوالے بھارت کے ساتھ مزاحمت کی تھی۔ لیکن موجودہ حکومت نے اقتدار میں آنے کے 3 ماہ کے اندر ہی بھارت کو بیراج تعمیر کرانے کی اجازت دے دی ہے —— اس کو بیچ دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا منگلا ڈیم چلا گیا۔ نہری نظام پر مشتمل ہماری 60 فیصد دفاعی لائن ختم ہو گئی۔ 1965ء کی جنگ کے موقع پر ہم نے انہیں واہگہ پر نہر کی وجہ سے روکا تھا۔ یہاں میں اس بات کا بھی ذکر کردوں کہ سینئر وفاقی وزیر (بیگم نصرت بھٹو) نے افغانستان کے قومی دن کے موقع پر کراچی میں واقع افغان قونصل جنرل میں منعقدہ ایک تقریب میں شرکت کی تھی۔ ہمارے سیاستدان بہت ہلکے دل کے اور معصوم ہیں۔ انہوں نے بیان جاری کئے اور خاموش رہے (اس کے خلاف) کوئی التواء کی تحریک (اسمبلی میں) نہ پیش کی گئی۔ وزیر اعظم (بے نظیر) جب بنگلہ دیش کے دورے سے واپس آئی تو اس نے اسلام آباد ائرپورٹ پر بیان دیا کہ اگر بیگم نصرت بھٹوں نے افغانستان کے فنکشن میں شرکت کی ہے تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یقین کریں کہ یہ بے ہودگی کی انتہا ہے۔ مغربی سفارتی طبقے نے اس کی مخالفت کی اور کسی ایک نے بھی تقریب میں شرکت نہ کی۔ افغانستان کی حکومت کو ہماری حکومت نے ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔ اس لئے سینئر وفاقی وزیر نے کس حیثیت میں تقریب میں شرکت کی تھی؟ پاکستان کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ حیران کن ہے۔ عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے —— میں خدا کے سامنے ایمانداری سے کہتا ہوں —— اب عارف بھائی آپ کو کہے دیتا ہوں کہ آپ پاکستان کیلئے ایک قومی خدمت کر رہے ہیں —— آپ کا گذشتہ گیارہ برس کا ساتھ پی پی پی کے ساتھ دلی لگاؤ ہے۔ آپ نے قربانیاں بھی دی ہیں —— لیکن میں کہتا ہوں کہ ملک پہلے نمبر پر آتا ہے —— خدا کی قسم میرے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں۔ میرا مقصد ملک کو بچانا ہے کیونکہ وہ لوگ (پی پی پی) فوج کو تباہ کر دیں گے۔

ملک نعیم : گذشتہ گیارہ برس کے دوران ان کے (پی پی پی) چند مشیروں نے بھارت میں پناہ لی تھی

بریگیڈئر امتیاز: جناب غور کریں فہمیدہ ریاض اور ظفرالجنگ نے 8 سال قبل بھارت میں پناہ لی تھی۔ فہمیدہ ریاض کو بھارت میں اٹھارویں گریڈ میں ملازمت دی گئی تھی جبکہ ظفرالجنگ کو سترہویں گریڈ میں نوکری دی گئی تھی۔ انہوں نے پاکستان کے خلاف بہت زیادہ مواد شائع کیا۔ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ ہیبی مینوالا سی آئی اے کا اجرتی ایجنٹ ہے۔ اس کے مقابلے میں جمشید مارکر ایک پکا پاکستانی ہے۔ وہ (جمشید مارکر) امریکہ میں پاکستان کا سفیر تھا۔ اس نے اپنے استعفیٰ میں صاف طور پر احتجاج کیا ہے کہ ہیبی مینوالا کو جو امریکہ کا ایجنٹ ہے' سفارتخانے میں وزیر بنا دیا گیا ہے۔ جمشید مارکر نے جس فرم کی پاکستان کے حق میں لابی کیلئے خدمات حاصل کی تھیں اس کے ساتھ معاہدہ ختم کر دیا گیا ہے اور بھارت نواز اور یہودی نواز ایک فرم کو پاکستان کے حق میں لابی کرنے کا ٹھیکہ دے دیا گیا ہے۔ میں آپ کو کیا بتاؤں! آپ کا چیئرمین نیشنل پریس ٹرسٹ سیکولر اور بھارت کا Paid Agent ہے۔ میں آپ کو وہ باتیں بتا رہا ہوں جو آن ریکارڈ میں اور پرائم منسٹر سیکریٹریٹ' ایوان صدر جنرل ہیڈ کوارٹر اور ہر خفیہ ایجنسی کے دفتر میں موجود ہیں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ سیاسی لوگ ہیں' براہ کرم کہیں میرا اور عامر کا نام مت لیجئے گا۔

عارف اعوان: کیا میں نے کسی شخص کا بھی نام کسی کو بتایا ہے ——

بریگیڈئر امتیاز: جناب! میں بہت سادہ قسم کا آدمی ہوں۔ یہ نعیم میرے چھوٹے بھائی کی طرح ہے۔ میرا کل رات اس سے جھگڑا ہوا تھا کہ اس نے میری اجازت کے بغیر آپ سے بات چیت کیوں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ عارف اور نعیم کی ایک دوسرے کے ساتھ پہلے سے ہی شناسائی ہے۔

عارف اعوان: ملک نعیم کا تعلق ہماری برادی سے ہے

ملک نعیم: چونکہ ہمارا تعلق ایک ہی برادری سے ہے' اس لئے میں نے اس کا فائدہ اٹھایا تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ یہ کام میں خود کیوں نہ کروں؟

بریگیڈئر میں اس کی وضاحت اس لئے کر رہا ہوں کہ نعیم کو آپ کے پاس بھجوانے میں میرا کوئی

ہاتھ نہیں ہے۔

ملک نعیم: اب خدا پر یقین کریں اور کوئی اور معاملہ نہ اٹھائیں۔

عارف اعوان : آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس ایک کھلی پیشکش ہے۔ میں نے کبھی آپ کو دھوکہ نہیں دیا۔ (وہ اگلی ملاقات کیلئے 89-10-6 کی تاریخ مقرر کرتے ہیں) عارف اعوان اور رشید بھٹی چلے جاتے ہیں جبکہ ملک نعیم' بریگیڈئر امتیاز سے بعض امور پر تبادلہ خیال کرتا ہے۔ وہ ملک ممتاز سے بھی عارف اعوان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے حوالے سے بات چیت کرتا ہے)

ملک نعیم : آپ نے عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اب آپ کو (ملک ممتاز) ان سے مزید ملاقاتیں کرنا چاہئے تا کہ کل کی ملاقات میں ان کے ساتھ سمجھوتہ ہو جائے۔

ملک ممتاز : جناب مجھے کل صبح سویرے ان سے ایم این اے ہوسٹل میں ملاقات کرنا چاہئے۔

ملک نعیم: ایم این اے نثار پنوں کی کیا پوزیشن ہے؟

ملک ممتاز : میں سب کو یقین دلاتا ہوں کہ عارف اعوان اور نثار پنوں ایک ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔

ملک نعیم : پھر ٹھیک ہے —— (تینوں بہت کم آواز میں بات چیت کرتے ہیں جو ریکارڈ نہ ہو سکی)

ملک نعیم : وہ نکتہ اہم تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک درست فارمولہ ہے اور انہیں کسی ایک ساتھی کو وزیر بنانے پر رضامند ہو جانا چاہئے —— وزیر اعلیٰ اس کی حامی بھرے گا۔

ملک ممتاز : میں پھر درخواست کروں گا ہمیں پلاٹ پر اصرار کرنے کی بجائے نقد رقم پر سودا کرنا چاہئے۔ (پہلے طے ہوا تھا کہ اس ایم این اے کو 40 لاکھ نقد اور ایک پلاٹ دیا جائے گا جو وزیر اعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد میں اسلامی جمہوری اتحاد کا ساتھ دے گا)

ملک نعیم : میرا خیال ہے کہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ 40 لاکھ روپے نقد اور 25 لاکھ

روپے کا پلاٹ دیا جائے گا۔

ملک ممتاز: یہ 50 لاکھ روپے پر طے ہوا تھا ———

میجر عامر: ہاں - یہ طے ہوا تھا کہ 50 لاکھ روپے اور ایک پلاٹ ———

ملک نعیم: ہاں! یہ درست ہے۔

(تینوں وزیر اعلیٰ کی ملاقات کے حوالے سے بات چیت کرتے ہیں، ملک نعیم آر وی کا ایڈریس یاد کرنے کیئے بریگیڈئر سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ ملک نعیم کہتا ہے کہ میں وزیر اعلیٰ سے پنجاب ہاؤس میں 1030 پہ ملاقات کروں گا اور ملک ممتاز سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں 1045 پہ اسے فون پر مطلع کروں گا)

ٹاپ سیکرٹ

آئی بی یو نمبر پی ایس او ـ جے ڈی آئی / 0-89-89-10-45

اپریشن مڈ نائٹ جیکال

کیسٹ نمبر 9 کی تفصیل جس کی ریکارڈنگ

6 اکتوبر کی صبح کی گئی

(1) کمرے میں سلسلہ گفتگو ملک ممتاز اور میجر عامر کے بولنے سے شروع ہوتا ہے جبکہ بریگیڈیئر امتیاز بھی ان کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہیں۔ اس دوران ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور ٹیلی فون کالیں سنی اور کی جارہی ہیں۔ لیکن کوئی قابل ذکر گفتگو نہیں ہوتی۔

(2) میجر عامر بریگیڈیئر امتیاز مسلح افواج اور سیکریٹ سروس کے اداروں کے بارے میں بات چیت کرتے ہیں اور اپنے ذاتی تلخ تجربات پر بحث کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ وزیراعظم کے خلاف پیش کی جانے والی مجوزہ تحریک عدم اعتماد کے حوالے سے کوئی بات چیت نہیں کرتے۔ ملک ممتاز بھی اس موقع پر مسلح افواج کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ وہ مہمانوں کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

ٹاپ سیکرٹ

آئی بی یو او نمبر پی ایس او / جے ڈی آئی / 0-89-89-10-25.

آپریشن مڈنائٹ جیکال

① کمرے میں ابھی تک صرف تین افراد' ملک ممتاز' میجر عامر اور بریگیڈئر امتیاز موجود ہیں اور وہ ملک عارف اعوان اور ان کے ساتھیوں کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ انہیں ملک نعیم اور وزیر اعلیٰ نواز شریف کا بھی انتظار ہے اس دوران وہ ذاتی اور مسلح افواج کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جس کا اپریشن مڈنائٹ جیکال کے مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

② بریگیڈئر امتیاز کمبائنڈ ملٹری ہسپتال فون کرکے اپنی بہن کی خیریت دریافت کرتا ہے جنہیں ہلکا ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو فون کرکے کہتے ہیں کہ بیٹا اپنی آنٹی کی صحت کے بارے میں مسلسل معلومات حاصل کرتے رہنا۔ اس کے علاوہ کوئی قابل ذکر بات نہیں کرتے

③ ملک ممتاز گورنمنٹ ہوسٹل فون کرکے ملک ممتاز سے رابطہ قائم کرتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ فوری طور پر یہاں پہنچ جاؤ کیونکہ ملک نعیم اور وزیر اعلیٰ بھی تھوڑی دیر میں آنے والے ہیں۔ ملک ممتاز' بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کو بتاتا ہے کہ وہ یہاں آکر واپس لوٹ گئے تھے کیونکہ چوکیدار نے انہیں کہا

تھا کہ اندر کوئی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔

④ کمرے میں ابھی تک بریگیڈیئر امتیاز' میجر عامر اور ملک ممتاز ہی موجود ہیں۔ کچھ دیر بعد میجر عامر' ڈی آئی جی راولپنڈی شاہد حسن سے رابطہ قائم کرتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ ملک نعیم کدھر ہے——اس دوران ذاتی اور مسلح افواج کے بارے میں گفتگو جاری رہتی ہے۔

⑤ میجر دوبارہ شاہد حسن سے فون پر رابطہ قائم کرتا ہے اور ڈی آئی جی کے پی اے کو اپنی شناخت غلط بتاتا ہے اور اسے اپنا نام ملک نعیم بتاتا ہے' لیکن جب ڈی آئی جی لائین پر آتا ہے تو وہ میجر عامر کی آواز پہچان لیتا ہے۔ ڈی آئی جی اسے بتاتا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو بھجوایا تھا جس نے رپورٹ دی ہے کہ وہ پنجاب ہاؤس سے نکل گئے ہیں——میجر عامر اسے کہتا ہے کہ اس بات کا پتہ چلائے کہ وزیر اعلیٰ آرہے ہیں یا——

⑥ ملک ممتاز' نواز شریف کی تعریف کرتا ہے کہ سیاست میں نووارد ہونے کے باوجود وہ اہم مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر اس سے اتفاق کرتے ہیں۔

⑦ اسی دوران عارف اعوان اور رشید بھٹی کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور ان کے درمیان علیک سلیک ہوتی ہے۔ عارف اعوان اور رشید بھٹی دیر سے آنے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ عارف کہتا ہے کہ وہ 11.25 پر آیا تھا لیکن گیٹ پر کسی نے جواب نہ دیا اس لئے اسلام آباد لوٹ گئے

⑧ میجر عامر دوبارہ ڈی آئی جی شاہد حسن سے فون پر رابطہ قائم کرکے اس سے ملک نعیم کے بارے میں پوچھتا ہے اور وزیر اعلیٰ کی پوزیشن دریافت کرتا ہے۔ بعد ازاں بریگیڈیئر امتیاز خود ڈی آئی جی سے بات چیت کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر جاکر معلوم کریں کہ ملک نعیم اور وزیر اعلیٰ کہاں ہیں کیونکہ انہیں اس وقت یہاں ہونا چاہئے تھا۔

⑨ (کیسٹ کے باقی حصے میں بھی کوئی قابل ذکر بات موجود نہیں ہے۔ تاہم اس دوران بریگیڈیئر امتیاز افتخار سروہی کے کیس کے بارے میں بات چیت کرتا ہے اور موقف اختیار کرتا ہے کہ وزیر اعظم کے پاس یہ اختیار نہیں ہے

کہ وہ ان کی مدت ملازمت میں کمی کرے۔ بریگیڈئر امتیاز کا کہنا تھا کہ وزیراعظم کو بطور وزیر دفاع بھی لیفٹننٹ جنرل اور اس سے نیچے کے آفیسروں کو ریٹائر کرنے کا اختیار حاصل ہے جبکہ وہ چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف اور چیف آف دی آرمی سٹاف کو ریٹائر نہیں کر سکتی۔ باقی گفتگو ذاتی معاملات سے متعلقہ ہے۔

ٹاپ سیکرٹ

آئی بی یو او نمبر پی ایس سی / جے ڈی آئی / 89-10-25

اپریشن مڈنائٹ جیکال
6/ اکتوبر 1989ء کی دوپہر کو ریکارڈ کی جانے والی 11 ویں کیسٹ کی تفصیل

(کمرے میں گفتگو کا آغاز بریگیڈئر امتیاز کرتے ہیں اور وہ
سندھ کی صورت حال کے بارے میں اہم انکشافات کرتے ہیں)

بریگیڈئر امتیاز : سردست میں آپ کو یہی بتا سکتا ہوں کہ سندھ میں ایک کام پر عمل شروع ہو چکا ہے جس میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ حصہ لے رہے ہیں! انشا اللہ ہم (آئی جے آئی اور فوج) سندھ کے ماحول کو سازگار بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ سندھ ایک حساس علاقہ ہے

عارف اعوان : کیا جی ایم سید کے حوالے سے سندھ میں سندھو دیش تحریک موجود ہے؟

بریگیڈیر: ہاں یہ موجود ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

رشید بھٹی : اندرون سندھ میں رہنے والے پنجابی طالب علموں نے شکایت کی ہے کہ ــــــ

بریگیڈیر امتیاز : میں سندھ کو اندر اور باہر سے جانتا ہوں اور یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں نے 1971ء میں سندھ میں جنگ لڑی تھی۔ میں سندھ کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ میں نے 3 ماہ کی محنت سے سندھ کے اوپر ایک مقالہ لکھا تھا۔ میں اس کے پس منظر سے پھر کسی وقت آپ کو آگاہ کروں گا۔ جو کچھ آپ نے دیکھا ہے وہ کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جو کچھ میں جانتا ہوں ــــــ ہم نے اب کچھ اقدامات کئے ہیں ــــــ ہم بہت پر امید ہیں کیونکہ بنیادی طور پر میں بہت محتاط انسان ہوں' لیکن میں سندھ کے حالات میں بہتری کے متعلق بہت پر امید ہوں۔ اگر فوج میں کوئی بغاوت ہوئی تو ــــــ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ــــــ یہ خبر سرکاری طور پر دی گئی تھی۔ چیف (چیف آف دی آرمی سٹاف) پہلے ہی اخبار نویسوں کے ساتھ گفتگو کے دوران اس کا ذکر کر چکے تھے کہ یہ خبر ایک وفاقی وزیر نے دی تھی (بریگیڈیر صاحب کا اشارہ فوج میں بغاوت کے حوالے سے غیر ملکی خاتون نامہ نگار کرسٹینا لیمب کی طرف سے دی جانے والی خبر سے ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے یہ خبر اعتزاز احسن نے فراہم کی تھی)

رشید بھٹی: وہ وفاقی وزیر کون تھا؟ اعتزاز یا کوئی دوسرا؟

بریگیڈیر امتیاز : اس صحافی خاتون کو وزیراعظم اپنے ساتھ سیاچین لے کر گئی تھی۔ اس کے بارے میں میں آپ کو مزید کچھ نہیں بتاؤں گا۔ وہ بہت اعلیٰ پائے کی اور بہترین صحافی ہے۔ انہوں نے اس خاتون صحافی کے ذریعے خبر تو شائع کروادی لیکن اس کو (صحافی کو) کنٹرول نہ کر سکے۔ اس خاتون نے ایک دن ڈائریکٹر انٹر سروسز پبلک ریلیشنز سے خبر کی تصدیق کرنا چاہی تو ڈائریکٹر نے

اسے بتایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے جس پر اس طرح اس خاتون صحافی کو شک پیدا ہوا اور خبر دیتے وقت اس نے اپنے "ذرائع" کو بھی ظاہر کر دیا اور کہا کہ یہ خبر مجھے ایک وفاقی وزیر نے دی ہے ——

رشید بھٹی: اس سے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

بریگیڈئر امتیاز: اس کا مقصد فوج کے وقار کو تباہ کرنا تھا۔

(ملک نعیم ٹیلی فون پر مختلف لوگوں سے رابطہ کر کے وزیر اعلیٰ کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے اور دوبارہ کمرے میں داخل ہو کر کہتا ہے کہ) میں وزیر اعلیٰ کے ساتھ چمٹا ہوا تھا جیسے آپ عارف اور بھٹی کے ساتھ موجود ہیں۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ آپ یہاں موجود ہیں۔ جونہی وہ پہنچے، میں نے ڈی آئی جی کیلئے پیغام چھوڑ دیا کیونکہ میں فون پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں کہاں موجود ہوں۔

بریگیڈئر امتیاز: جب وہ باہر آئے تو اس وقت ممتاز ملک تقریر کر رہا تھا اور ہم اسے سن رہے تھے۔

ملک ممتاز: میں رسالپور جانا چاہتا تھا اور اس وقت تک واپس آ چکا ہوتا۔

بریگیڈئر امتیاز: وہ کب روانہ ہوئے تھے؟

ملک نعیم: میرے اندازے کے مطابق انہیں (نواز شریف) یہاں پہنچ جانا چاہئے تھا وہ مری سے 1130 پر آئے تھے اور لاہور کیلئے 1230 پر روانہ ہوئے تھے

بریگیڈئر امتیاز: انہیں (نواز شریف کو) وقت طے کر لینا چاہئے تھا۔ (دوبارہ اسمبلی اور ذاتی حوالے سے شرکاء محفل گفتگو کرتے رہے تھے)

ملک نعیم: وہ ہر تحریک استحقاق کو اسمبلی میں ہی ختم کر دیتے ہیں۔

عارف اعوان: آپ مجھے بتائیں - کیا اپوزیشن کے پاس سوائے تحاریک استحقاق پیش کرنے کے علاوہ کوئی اور کام ہے؟ گیارہ ارکان ایک ہی موضوع پر تحاریک پیش کر دیتے ہیں تاکہ وقت ضائع ہو ——

تھوڑی دیر بعد عارف اعوان اور رشید بھٹی جانے کی اجازت مانگتے ہیں کیونکہ وزیر اعلیٰ تو تشریف نہیں لائے۔ عارف اعوان اور رشید بھٹی روانہ

ہو جاتے ہیں جبکہ بریگیڈئر امتیاز اور ملک نعیم ان کو رخصت کرنے کے بعد بہت غصے میں نظر آتے ہیں اور غصے میں کہتے ہیں کہ وزیر اعلیٰ ایک گھنٹہ فالتو انتظار نہ کر سکا ورنہ اب تک سودا ہو چکا تھا

بریگیڈئر امتیاز : ہم سرکاری ملازم ہیں۔ سیاستدانوں کی ایک پوزیشن ہے جبکہ ہماری کوئی پوزیشن نہیں ہے۔ ہم اپنی زندگیوں اور آگ کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کی سزا موت ہے اور یہ آپ اور میں جانتے ہیں۔ عارف اعوان وغیرہ نے ہماری بات سنی اور ہمیں کریڈٹ دیا اور کہا کہ اس مقصد کیلئے آپ کا ساتھ دیں گے' لیکن اگر وہ ایک یا دو گھنٹے ٹھہر جاتے تو اس سے فرق کیا پڑتا۔

ملک نعیم: اس نے (وزیر اعلیٰ) بتایا تھا کہ اسے لاہور میں ایک ضروری کام ہے

بریگیڈئر امتیاز : اگر اسے اتنا ہی ضروری کام تھا تو وہ اس کی ٹیلی فون پر وضاحت کر سکتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں لوگ سنجیدہ ہیں۔ اگر عارف کے بعد کسی نے ہمارا ساتھ دیا تو وہ رشید بھٹی ہو گا۔

ملک نعیم: ہاں-95 فیصد کام آج مکمل ہو جاتا ——

بریگیڈئر امتیاز : اس میں عارف اعوان اور رشید بھٹی کی غلطی نہیں ہے۔ انہوں نے تاخیر نہیں کی تھی۔

ملک نعیم: ہاں وہ 1125 پر پہنچ گئے تھے۔ یہ چوکیدار کی غلطی تھی۔

بریگیڈئر: اب میں دوبارہ نہیں آسکوں گا —— ہم جس کیلئے اتنا کچھ کر رہے ہیں اور وہ ہمارے لئے کیا کر رہا ہے۔ —— خدا کی قسم میری بہن کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور میں اسے دیکھنے کیلئے نہیں گیا۔

ملک نعیم : ہاں یہ بہت بری بات ہے ممکن ہے کہ وزیر اعلیٰ کو کوئی بہت ضروری کام ہو —— یہ ٹھیک نہیں تھا ——

بریگیڈئر امتیاز : آج وہ اس طرح کے طرز عمل کا مظاہرہ کر رہا ہے تو وہ کل کیا کرے گا؟ ہر آدمی کی عزت ہوتی ہے۔ آج میری عزت متاثر ہوئی ہے اور یہ ختم ہو گئی ہے۔ اگر میں اپنی بہن کو بستر مرگ پر چھوڑ کر آسکتا ہوں تو وہ ایسا کیوں نہیں کر سکا؟ کیا وزیر اعظم مجھے بننا ہے۔ مجھے تو موت کی سزا کے چیلنج کا

سامنا ہے ـــــــ اپنی بہن کو ہسپتال میں کون چھوڑے گا؟ اس کے پاس سپیشل جہاز ہے اس کے باوجود وہ ہمارا ایک گھنٹے تک انتظار نہ کرسکا۔ آپ اس سے بات کریں ـــــــ

میجر عامر: اس نے (میاں نواز شریف) جو کچھ کیا ہے وہ درست نہیں تھا ـــــــ

ملک نعیم: چلیں اب اس کو بھول جاتے ہیں۔

بریگیڈئر امتیاز: میں نے بھجوا دیا تھا۔ میں نے بمشکل سینیٹر گل شیرخاں کو ایک مشن پر شجاعت حسین کے گھر بھجوادیا تھا لیکن اس نے گل شیر کو ایک گھنٹہ انتظار کروایا۔ وہ چوہدری شجاعت کے گھریلو ملازمین کے ساتھ بیٹھا رہا اور پھر ملازمین نے اسے بتایا کہ چوہدری صاحب نے کھانا کھانا شروع کردیا ہے جس پر گل شیرخاں واپس آگیا۔ سینیٹر گل شیر نے بعد ازاں مجھے آکر بتایا کہ انہوں نے میری بے عزتی کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود سینٹر گل شیر نے مجھے کہا کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔

بریگیڈئر امتیاز، ملک نعیم اور میجر عامر کچھ دیر تک ذاتی معاملات پر بات چیت کرنے کے بعد میٹنگ ختم کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر رخصت ہونے سے قبل الوداعی احکمات میں چوہدری نثار کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور ملک نعیم کی تعریف کرتے ہیں اور اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ وزیر اعلیٰ کو چاہئے کہ وہ چوہدری نثار کی بجائے ملک نعیم کو اپنے قریبی حلقوں میں جگہ دے کیونکہ چوہدری نثار تو کند ذہن شخص ہے۔ ملک نعیم، بریگیڈئر امتیاز کا شکریہ ادا کرتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ ان کے خیالات سے وزیر اعلیٰ کو آگاہ کردے گا۔

بریگیڈئر امتیاز، ملک نعیم کو کہتا ہے کہ وہ آئندہ 24 گھنٹے تک ان کے جواب کا انتظار کرے گا اور اگر اس دوران اس سے رابطہ نہ کیا گیا تو وہ خود کو اس سارے معاملے سے الگ کرلے گا۔ ملک نعیم رخصت ہونے سے قبل بریگیڈئر امتیاز کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے

ٹاپ سیکرٹ

اپریشن مڈنائٹ جیکال
6 اکتوبر کو کی جانے والی ریکارڈنگ کی تفصیل

ٹیلی فون کال نمبر1: رانگ نمبر ملتا ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر 2 : ملک ممتاز ٹیلی فون آپریٹر سے کہتا ہے کہ وہ کمرہ 21 سے ملائے۔ ملک ممتاز کا ٹیلی فون پر سرفراز سے رابطہ ہوتا ہے اور وہ اس سے سہیل اور بھٹی کے بارے میں پوچھتا ہے۔ سرفراز اسے بتاتا ہے کہ وہ چند منٹ قبل ہی یہاں سے روانہ ہوئے ہیں۔ ملک ممتاز ٹیلی فون بند کردیتا ہے

ٹیلی فون کال نمبر 3 : ملک ممتاز آرمی ٹیلی فون انکوائری کے نمبر ڈائیل کرتا ہے اور اپریٹر سے AFIC کا ٹیلی فون نمبر پوچھتا ہے۔ اپریٹر جواب دیتا ہے 33911- ملک ممتاز ٹیلی فون بند کردیتا ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر 4 : ملک ممتاز دوبارہ آرمی انکوائری کے نمبر ملاتا ہے اور AFIC کا ٹیلی فون نمبر معلوم کرتا ہے۔ اپریٹر 33249 نمبر بتاتا ہے جس کے بعد ملک ممتاز فون بند کردیتا ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر 5 : ملک ممتاز فون نمبر 33249 ڈائیل کرتا ہے اور ٹیلی فون بریگیڈئر امتیاز کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ بریگیڈئر امتیاز پوچھتا ہے کہ کیا

سردار بہادر خاں کو ITC میں داخل کر لیا گیا ہے۔ جس پر اسے کہا جاتا ہے کہ وہ استقبالیہ پر فون نمبر 33911 پر رابطہ قائم کریں۔

ٹیلی فون کال نمبر 6 : بریگیڈئر امتیاز 33911 ملاتا ہے جس پر اسے جواب ملتا ہے کہ 33249 پر فون کریں۔

ٹیلی فون کال نمبر 7 : بریگیڈئر امتیاز اپنے گھر فون کر کے اپنے بیٹے سے بات کرتے ہیں۔ اور اپنی بہن کے خیریت دریافت کرتے ہیں۔ جس پر ان کا بیٹا کہتا ہے کہ میں ملٹری ہسپتال فون کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن وہاں کا نمبر مصروف ہے۔ بریگیڈئر امتیاز کا بیٹا انہیں بتاتا ہے کہ انکل سردار بہادر نے کہا ہے کہ مجھے ائرپورٹ پر جانے کے لئے 1300 بجے گاڑی چاہیئے۔

ٹیلی فون کال نمبر 8 : ملک نعیم فون کر کے ملک ممتاز سے دریافت کرتا ہے کہ آیا کہ وہ (عارف اور بھٹی) آگئے ہیں۔ ملک ممتاز اسے بتاتا ہے کہ اس نے پتہ کیا تھا کہ جس پر اسے معلوم ہوا ہے کہ وہ کمرے سے آدھ گھنٹہ قبل نکل گئے ہیں۔ وہ ملک نعیم کو کہتا ہے کہ دوبارہ 15 منٹ بعد اس سے رابطہ قائم کرے۔

ٹیلی فون کال نمبر 9 : سہیل فون پر ملک ممتاز سے بات کرتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ ملک عارف سے بات کرے۔ ملک ممتاز' ملک عارف کو بتاتا ہے کہ ملک نعیم فون کر رہا ہے۔ ملک عارف اسے بتاتا ہے کہ میں دروازہ کھٹکھٹاتا رہا لیکن کسی نے جواب ہی نہ دیا جس پر میں واپس چلا گیا اور اس وقت ہوسٹل سے بول رہا ہوں۔ ملک ممتاز' ملک عارف سے درخواست کرتا ہے کہ وہ دوبارہ آجائے۔

ٹیلی فون کال نمبر 10 : میجر عامر ایک نمبر ڈائیل کر کے ڈی آئی جی کا پوچھتا ہے۔ جس پر ٹیلی فون اٹھانے والا کہتا ہے کہ میں (آئی ایس آئی کا) کرنل قریشی ہوں۔ میجر عامر اس پر کرنل قریشی کو کہتا ہے کہ میں نے نمبر ملانے میں غلطی کر دی ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر 11 : میجر عامر ڈی آئی جی کو فون کرتا ہے اٹھانے والے شخص کو کہتا ہے کہ ڈی آئی جی سے میری بات کراؤ۔ جس پر عامر سے اس کا نمبر پوچھا جاتا ہے۔ میجر عامر کہتا ہے کہ میں ٹیلی فون نمبر 862324 سے بول رہا ہوں۔

ڈی آئی جی ٹیلی فون لائین پر آجاتا ہے۔ میجر عامر ڈی آئی جی کو کہتا ہے کہ "لمبو" (ملک نعیم) سے کہو کہ مجھے فون کرے اور ملک صاحب سے بات کرے۔

ٹیلی فون کال نمبر 12 :میجر عامر دوبارہ ڈی آئی جی کو فون کر کے آپریٹر کو کہتا ہے کہ ڈی آئی جی سے کہو کہ نعیم صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔ میجر عامر ڈی آئی جی سے پوچھتا ہے کہ کیا اس نے ملک نعیم کو اس کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ ڈی آئی جی نفی میں جواب دیتا ہے۔ میجر عامر اسے کہتا ہے کہ ملک نعیم سے رابطہ قائم کر کے اسے کہے کہ وہ (بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر) اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

ٹیلی فون کال نمبر 13 :بریگیڈیئر امتیاز اپنے گھر فون کرتا ہے اور اپنے بیٹے سے پوچھتا ہے کہ کیا اس کی آنٹی کے متعلق کوئی نئی خبر ملی ہے۔ جس پر بیٹا انہیں بتاتا ہے کہ آنٹی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا جس پر بریگیڈیئر امتیاز فون بند کر دیتا ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر 14 :میجر عامر ڈی آئی جی کو دوبارہ فون کرتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ کیا پیغام پہنچا دیا گیا ہے؟ ڈی آئی جی اسے کہتا ہے کہ اس سے 66562'66552 پر بات کرے۔ میجر عامر ٹیلی فون بند کر دیتا ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر15:میجر ملک نعیم کو فون کرتا ہے لیکن وہ موجود نہیں ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر 16 :میجر عامر ڈی آئی جی کو فون کرتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ میں ملک نعیم سے رابطہ قائم نہیں کر سکا۔ جس پر بریگیڈیئر امتیاز فون پکڑ کر ڈی آئی جی سے کہتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر ملک نعیم سے رابطہ قائم کرے۔ جس پر ڈی آئی جی ایسا کرنے کی یقین دہانی کراتا ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر 17 :ملک نعیم فون کر کے ملک ممتاز کو بتاتا ہے کہ وہ 15 منٹ میں پہنچ جائے گا۔

ٹیلی فون کال نمبر18:ملک ممتاز کو ایک ذاتی فون موصول ہوتا ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر19:ملک ممتاز کا بہنوئی سکندر اسے فون کرتا ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر20:ٹیلی فون پر خواتین کی گفتگو کی آواز آتی ہے۔

ٹیلی فون کال نمبر 21 :ڈی آئی جی راولپنڈی شاہد حسین' میجر عامر کو فون کر کے

نمبر بتاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ لبو (ملک نعیم) اکیلا ہی آرہا ہے کیونکہ وزیراعلیٰ لاہور چلے گئے ہیں۔ وہ انہیں گالیاں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ بڑے (بہن کی گالی) ہیں۔ میجر عامر حیران رہ جاتا ہے۔ ڈی آئی جی' میجر عامر کو بتاتا ہے کہ چوہدری نثار علی نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی ہے۔ ڈی آئی جی راولپنڈی پھر قہقہہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے بھی اس کو (چوہدری نثار کو) بہن کی گالی دے کر کہا تھا کہ ایک تو ان کیلئے کام کرو دوسرا یہ بہن ——— باتیں کرتے ہیں۔ ڈی آئی جی' میجر عامر کو بتاتا ہے کہ چونکہ وزیراعلیٰ کو لاہور میں ایک انتہائی ضروری کام تھا۔ ڈی آئی جی نے میجر عامر سے درخواست کی کہ وہ ان سے شام کو ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کرے۔

اپریشن مڈنائیٹ جیکال کے بارے میں مرزا اسلم بیگ کا موقف

ہمارے ہاں یہ عجیب روایت ہے کہ جب تک کوئی شخص فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہتا ہے اس کی پوجا کی جاتی ہے اور اسے تمغۂ جمہوریت بھی دے دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے عہدہ سے ہٹنے کے بعد الزام تراشی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جنرل آصف نواز مرحوم خوش قسمت تھے کہ وہ دوران سروس ہی انتقال کر گئے۔ ورنہ نجانے انہیں بھی کون کون سے الزامات کا سامنا کرنا پڑتا۔ ضیاء الحق نے جب 20/ مئی 1988ء کو جونیجو مرحوم کی حکومت برطرف کی تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ لیکن جونہی ضیاء صاحب کا انتقال ہوا' جونیجو نے حاجی سیف اللہ کے ذریعے اپنی حکومت کی غیر قانونی برطرفی کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ دائر کروا دی۔ محمد خاں جونیجو بعض راز تو دل ہی میں لے کر دنیا سے کوچ کر گئے۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ جونیجو نے سانحہ اوجڑی کیمپ کی رپورٹ کی پارلیمنٹ کے اندر پیش کر کے ضیاء کے خلاف ایک قراداد منظور کرنے کی تیاری کر رکھی تھی' لیکن صرف یہی ایک وجہ نہ تھی جو جونیجو کی برطرفی کا موجب بنی بلکہ ضیاء الحق کو جونیجو کے چند دیگر عزائم کا بھی علم ہو گیا تھا۔ جن کا مقصد ضیاء کو فوج سے نکلوانے کے بعد ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک منظور کروا کر نئے صدر کا چناؤ بھی شامل تھا۔

بہر حال' محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں حکومت کے علم میں یہ بات آئی تھی کہ پی پی پی کے بعض ارکان اسمبلی درپردہ میاں نواز شریف کے ساتھ روابط قائم کر چکے ہیں تاکہ بے نظیر بھٹو کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کو کامیاب کروایا جا سکے۔ چنانچہ آئی ایس آئی

کے اس وقت کے سربراہ شمس الرحمٰن کلو نے اپنے پسندیدہ انٹیلی جینس آفیسر اور آئی ایس آئی اسلام آباد کے سربراہ میجر محمد عامر کو اس سازش کا پتہ چلانے کا حکم دیا۔ میجر صاحب نے یہ مشن مکمل کیا۔ لیکن انٹیلی جینس بیورو نے ایک رپورٹ تیار کی جسے اپریشن مڈ نائٹ جیکال کا نام دے کر وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کو بھجوایا گیا۔ اس طرح بے نظیر بھٹو کے شک کی تصدیق ہو گئی کہ فوج اور خفیہ ادارے ان کی حکومت کے خلاف سازش میں مصروف ہیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپریشن مڈ نائٹ جیکال کے متعلق فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ کو آگاہ کر دیا۔ مرزا اسلم بیگ نے لیفٹننٹ جنرل اشرف کی سربراہی میں انکوائری کمیٹی قائم کی جس نے بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کے بیانات قلمبند کئے۔ اس دوران بے نظیر بھٹو کا وزیر مملکت برائے دفاع غلام سرور چیمہ کے توسط سے مرزا اسلم بیگ کے ساتھ رابطہ رہا کیوں کہ بے نظیر بھٹو یہ جاننے کی مشتاق تھیں کہ ان افراد کے خلاف کیا ایکشن لیا جا رہا ہے جنہوں نے اپریشن مڈ نائٹ جیکال میں حصہ لیا تھا۔ مذکورہ کمیٹی کی سفارشات کے بارے میں دو آرا ہیں۔ اول یہ کہ جنرل اشرف کی سربراہی میں قائم ہونے والی کمیٹی نے سفارش کی تھی کہ بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کو فوج سے برطرف کر دیا جائے اور انہیں پنشن اور دیگر مراعات بھی نہ دی جائیں۔ دوم یہ کہ کمیٹی نے بریگیڈئر امتیاز کو فوج سے نکالنے کی سفارش کی تھی اور میجر عامر کے خلاف کوئی الزام نہ ثابت ہونے پر ان کو تمام الزامات سے بری کر دیا تھا۔

چونکہ فیصلہ فوج کے سربراہ نے کرنا تھا اور انہوں نے بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کا کورٹ مارشل کرنے کی بجائے انہیں فوج سے نکال دیا۔ اس دوران میجر عامر چیخ چیخ کر انکوائری کمیٹی سے مطالبہ کرتے رہے کہ ان کے خلاف کورٹ مارشل کیا جائے۔ میجر عامر کا خیال تھا کہ چونکہ وہ بے گناہ ہیں اس لئے ان کے خلاف کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکے گا۔ تاہم مرزا اسلم بیگ نے دونوں احباب کے خلاف ایکشن لیا۔ اس مرحلے پر صدر غلام اسحاق خاں نے میجر عامر کا ساتھ دیا تھا اور انہوں نے انہیں حوصلے اور تسلی سے کام لینے کی تاکید کی تھی کیونکہ میجر عامر فوج کے سربراہ کے اقدام کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کا اپنا حق استعمال کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

مرزا اسلم بیگ نے 5/ دسمبر 1992ء کو یہ وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ اپریشن مڈ نائٹ جیکال کے حوالے سے میرا نام آ رہا ہے اس لئے میں ریکارڈ کی درستگی کے لئے یہ کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اصل صورت حال کی وضاحت کروں۔ میجر عامر نے دوران انکوائری یہ

موقف اختیار کیا تھا کہ انہوں نے اپریشن مڈنائٹ جیکال آئی ایس آئی کے سربراہ شمس الرحمٰن کلو کے کہنے پر مکمل کیا جنہوں نے انہیں اپنے دفتر بلا کر یہ کام کرنے کی ہدایت کی تھی۔

مرزا اسلم بیگ کے مطابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے مجھے اپریشن مڈنائٹ جیکال کے کیسٹ بھجوائے تھے۔ چونکہ یہ معاملہ میرے اور فوج کے دو افسروں کے درمیان تھا' اس لئے میں نے صدر کو اس کے بارے میں باضابطہ طریقے سے آگاہ نہ کیا۔ یہ معاملہ اگرچہ حکومت اور میرے درمیان تھا لیکن صدر کو بھی اس کا علم تھا۔ مگر ہم دونوں کے درمیان اس بارے میں بات چیت نہ ہوئی۔ میرے کہنے پر جنرل اشرف نے واقعہ کی تحقیقات کیں۔ میجر عامر نے کہا کہ "میں ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی کے کہنے پر کام کر رہا تھا تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ کون سے ارکان اسمبلی پی پی پی کے خلاف ہیں۔ بریگیڈیئر امتیاز چونکہ میرے سینئر تھے اس لئے میں نے ان سے مدد لی۔"

اسلم بیگ کے مطابق جنرل شمس الرحمٰن کلو سے پوچھا گیا تھا کہ کیا انہوں نے میجر عامر کو یہ کام کرنے کے لئے کہا تھا۔ لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جس پر ہم نے وزیر اعظم سیکریٹریٹ سے کہا کہ جنرل کلو سے معلوم کر کے ہمیں بتایا جائے کہ کیا انہوں نے میجر عامر کو یہ مشن سونپا تھا۔ جنرل نصیر اللہ بابر کے توسط سے اس ضمن میں ساری بات چیت ہوئی اور دو مرتبہ وزیر دفاع غلام سرور چیمہ سے بھی بات ہوئی۔ چونکہ بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کے خلاف کورٹ مارشل کرنے سے فیصلہ میں تاخیر ہو سکتی تھی اس لئے دونوں کو ریٹائر کر دیا گیا۔ اس دوران میری بریگیڈیئر امتیاز کے ساتھ بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ مرزا اسلم بیگ کا کہنا ہے کہ جنرل حمید گل نے بریگیڈیئر امتیاز اور میجر عامر کی سفارش نہیں کی تھی۔ بے نظیر بھٹو نے تو حمید گل پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ 6/اگست 1990ء کے صدارتی اقدام کے بارے میں مرزا اسلم بیگ کا کہنا ہے کہ صدر نے مجھے اطلاع دی تھی کہ وہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کو فارغ کر رہے ہیں۔

جنرل شمس الرحمٰن کلو

جنرل (ریٹائرڈ) شمس الرحمٰن کلو کو سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے 10/ اپریل 1989ء کو آئی ایس آئی کا سربراہ مقرر کیا تھا۔ شمس الرحمٰن کلو کی اس عہدے پر تعیناتی بے نظیر بھٹو کے فوج کے ساتھ اختلافات کی خشت اول ثابت ہوئی۔ شمس الرحمٰن کلو بھٹو دور حکومت میں فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکے تھے۔ انہیں کور کمانڈر کی حیثیت سے کام کرنے کا بھی تجربہ تھا۔ مگر ایک ریٹائرڈ جنرل کی آئی ایس آئی کے سربراہ کے طور پر تعیناتی صدر غلام اسحاق خاں اور فوج کے لئے غیر متوقع تھی۔ کیونکہ بے نظیر بھٹو نے 1988ء کے انتخابات کے بعد صدر اور فوج کے ساتھ کچھ عہد و پیمان کئے تھے جن کی وجہ سے فوج کا خیال تھا کہ بے نظیر بھٹو ان کے ساتھ تعاون کریں گی۔ لیکن محترمہ نے اپنے اقتدار کے ابتدائی مہینوں میں ہی یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے والد کی طرح ایک بااختیار وزیر اعظم ہیں اور وہ جو فیصلہ کرنا چاہیں کر سکتی ہیں۔

چونکہ پی پی پی کی حکومت بنے ابھی چند ہی ماہ ہوئے تھے اور اسٹیبلشمنٹ اتنی جلدی منتخب حکومت کے ساتھ پھڈا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے جنرل (ریٹائرڈ) شمس الرحمٰن کلو کو آئی ایس آئی کا سربراہ کے طور پر کام کرنے کا موقع دے دیا گیا۔ آئی ایس آئی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ریٹائرڈ جرنیل کو اس حساس ادارے کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ شمس الرحمٰن کے آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل بننے کے بعد جہاں پیپلز پارٹی کی قیادت لڈیاں ڈال رہی تھی، وہیں پر صدر اور اسٹیبلشمنٹ کے حکام سر جوڑے بیٹھے تھے کہ اس مسئلہ کے حل کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جانا چاہئے۔ بے نظیر بھٹو نے شمس الرحمٰن کلو کو آئی ایس آئی کا سربراہ فوج

کی مخالفت کے باوجود مقرر کر کے جس سرد جنگ کا آغاز کیا تھا' وہ 6/ اگست 1990ء کو اپنے منطقی انجام تک پہنچی۔ شمس الرحمٰن کلو نے اگر کوئی اہم کارنامہ انجام دیا تھا تو وہ صرف یہ تھا کہ انہوں نے اکتوبر 1989ء میں ہی بے نظیر بھٹو کو ان کے خلاف ہونے والی سازشوں سے آگاہ کر دیا۔ لیکن بھٹو خاندان کی طرف سے صدر اور فوج کے ساتھ محاذ آرائی کا سلسلہ ختم کرنے کے حوالے سے کوئی قابل ذکر اقدام نہ کیا گیا۔ بلکہ بے نظیر بھٹو اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان فاصلہ بڑھتا ہی چلا گیا۔

اسٹیبلشمنٹ کو اس بات کا غصہ تھا کہ پی پی پی کی حکومت نے آئی ایس آئی جیسے حساس ادارے کے سربراہ کی تعیناتی کے سلسلے میں کسی سٹرونگ جنرل پر اعتماد کیوں نہیں کیا۔ حالانکہ جب 1988ء کے الیکشن ہوئے تو آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل حمید گل نے صدر اور اسٹیبلشمنٹ کے حکام سے ملاقاتیں کر کے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ بے نظیر بھٹو کو وزیر اعظم بننے دیا جائے۔ ورنہ اگر اس وقت صدر اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان اتفاق رائے ہو جاتا اور پی پی پی کو اقتدار سے دور رکھنے کا فیصلہ ہو جاتا تو بے نظیر بھٹو وزیر اعظم نہ بن سکتیں۔ اس چیز کا انہوں نے اپنی آنکھوں سے بعد ازاں مشاہدہ کیا جب 1990ء کے انتخابات میں پی پی پی کو اکثریت حاصل ہونے کے باوجود سندھ میں حکومت بنانے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اور میاں نواز شریف نے جام صادق جیسی اذیت ناک شے کو پی پی پی پر مسلط کر دیا جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری سانس تک پیپلز پارٹی کو اقتدار میں نہیں آنے دیا بلکہ وہ ان افراد کو بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے جنہوں نے پی پی پی کے ٹکٹ پر 1990ء کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تھی۔ تاہم چونکہ پی پی پی کو 1988ء کے انتخابات میں سندھ میں مکمل طور پر برتری حاصل ہوئی تھی اور بے نظیر بھٹو کے پاس سندھ کارڈ موجود تھا۔ اس لئے فیصلہ کرنے والی قوتوں نے ان حالات میں مناسب یہی سمجھا کہ کسی قسم کی الجھن کا شکار ہوئے بغیر اقتدار پی پی پی کے حوالے کر دیا جائے۔ دوسری طرف صدر کی طرف سے وزیر اعظم کی نامزدگی کے معاملے میں تاخیر کی جا رہی تھی' بھٹو خاندان کی بے چینی جوں جوں بڑھتی جا رہی تھی۔

صدر غلام اسحاق خاں نے نفسیاتی جنگ کا آغاز کر رکھا تھا اور بے نظیر بھٹو غصے کی حالت میں ہاتھ ملنے میں مصروف تھیں۔ اپوزیشن کے متعدد رہنماؤں جن میں نوابزادہ نصراللہ خاں' ولی خاں اور مولانا فضل الرحمٰن شامل ہیں صدر کو مشورہ دے چکے تھے کہ اقتدار پی پی پی کے حوالے کر دیا جائے۔ تاہم اس کے باوجود بے نظیر بھٹو سخت پریشانی میں مبتلا تھیں۔ آخر کار

انہوں نے اپنے آدمیوں کو صدر کے پاس بھیجنا شروع کر دیا تا کہ وہ انہیں وزیر اعظم نامزد کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ پی پی پی اور ایوان صدر کے درمیان ہونے والے رابطوں کی خبر آئی ایس آئی کے سربراہ حمید گل کو بھی تھی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ صدر نے بے نظیر بھٹو کو وزیر اعظم نامزد کرنے کا حتمی فیصلہ فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ اور آئی ایس آئی کے سربراہ حمید گل کے مشورے کے بعد کیا۔ اسی دوران صدر کو یہ رپورٹ بھی مل چکی تھی کہ میاں نواز شریف اور غلام مصطفیٰ جتوئی مطلوبہ تعداد میں ارکان قومی اسمبلی کو اپنے ساتھ ملانے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ میاں صاحب نے ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین کو اپنے ساتھ ملانے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ بے نظیر بھٹو کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ تاہم اس ساری جدوجہد کا غلام اسحاق خاں کو فائدہ یہ ہوا کہ وہ پی پی پی کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ آئندہ صدارتی انتخابات میں ان کی حمایت کرے۔ چنانچہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے نوابزادہ نصراللہ خاں جیسے منجھے ہوئے سیاستدان اور جمہوریت کے متوالے کو نظرانداز کر کے غلام اسحاق کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے ہی منتخب کردہ صدر سے حکومت ختم کروا بیٹھیں۔

اول تو پی پی پی کی حکومت کو چاہئے تھا کہ وہ جنرل حمید گل کو آئی ایس آئی سے فارغ نہ کرتی کیونکہ حمید گل نے 1988ء کے انتخابات کے بعد بے نظیر بھٹو کو اعتماد میں لے کر بتا دیا تھا کہ انہوں نے اسلامی جمہوری اتحاد محض اس لئے بنوایا تھا کہ صدر جنرل ضیاء اپنے وعدے کے مطابق انتخابات کروا دیں کیونکہ صدر ضیاء اس وقت جونیجو حکومت کو فارغ کر چکے تھے۔ اور وہ پی پی پی کے اقتدار میں آنے سے خوف زدہ تھے۔ ضیاء الحق کی اپنی خواہش تھی کہ 1988ء کے انتخابات کے نتیجے میں جونیجو اور بے نظیر بھٹو اقتدار میں نہ آئیں کیونکہ جونیجو کو انہوں نے اقتدار سے محروم کیا تھا جبکہ بے نظیر بھٹو انہیں اپنے باپ کا قاتل سمجھتی تھیں۔ آئی ایس آئی کے سربراہ حمید گل کو ضیاء الحق کے خدشات کا علم تھا کیونکہ آئی ایس آئی ضیاء الحق کی بھی جاسوسی کرتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس جاسوسی کی نوعیت اور تھی۔ جنرل حمید گل نے بہت ساری باتوں سے بے نظیر بھٹو کو آگاہ کر دیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بطور وزیر اعظم انہیں کچھ حقائق کا علم ہونا ہی ہے۔

تاہم بے نظیر بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد اپنی پارٹی کی قیادت سے حساس اداروں کے سربراہ تبدیل کرنے کے حوالے سے صلاح و مشورہ شروع کر دیا۔ وزیر مملکت برائے دفاع کرنل غلام سرور چیمہ کی رائے تھی کہ آئی ایس آئی کے سربراہ کی تبدیلی کا فیصلہ انتہائی محتاط

طریقے سے کیا جائے۔ تاہم قرعہ فال شمس الرحمٰن کلو کے نام نکلا جو بھٹو کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور بے نظیر کو اس بات کا علم تھا۔ لیکن اس کے باوجود جب جنرل کلو کو آئی ایس آئی کا سربراہ بنانے کا فیصلہ ہوا تو جنرل حمید گل نے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس کئے بغیر ان کے لئے جگہ خالی کر دی۔

یہ لازمی امر تھا کہ جنرل کلو پی پی پی کی حکومت کے مفادات کی حفاظت کرتے۔ جنرل کلو کو آئی ایس آئی کا سربراہ بننے کے بعد اپنے فرائض کی انجام دہی میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ان کا ماتحت عملہ ان کے ساتھ ان معاملات میں تعاون نہیں کر رہا تھا جن کہ بارے میں حکومت دلچسپی رکھتی تھی۔ یہ معاملہ مخالف سیاستدانوں کے بارے میں رپورٹوں کی تیاری کا تھا۔ اگرچہ آئی ایس آئی کے پاس ہر اہم سیاستدان کے بارے میں ہر قسم کا ریکارڈ موجود تھا لیکن اس کے باوجود بے نظیر بھٹو کی جنرل کلو کے ساتھ اس بات پر ناراضگی ہو جاتی تھی کہ انہیں مقررہ وقت پر بعض معلومات نہیں مل رہیں۔ اگرچہ جنرل کلو کو بھٹو کے ساتھ محبت تھی لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ بھٹو خاندان کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے ایسی کئی ایک باتوں سے حکومت کو لاعلم رکھا جن کا پی پی پی کی قیادت کا جاننا مناسب نہ تھا۔ چنانچہ بعض حلقوں کی رائے ہے کہ جنرل کلو نے جس قدر پی پی پی کی حکومت کو نقصان پہنچایا تھا' اس قدر ممکن ہے نقصان جنرل حمید گل بھی انہیں نہ پہنچاتے۔

جنرل شمس الرحمٰن کلو کی بطور آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل تعیناتی سے فوج کو اپنے طریقہ کار میں تبدیلی کرنا پڑی۔ افغانستان' کشمیر اور مشرقی پنجاب کے حوالے سے آئی ایس آئی کی سرگرمیوں کو وقتی طور پر محدود کر کے ایک ایسا طریقہ کار واضح کیا گیا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کو بھی علم نہ ہو سکا کہ آئی ایس آئی اہم امور کو کس طرح سرانجام دے رہی ہے۔ خصوصی طور پر فوج نے حساس تنصیبات بشمول کہوٹہ پلانٹ کے متعلق آئی ایس آئی کی فائیلوں کو حفاظتی مقامات پر پہنچایا۔ یوں ہمارا ایٹمی پروگرام براہ راست فوج کی نگرانی میں ہی کام کرتا رہا اور بے نظیر بھٹو کی حکومت کی کسی پالیسی کا اس کے ساتھ تعلق نہ تھا۔ بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم ہونے کے بعد سے اب تک ایٹمی پروگرام فوج کی نگرانی میں چل رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حساس اداروں کو ایٹمی پروگرام کے حوالے سے وزیراعظم کی بجائے صدر پر زیادہ اعتماد ہے۔

جنرل شمس الرحمٰن کلو نے آئی ایس آئی کے بعض حکام کی طرف سے عدم تعاون کے

باوجود پی پی کی حکومت کے خلاف ہونے والی سازشوں کا پتہ چلایا۔ اگر اپریشن مڈ نائٹ جیکال کا معاملہ اخبارات میں نہ اچھلتا تو ممکن ہے کہ شمس الرحمٰن کلو کا نام اب تک بہت سارے لوگوں کے ذہنوں سے نکل بھی چکا ہوتا۔ لیکن جب تک اس اپریشن کا ذکر آتا رہے گا' چند افراد کے نام ضرور سامنے آئیں گے۔ شمس الرحمٰن کلو ممکن ہے کہ اس بات کا اعتراف نہ کریں' لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے آئی ایس آئی کے سیاسی کردار کو محدود کرنے کی بجائے وسیع کیا تھا۔ آئی ایس آئی کا سیاسی سیل ان کے دور میں غیر معمولی طور پر متحرک رہا اور اپوزیشن سیاستدانوں کی وسیع پیمانے پر جاسوسی کروائی گئی اور اس ضمن میں ادارے کے لئے جدید آلات خریدے گئے۔

شمس الرحمٰن کلو نے میجر عامر کے ذریعے نہ صرف اپریشن مڈ نائٹ جیکال مکمل کروایا بلکہ انہوں نے یہ بات بھی معلوم کروائی تھی کہ مرزا اسلم بیگ' جو اس وقت فوج کے سربراہ تھے کہیں بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف تو نہیں ہیں۔ میجر عامر نے جنرل کلو کو بتایا تھا کہ فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ کا بے نظیر بھٹو کے مخالف سیاستدانوں کے ساتھ رابطہ ہے اور وہ ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ میجر عامر نے جو اس وقت آئی ایس آئی اسلام آباد کے سربراہ تھے' جنرل کلو کو یہ بھی بتایا تھا کہ مرزا اسلم بیگ کا الطاف حسین اور عظیم طارق کے ساتھ رابطہ ہے اور وہ ایم کیو ایم کو غلام مصطفیٰ جتوئی کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ کر رہے ہیں۔ جتوئی اس وقت قومی اسمبلی میں متحدہ حزب اختلاف کے سربراہ تھے اور وہ میاں نواز شریف کے ساتھ مل کر بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد کو کامیاب کروانے کے لئے دن رات کوشش کر رہے تھے۔

تاہم جنرل کلو شمس الرحمٰن بعد ازاں میجر عامر کا دفاع نہ کر سکے۔ جب میجر عامر اور بریگیڈئر امتیاز کے خلاف انکوائری ہوئی تو انہوں نے اس میں حصہ نہ لیا۔ اور جب غلام اسحاق خاں نے 6/ اگست 1990ء کو بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کی تو جنرل کلو اس سے لاعلم تھے۔ نئے نگران وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی نے جنرل کلو کو فارغ کر دیا۔

میں نے اپریشن مڈنائٹ جیکال آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل شمس الرحمٰن کلو کے کہنے پر مکمل کیا: میجر محمد عامر

اپریشن مڈ نائٹ جیکال کے ایک مرکزی کردار میجر عامر آئی ایس آئی میں دوران ملازمت حیرت انگیز کارنامے انجام دینے کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔ کبھی انہوں نے سی آئی اے کا ایجنٹ بن کر دشمن سے معلومات حاصل کیں اور کبھی وہ "را" کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ آئی ایس آئی کا ریکارڈ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ میجر عامر نے ملک کی سلامتی کے لئے ایسے کارنامے انجام دیئے' جس پر کوئی بھی انٹیلی جینس آفیسر فخر کر سکتا ہے۔ انہوں نے افغانستان کی جنگ کے دوران بہت عرصہ تک "خاد" کے ایجنٹ کا روپ دھارے رکھا اور یوں وہ روس کی سازشوں سے باخبر رہے جن کا مقصد پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ انٹیلی جینس آفیسر بھی اپنے ہی ملک کے باسیوں کی وجہ سے ایک سازش کا شکار ہو گیا جس کے بعد انہیں فوج سے نکال دیا گیا۔

چونکہ میجر عامر کا ذکر اکثر اخبارات میں ہوتا رہتا تھا' اس لئے میں نے انہیں ایک دن اسلام آباد فون کیا تاکہ اپریشن مڈ نائٹ جیکال کے حوالے سے ان پر جو الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔ ان کے متعلق ان کا موقف معلوم کیا جا سکے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ میجر صاحب ابھی تک تمام الزامات کا جواب "خاموشی" سے دے رہے تھے۔ میرے ذہن میں میجر عامر کا یہ نقشہ تھا کہ وہ لحیم شحیم قسم کے انسان ہونگے کیونکہ انہوں نے آئی ایس آئی

اسلام آباد کے سربراہ کی حیثیت سے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جو ایک عام قسم کا انسان نہیں سرانجام دے سکتا۔ تاہم ایف آئی اے ہیڈ کوارٹر اسلام آباد میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو پہلی نظر میں انہیں دیکھ کر میں حیران رہ گیا کیونکہ میرا سامنا ایک خوبصورت نوجوان سے ہو رہا تھا' سرخ و سفید رنگ اور درمیانے قد کی یہ شخصیت اسلام آباد میں بیٹھ کر آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے کام کر چکی تھی۔

یہاں یہ ذکر کرنا بہت ضروری ہے کہ اسلام آباد کے چپے چپے پر غیر ملکی جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ پاکستان کے دارلخلافے میں تمام غیر ملکی سفارتخانوں کے دفاتر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام آباد جیسے ایک چھوٹے سے شہر میں چھوٹے بڑے تمام ممالک کے سفیر اور دیگر سفارتی عملے کے ارکان مقیم ہیں غیر ملکی سفارتخانوں میں موجود جاسوسوں پر نظر رکھنا اور ان کے عزائم معلوم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اسلام آباد میں امریکی سی آئی اے' برطانوی ایم 5' اسرائیلی جاسوس ادارے "موساد" روس کی کے جی بی' بھارت کی "را" اور افغانستان کی "خاد" کے علاوہ چین' جاپان' سارک ممالک غرض ہر ملک کی جاسوس تنظیمیں موجود ہیں۔ ان غیر ملکی سفارت کاروں کے بھیس میں موجود جاسوسوں کا پتہ چلانا اتنا مشکل نہیں جتنا مشکل اس بات کا جاننا ہے کہ پاکستان کی کون سی اہم شخصیات غیر ملکی جاسوس تنظیموں کے لئے کام کر رہی ہیں۔ یہ ایک انتہائی کٹھن اور مشکل کام ہے کیونکہ پاکستان کے چوٹی کے بعض تاجر' صنعت کار' کھلاڑی' صحافی' سفارتکار اور فلمی اداکار غیر ملکی جاسوس تنظیموں کے آلہ کار کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام آباد میں ہمارے جاسوس اداروں' آئی ایس آئی' انٹیلی جینس بیورو' ملٹری انٹیلی جینس' ایف آئی اے' فیلڈ انٹیلی جینس یونٹ اور فوج کے دیگر انٹیلی جینس اداروں کے ہیڈ کوارٹر موجود ہیں۔ ملک کی سلامتی کے لئے معمور ان جاسوس اداروں میں بھی اسی طرح غیر ملکی ایجنٹ گھس سکتے ہیں جس طرح ہمارے جاسوس سی آئی اے "را" خاد اور موساد جیسی اعلیٰ پائے کی جاسوس تنظیموں میں گھسے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی غیر قانونی کام نہیں ہے کیونکہ ہر ملک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی سلامتی کے لئے دشمن اور دوست پر نظر رکھے۔
ان حالات میں جب ہمارے انٹیلی جینس ادارے اتنا اہم کام سرانجام دے رہے تھے' حکمران وقت نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کو سیاستدانوں کی جاسوسی پر لگا دیا۔ چونکہ ستمبر 1989ء میں بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک لانے کے لئے کوششیں کی جارہی تھیں اس لئے ایک دن آئی ایس ائی کے سربراہ جنرل شمس الرحمن کلو نے میجر عامر کو

اپنے دفتر میں طلب کیا اور انہیں یہ مشن سونپا کہ وہ پی پی پی کے ان ارکان اسمبلی کا پتہ چلائیں جو حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش ہونے کی صورت میں نواز شریف کا ساتھ دیں گے۔ میجر عامر نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ میں آئی ایس آئی میں رہ کر انتہائی اہم مشن مکمل کر چکا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میرا باس مجھے کوئی بہت بڑا مشن مکمل کرنے کے لئے کہتا۔ تاہم جب شمس الرحمٰن کلو نے منت سماجت کے انداز میں مجھ سے یہ کام کرنے کے لئے کہا تو میں نے اس شرط پر حامی بھری کہ یہ کام میں ذاتی حیثیت میں مکمل کروں گا اور اس کی رپورٹ آئی ایس آئی کے لیٹر پیڈ کی بجائے سادے کاغذ پر دیا کروں گا۔ اور اس سادے کاغذ پر کوئی دستخط بھی نہیں ہوں گے۔ چنانچہ جنرل کلو نے اس بات سے اتفاق کیا اور میجر عامر نے اپنے مشن کے لئے تیاریاں کرنا شروع کر دیں۔ قبل ازیں ملک ممتاز چند مرتبہ مجھے پیشکش کر چکا تھا کہ وہ پی پی پی سے تعلق رکھنے والے بعض ارکان قومی اور صوبائی اسمبلی کو نواز شریف کا ساتھ دینے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ مگر میجر عامر ملک ممتاز کی پیشکش ٹھکرا دی۔ بہر حال جب جنرل کلو نے میجر عامر کو یہ مشن سونپا تو انہوں نے اپنے "ذرائع" سے معلومات حاصل کر کے جنرل کلو کو ایک رپورٹ ارسال کی جس میں انہوں نے انکشاف کیا کہ فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ' محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں اور اس سلسلے میں ان کا اسلامی جمہوری اتحاد اور متحدہ حزب اختلاف کے سرکردہ رہنماؤں سے رابطہ ہے۔ یہ اطلاع جب بے نظیر بھٹو تک پہنچی تو وہ پریشان ہو گئیں اور انہوں نے آئی ایس آئی کے سربراہ کو ہدایت کی کہ وہ پی پی پی کی حکومت کے خلاف ہونے والی سازشوں کے متعلق مزید تفصیلات حاصل کریں۔ اسی دوران ملٹری انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل درانی نے بھی میجر عامر سے رابطہ قائم کیا اور انہیں فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی۔ تاہم میجر عامر نے ملٹری انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر کے اس غیر قانونی قسم کے تعمیل نہ کی۔ میجر عامر کو جنرل درانی نے کئی مرتبہ دعوت دی تھی کہ وہ ان کے دفتر یا گھر میں ان سے ملاقات کریں۔ ممکن ہے کہ ملٹری انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل کی یہ کوشش ہو کہ کسی طرح میجر عامر کو بے نظیر کی حکومت کے خلاف استعمال کریں۔ کیونکہ ان دنوں فوج پی پی پی کی حکومت کو مزید برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔

میجر عامر کا کہنا ہے کہ انہوں نے ملک ممتاز سے رابطہ قائم کیا جو گیریزن انجینیئر کے عہدے پر کام کر رہا تھا اور آئی ایس آئی کا ایجنٹ تھا۔ ملک ممتاز کافی عرصہ تک فوج کے لئے عمارات' سڑکیں' پانی اور بجلی وغیرہ کا انتظام کرنے والے ادارے ملٹری انجینیئرنگ سروسز تک

وابستہ رہا۔ اس کے بھارت کی خفیہ ایجنسی ''را'' کے ساتھ تعلقات تھے۔ چونکہ ملک ممتاز کو دوران ملازمت آرمی ہاؤس میں آنے جانے کا بھی موقع ملا تھا اس لئے اس کی جنرل رفاقت سے شناسائی ہو گئی جو جنرل ضیاء الحق کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ملک ممتاز ان دنوں آئی ایس آئی کے ایک ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا اس لئے اس نے آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل اختر عبدالرحمٰن تک بھی رسائی حاصل کر لی۔ آئی ایس آئی کو ملک ممتاز کے کردار پر ہمیشہ شک رہا لیکن خفیہ اداروں کے کام کرنے کا چونکہ اپنا انداز ہوتا ہے' اس لئے اس کے خلاف ایکشن نہ لیا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ آئی ایس آئی کو بعض مفید معلومات فراہم کر رہا تھا۔ اور آئی ایس آئی جانتی تھی کہ یہ ڈبل ایجنٹ کا رول ادا کر رہا ہے۔ ملک ممتاز کے روس کی جاسوس تنظیم ''کے جی بی'' کے ساتھ روابط کی تصدیق ہو گئی تھی لیکن بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس پر ہاتھ نہ ڈالا گیا۔ ملک ممتاز نے اس دوران بھارتی سمگلروں کے ساتھ تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ لیکن 1986ء کی بات ہے کہ ملک ممتاز کی ایک خفیہ اطلاع نے آئی ایس آئی کے اعلیٰ حکام کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ ملک ممتاز نے آئی ایس آئی کے سربراہ کو اطلاع دی کہ وہ تین ایسے سکھوں سے روابط قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے جو بھارت کے خالص یورینیم کو پاکستان میں سمگل کر سکتے ہیں۔ اس اطلاع نے آئی ایس آئی میں سنسنی پھیلا دی۔ ملک ممتاز کی کوشش تھی کہ ان سکھوں کی آئی ایس آئی اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے اعلیٰ حکام کے ساتھ ملاقات کرا دی جائے۔ تاہم کافی سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ کسی سکھ کو اس معاملے میں لفٹ نہ کرائی جائے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بھارت کی کوئی چال ہو اور ''را'' یا سی آئی اے'' یہ جاننے کی کوشش کر رہی ہو کہ پاکستان کہیں یورینیم کو استعمال کرنے کی صلاحیت تو حاصل نہیں کر سکا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ خالص یورینیم کو ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ملک ممتاز کا کردار ہمیشہ مشکوک رہا۔ جب بے نظیر بھٹو اقتدار میں آئیں تو اس کے روابط وفاقی وزراء سے بڑھنے لگے اور وہ وزیراعظم کے قریبی حلقوں تک یہ بات پہنچانے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ فوج کے ساتھ قریبی تعلقات رکھنے کی وجہ سے پی پی پی کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ ملک ممتاز کا اس وقت کے قومی اسمبلی کے سپیکر ملک معراج خالد کے ساتھ قریبی تعلق تھا اور اس کی ملک صاحب سے شاید رشتے داری بھی تھی۔ بہرحال ملک ممتاز نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ملک معراج خالد اس کا انکل ہے۔ ان حالات میں میجر عامر نے ملک ممتاز کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ ملک ممتاز نے میجر عامر کو یقین دلایا کہ وہ پی پی پی کے ایک

درجن ارکان کا تعاون حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے میجر عامر نے ملک نعیم سے رابطہ قائم کیا۔ ملک نعیم اس وقت میاں نواز شریف کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتا تھا اور اس کی میجر عامر کے ساتھ پرانی دوستی تھی۔ مڈنائٹ جیکال کے ایک کردار حاجی گل شیر بھی میجر عامر کے قریبی جاننے والوں میں سے تھے۔ تاہم اپریشن مڈنائٹ جیکال کے سلسلے میں حاجی گل شیر خاں سے رابطہ ملک ممتاز نے کیا تھا۔ میجر عامر نے دوران اپریشن حاجی گل شیر خاں کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس معاملے سے دور رہیں کیونکہ وہ ایک سرکاری کام کر رہے ہیں۔ میجر عامر کا کہنا ہے کہ وہ ملک نعیم کا اعتماد حاصل کر کے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنے کی کوشش کہاں تک پہنچی ہے اور پی پی پی کے کون کون سے ارکان آئی جے آئی کا ساتھ دیں گے۔ ملک ممتاز دوسرا کھیل کھیل رہے تھا۔ یہ شخص وزیراعظم کو فوج اور فوج کو وزیراعظم سے متنفر کرنا چاہتا تھا اور اپریشن مڈنائٹ جیکال کا راز افشاں ہونے سے فوج اور پی پی پی کے درمیان موجود فاصلوں میں مزید اضافہ ہو گیا اس کا بے نظیر بھٹو کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا۔ بے نظیر بھٹو نے عجلت میں مرزا اسلم بیگ کی چھٹی کرانے کا فیصلہ کر لیا' انہوں نے صدر غلام اسحاق خاں سے کھلم کھلا کھلا جنگ شروع کر دی اور خفیہ اداروں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد کبھی ناکام نہ ہوتی اگر میاں نواز شریف عین وقت پر اپنا فیصلہ تبدیل نہ کرتے۔ میجر عامر نے تو صرف اتنا کام کیا کہ انہوں نے اپریشن مڈنائٹ جیکال مکمل کر کے جنرل کلو کو یہ اطلاع فراہم کر دی کہ کون سے ارکان اسمبلی پی پی پی کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں۔ دوسری طرف میاں محمد نواز شریف کو یہ احساس ہو گیا کہ اگر بے نظیر کی خلاف عدم اعتماد کی تحریک کامیاب ہو گئی تو باقی ماندہ مدت کے لئے جتوئی وزیراعظم بن جائیں گے اور ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔ اس لئے انہوں نے خود ہی تحریک عدم اعتماد کو ناکام کروا دیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد پی پی پی کی حکومت کی چھٹی کرا دی گئی۔ نتیجتاً" میاں نواز شریف پھر وزیراعظم کے عہدہ پر فائز ہیں۔

ملک ممتاز کی کاوشوں کے نتیجے میں مکمل ہونے والے اپریشن مڈنائٹ جیکال کی اکتوبر 1989ء میں بے نظیر بھٹو کو ارسال کر دی گئی تھی۔ اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا تھا کہ فوج کے دو اعلیٰ آفیسر حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ بے نظیر بھٹو کا مطالبہ تھا کہ بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کا کورٹ مارشل کیا جائے۔ اس ضمن میں انہوں نے وزیر مملکت برائے دفاع کرنل غلام سرور چیمہ کو فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ کے پاس بھیجا تھا۔ اپریشن مڈ

نائٹ جیکال کی فائیل جب مرزا اسلم بیگ کے پاس پہنچی تو انہوں نے ایک انکوائری کمیٹی قائم کر دی جس کے سربراہ جنرل اشرف تھے جو جنرل آصف نواز مرحوم کے انتقال کے بعد قائم مقام چیف آف دی آرمی سٹاف بنے۔ تاہم انہیں غلام اسحاق نے اس عہدے پر مستقل نہ کیا کیونکہ جنرل اشرف کے میاں نواز شریف کے خاندان کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ اس کی بجائے غلام اسحاق خان نے نصف درجن جرنیلوں کو نظرانداز کرتے ہوئے لیفٹیننٹ جنرل عبدالوحید کاکڑ کو فوج کا سربراہ مقرر کر دیا جن کا تعلق سرحد سے ہے۔ غلام اسحاق خاں کا اپنا تعلق بھی سرحد سے ہے۔

جنرل اشرف نے بطور چیئرمین انکوائری کمیٹی بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کے بیانات قلمبند کئے۔ بریگیڈئر امتیاز نے کمیٹی کو بتایا تھا کہ انہیں ملک ممتاز نے دھوکہ دے کر بلایا تھا۔ کیونکہ ملک ممتاز نے یہ تاثر دیا تھا کہ میجر عامر سے اس کی تمام بات چیت ہو گئی ہے اور وہ میرا (بریگیڈئر امتیاز کا) انتظار کر رہا ہے۔ چونکہ بریگیڈئر امتیاز میجر عامر کی بہت عزت کرتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ یہ باصلاحیت انٹیلی جنس آفیسر ملک کے لئے اہم کارنامے انجام دے چکا ہے اس لئے انہوں نے اپریشن مڈنائٹ جیکال میں حصہ لیا۔ بریگیڈئر امتیاز کو چونکہ بے نظیر بھٹو آئی ایس آئی سے فارغ کر چکی تھی اس لئے انہوں نے میاں نواز شریف کے ساتھ روابط قائم کر لئے۔ بریگیڈئر امتیاز بھٹو خاندان کو ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے میاں نواز شریف کے ساتھ تعاون کرنا شروع کر دیا۔ اور انہوں نے بے نظیر بھٹو کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کامیاب کروانے کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ تاہم جب ان معاملات کی انکوائری شروع ہوئی تو میجر عامر نے اپنی پوزیشن واضح کر دی۔ اور انہوں نے حلف اٹھا کر کہا کہ میں نے اپریشن مڈنائٹ جیکال آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل کلو کی ہدایت پر شروع کیا تھا۔ اس انکوائری کے نتیجے میں میجر عامر کو تمام الزامات سے بری کر دیا گیا۔ تاہم اس کے باوجود مرزا اسلم بیگ نے میجر عامر اور بریگیڈئر امتیاز کو فوج سے نکال دیا۔ میجر عامر کو آج بھی اس بات کا بہت رنج ہے کہ فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ نے ان کے ساتھ زیادتی کی ممکن ہے کہ مرزا اسلم بیگ کو اس بات کا علم ہو گیا ہو کہ میجر عامر نے حکومت کو اپنی رپورٹ ارسال کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوج کا سربراہ منتخب حکومت کے خلاف سازش میں مصروف ہے۔

میجر عامر کا کہنا ہے کہ میں خفیہ اداروں کے غیر ضروری سیاسی کردار کے ہمیشہ خلاف رہا ہوں لیکن یہ بھی ایک بہت تلخ حقیقت ہے کہ بعض سیاسی جماعتوں کے اندر غیر ملکی ایجنٹ

داخل ہو چکے ہیں اس لئے خفیہ ادارے اس بات پر مجبور ہیں کہ وہ سیاسی شخصیات پر نظر رکھیں۔

اپریشن مڈنائٹ جیکال کے حوالے سے ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل کلو ابھی تک مکمل خاموش ہیں۔ جنرل شمس الرحمٰن کلو ایک ریٹائرڈ جنرل تھے تاہم اس کے باوجود بے نظیر بھٹو نے انہیں آئی ایس آئی کا سربراہ مقرر کر دیا جس کی وجہ سے فوج میں کافی ہلچل پیدا ہوئی کیونکہ بے نظیر بھٹو نے جنرل کلو کی بطور آئی ایس آئی کے سربراہ تعیناتی کر کے اس بات کا ثبوت دے دیا تھا کہ وہ فوج کے سٹرونگ جرنیلوں پر اعتماد نہیں کرتیں۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ جنرل کلو نے آخری وقت پر یہ کوشش کی تھی کہ میجر عامر کو آئی ایس آئی سے نہ نکالا جائے۔ اور اس ضمن میں انہوں نے بے نظیر بھٹو کو قائل کر لیا تھا۔ تاہم فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ نے بریگیڈیر امتیاز کے ساتھ ساتھ میجر عامر کو بھی فوج سے نکال دیا۔

اس تمام ڈرامے کے ایک مرکزی کردار ملک ممتاز کو بے نظیر بھٹو نے خوب نوازا اور 5/ اگست 1990ء کو ان کی ایف آئی اے میں بطور ڈپٹی ڈائریکٹر تقرری کر دی گئی۔ مگر ملک ممتاز کو ایف آئی اے میں کام کرنا نصیب نہ ہوا اور 6/ اگست 1990ء کو صدر غلام اسحاق خاں نے اسمبلیاں توڑ دیں۔ چنانچہ ملک ممتاز بھارت فرار ہو گیا اور وہاں سے وہ لندن پہنچا۔ لندن میں بیٹھ کر ملک ممتاز نے اپریشن مڈنائٹ جیکال کے حوالے سے بیانات جاری کئے۔

خفیہ اداروں نے مجھے نہیں میں نے انہیں استعمال کیا: چوہدری غلام حسین

اگست 1992ء میں جب ہفت روزہ "سیاسی لوگ" اور انگریزی جریدے "Facts International" کے ایڈیٹر چوہدری غلام حسین کی نامعلوم غنڈوں کے ہاتھوں پٹائی ہوئی اور انہیں پولیس نے زیر حراست لیا تو صحافتی حلقوں میں خاصی ہلچل پیدا ہوئی کیونکہ یہ دوسرا موقع تھا کہ انہیں نواز شریف کے دور حکومت میں ریاستی تشدد کا نشانہ بننا پڑا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ چوہدری غلام حسین نے اسی شخص کو آنکھیں دکھانا شروع کردی تھیں جس کو اقتدار میں لانے میں ان کا اپنا بہت ہاتھ تھا۔ یعنی انہوں نے میاں نواز شریف کو "سیاسی لوگ" کے ذریعے رگڑا دینا شروع کردیا تھا۔

چوہدری غلام حسین کو مارشل لا کے نفاذ سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ضیاء الحق کے منظور نظر بن گئے اور ضیاء الحق کی زندگی کے آخری سانس تک ان کے ساتھ رابطہ رہا۔ وہ مارشل لا کے نفاذ سے قبل پیپلز پارٹی کے جوشیلے کارکنوں میں شمار ہوتے تھے لیکن جب محمد حنیف رامے نے پارٹی قیادت کے ساتھ اختلافات کے نتیجے میں بھٹو کا ساتھ چھوڑا تو انہوں نے بھی پی پی پی سے کنارہ کشی کرلی۔ ضیاء الحق کے دور حکومت میں یہ نوجوان تلاش روزگار کے لئے گھر سے نکلا۔ صحافت میں آنا چونکہ اس کے نصیب میں لکھا تھا اس لئے انہوں نے انگریزی روزنامہ "مارننگ نیوز" میں بطور رپورٹر ملازمت اختیار کرلی اور یہ اعزاز

بھی انہیں کو حاصل ہوا کہ انہوں نے 31/ مارچ 1979ء کو یہ خبر "بریک" کردی کہ بھٹو کو 4/ اپریل 1979ء کو پھانسی دی جائے گی۔ اس کے بعد ان کے مقدر کا ستارہ چمکا اور وہ ضیاء الحق کے قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے۔ ضیاء الحق کی وفات کے بعد جب صدر غلام اسحاق خاں نے انتخابات کا اعلان کیا تو چوہدری غلام حسین نے میاں نواز شریف کے ساتھ روابط بڑھانا شروع کردیئے جو اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔ چونکہ غلام حسین کا ضیاء الحق کے ساتھ رابطہ تھا اس لئے ان کا آئی ایس آئی کے سابقہ ڈائریکٹر جنرل حمید گل سے بھی رابطہ ہوگیا۔ 1988ء کے انتخابات کا اعلان ہونے کے بعد چوہدری غلام حسین نے میاں نواز شریف کو مشورہ دیا کہ وہ ایک سیاسی اتحاد بنا کر پی پی کا مقابلہ کریں اس لئے میاں نواز شریف نے ان کے مشورے کو پسند کیا۔ اسی اثناء میں حمید گل نے میاں نواز شریف سے ملاقات کی اور انہیں اسلامی جمہوری اتحاد بنانے کا مشورہ دیا۔ ایک طرف اسلامی جمہوری اتحاد نے پی پی کا راستہ روکنے کے لئے سیاسی پلیٹ فارم استعمال کرنا شروع کیا تو دوسری طرف پنجاب میں ایک ڈس انفارمیشن سیل بھی قائم کردیا گیا۔ اس سیل نے حسین حقانی جیسے ذہین اور چالاک صحافیوں کی زیر نگرانی کام کیا اور "سیاسی لوگ" ڈس انفارمیشن سیل کی طرف سے فراہم کردہ خبروں کو نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کرتا رہا۔ اس ضمن میں چوہدری غلام حسین کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اپنے اخبار میں تمام خبریں انتہائی چھان بین کے بعد شائع کی تھیں اور "سیاسی لوگ" میں شائع ہونے والی ہر خبر کا میرے پاس ثبوت ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو پیپلزپارٹی کی حکومت میرے خلاف عدالت میں کئی مقدمات دائر کرچکی ہوتی۔

چوہدری غلام حسین بجا فرماتے ہیں کیونکہ انہیں زیادہ تر خبریں انٹیلی جینس بیورو' آئی ایس آئی اور خصوصی طور پر سپیشل برانچ کے بعض اعلیٰ حکام کی طرف سے فراہم کی جاتی تھیں۔ چوہدری غلام حسین کا کہنا ہے کہ ایک دن آئی ایس آئی کے سابق ڈائریکٹر جنرل حمید گل سے میری ملاقات ہوئی تو وہ بہت پریشان تھے۔ میں نے اس سے قبل انہیں کبھی بھی غصے میں نہیں دیکھا تھا اور وہ اعتزاز احسن کو برا بھلا کہہ رہے تھے میرے پوچھنے پر انہوں نے مجھے بتایا کہ "وزیر داخلہ اعتزاز احسن بھارت گئے تھے جہاں انہوں نے 1123 سکھوں کی ایک فہرست بھارتی حکام کے حوالے کردی۔ یہ سکھ آئی ایس آئی کے لئے کام کررہے تھے۔ نتیجتاً بھارتی حکومت نے 1123 سکھوں کو قتل یا گرفتار کرلیا ہے۔"

چوہدری صاحب کے مطابق "میں نے یہ خبر "سیاسی لوگ" میں شائع کردی۔ یہ کہنا

درست نہیں کہ میں آئی ایس آئی کا ایجنٹ تھا یا سپیشل برانچ کا میرے اوپر کنٹرول تھا۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ بہرحال 1988ء کے انتخابات سے چند دن قبل چوہدری غلام حسین کی جب میاں نواز شریف سے ملاقات ہوئی تو چوہدری صاحب کے بقول نواز شریف نے انہیں کہا کہ "کیا کسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ مارشل لا لگ جائے اور انتخابات ملتوی ہو جائیں۔" غلام حسین کا کہنا ہے کہ "میں میاں نواز شریف کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ بہرحال میں نے نواز شریف کا انٹرویو مکمل کیا۔ یہ انٹرویو بھی بہت عجیب تھا۔ میاں صاحب میرے اکثر سوالات کا جواب دینے سے قاصر تھے۔ چنانچہ میں نے دفتر آ کر اپنے پاس سے ایک عمدہ سا انٹرویو بنا کر شائع کر دیا اور "سیاسی لوگ" پڑھ کر میاں صاحب کے قریبی ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ میاں صاحب تو لکھی ہوئی تقریر نہیں پڑھ سکتے ایسا شاندار انٹرویو انہوں نے کیسے دے دیا؟ یہ تو حال تھا میاں صاحب کا اور اس کے باوجود ان کی نگاہ وزارت عظمیٰ پر تھی۔ 16/ نومبر 1988ء کی رات کو جب نتائج آنا شروع ہوئے تو ہم 7/ کلب روڈ پر واقع چیف منسٹر ہاؤس میں موجود تھے۔ میاں صاحب کا رنگ اڑا ہوا تھا کیونکہ ابتدائی نتائج کے مطابق 90 سے زائد نشستیں پی پی پی نے جیت لی تھیں جبکہ اسلامی جمہوری اتحاد کو 50 سے زیادہ نشستیں ملنے کی توقع تھی لیکن پھر خفیہ ہاتھوں نے کام دکھایا اور پی پی پی کی کامیابی کو Landslide victory میں تبدیل ہونے سے روک دیا گیا۔ 16/ نومبر کی رات ہی ہمیں آئی ایس آئی نے خوشخبری دی کہ حوصلہ رکھیں مکمل نتائج آنے پر صورت حال بہتر ہو جائے گی۔ ایک دفعہ پھر ہم نے اخبارات کا سہارا لیا کیونکہ میاں صاحب تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ انہیں اپنی کامیابی کا بھی 100 فیصد یقین نہ تھا۔ بہرحال اگلے دن "سیاسی لوگ" نے ضمیمہ شائع کیا جس میں جلی سرخی کے ساتھ یہ خبر شائع کی گئی "آئی جے آئی 113، پی پی 95" اگر اسلامی جمہوری تحاد کو موقع دیا جاتا تو وہ حکومت بنا لیتا لیکن غلام اسحاق خاں نے فوج سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ حکومت پی پی پی کے حوالے کر دی جائے کیونکہ یہ واحد سیاسی جماعت ہے جس نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے ہیں۔ دوسری طرف بے نظیر بھٹو کی بے تابی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اقتدار میں آنے کے لئے بے چین تھیں۔ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل حمید گل سے جب میری فون پر بات ہوئی تو انہوں نے کہا Let her become PM- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آئی ایس آئی نے بے نظیر بھٹو کو اقتدار منتقل نہ کرنے کا مشورہ قطعاً نہیں دیا تھا۔ اس کے باوجود ہم یار لوگوں نے اپنی بھرپور کوشش کی کہ پی پی پی اقتدار میں نہ آئے۔ اس مقصد کے لئے ہم نے میاں صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح غلام اسحاق خاں سے

ملاقات کا وقت حاصل کریں۔ چنانچہ میاں نواز شریف نے غلام اسحاق خاں سے کافی جدوجہد کے بعد ملاقات کا وقت لیا۔ بس پھر کیا تھا ہم نے "سیاسی لوگ" میں خبر جما دی کہ میاں نواز شریف کو صدر نے اسلام آباد طلب کر لیا۔ اس خبر کے ذریعے یہ تاثر دیا گیا تھا کہ جیسے صدر غلام اسحاق خاں اسلامی جمہوری اتحاد کو حکومت بنانے کی دعوت دیں گے۔ میاں صاحب کے قریبی ساتھیوں نے پہلے تو فیصلہ کیا تھا کہ "سیاسی لوگ" کے ضمیمے کی 3 لاکھ کاپیاں شائع کی جائیں تا کہ مذکورہ خبریں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں۔ لیکن بعد ازاں اس کی صرف 45 ہزار کاپیاں شائع کی گئیں کیونکہ کوئی پریس یہ ضمیمہ شائع کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ضیاء الاسلام انصاری مرحوم نے "مشرق" سے یہ ضمیمہ شائع کر دیا لیکن میاں صاحب نے اس کا بل 6 ماہ کے بعد کافی تنگ کرنے کے بعد ادا کیا۔ اور 45 ہزار کی بجائے 40 ہزار کاپیوں کا بل ملا۔

16/ نومبر کو منعقدہ قومی اسمبلی کے انتخابات کے نتائج کے متعلق ہم نے جو خبریں دیں ان کو پڑھنے کے بعد ضلعی انتظامیہ کو بھی حوصلہ ملا کیونکہ 16/ نومبر 1988ء کی رات کو انتخابات کے ابتدائی نتائج سننے کے بعد ضلعی انتظامیہ بھی ڈر گئی تھی کیونکہ ایک طرف میاں نواز شریف کا حکم تھا کہ کامیاب ہونے والے تمام آزاد امیدواروں کی اسلامی جمہوری اتحاد میں شمولیت کو یقینی بنایا جائے جبکہ دوسری طرف اس بات کے امکانات نظر آ رہے تھے کہ پی پی پی اقتدار میں آجائے گی۔ بہرحال چند دن بعد صورت حال بہتر ہو گئی اور تمام ڈپٹی کمشنرز اور ایس پی حضرات نے اپنے اپنے علاقے میں نہ صرف اسلامی جمہوری اتحاد کے امیدواروں کو صوبائی انتخابات میں کامیاب کرانے کی کوشش کی بلکہ قومی اسمبلی کی نشست پر کامیاب ہونے والے آزاد امیدواروں کو بھی ساتھ ملا لیا گیا۔ جس کی وجہ سے اس بات کے امکانات پیدا ہو گئے کہ صدر اب پی پی پی کو حکومت بنانے کی دعوت نہیں دیں گے۔"

چوہدری غلام حسین نے بتایا کہ "1988ء کے انتخابات سے قبل بے نظیر بھٹو کو اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ انہوں نے پارٹی ٹکٹ فروخت کرنے شروع کر دیئے جس کا سب سے زیادہ نقصان انہیں خود اٹھانا پڑا کیونکہ انتخابات میں پی پی پی کے ٹکٹ پر وہ امیدوار بھی کامیاب ہو گئے جن کا پارٹی سے دور دور کا واسطہ نہ تھا اور ان میں صرف ایک ہی خصوصیت تھی کہ وہ مالدار تھے۔ ان لوگوں نے چونکہ پارٹی ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے انوسٹمنٹ کی تھی اس لئے پی پی پی کی حکومت کو قیام کے بعد انہوں نے دونوں ہاتھوں سے لوٹ مار کا آغاز کر دیا۔ 1988ء کے انتخابات سے قبل آصف زرداری کا ممکن ہے کرپشن کرنے کا کوئی ارادہ نہ ہو لیکن جب اس

نے دیکھا کہ اس کی بیوی اور ساس مال کما رہی ہے تو پھر اس نے بھی ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہر بڑے سودے میں اس کو 10 فیصد کمیشن ملنا شروع ہو گئی۔ ہم نے یہ خبر "سیاسی لوگ" میں شائع کی اور یوں آصف زرداری Mr. Ten Percent مشہور ہوئے۔ ہم نے یہ خبر ایسے ہی نہیں شائع کر دی تھی بلکہ سپیشل برانچ کی طرف سے ہمیں اس ضمن میں Documents فراہم کئے گئے تھے۔"

پیپلز پارٹی کی شریک چیئر پرسن بے نظیر بھٹو کے حوالے سے "سیکس سیکنڈل" کا ذکر کرتے ہوئے چوہدری غلام حسین نے کہا کہ ہمیں بے نظیر بھٹو کی عریاں تصویریں فراہم کی گئی تھیں۔ مجھے اس چیز سے سروکار نہیں تھا کہ کون کیا دے رہا ہے۔ میں نے تو صرف یہ دیکھا کہ جو چیز مجھے دی جا رہی ہے وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔ میرے نواز شریف کے ساتھ مراسم اس وقت تک جاری رہے جب تک بے نظیر بھٹو کی حکومت کا خاتمہ نہ ہو گیا۔ اسی لئے بے نظیر بھٹو نے اقتدار سے محروم ہونے کے بعد ایک دفعہ مجھے کہا تھا کہ چوہدری صاحب! میری حکومت کے خاتمے میں آپ کا بھی بہت ہاتھ ہے۔

چوہدری غلام حسین کے لئے آزمائش کا دور اس وقت شروع ہوا جب میاں نواز شریف برسراقتدار آئے کیونکہ بحیثیت صحافی اب انہیں یہ ثابت کرنا تھا کہ "سیاسی لوگ" حق بات لکھے گا وہ خواہ کسی کے بھی خلاف ہو۔ شروع شروع میں انہوں نے جب نواز شریف کی حکومت کی زیادتیوں کو منظرِعام پر لانا شروع کیا تو میاں صاحب نے اس کا کوئی زیادہ برا نہ منایا۔ مگر اس سارے ڈرامے کا Climax اس وقت ہوا جب "سیاسی لوگ" میں بھارتی خاتون دلشاد بیگم کے قصے شائع ہوئے۔ دلشاد بیگم بھارتی فلم انڈسٹری سے وابستہ تھی اور اپنی خوبصورتی اور پر کشش شخصیت کی وجہ سے امراء کے طبقے میں کافی مقبول تھی۔ بھارت کے بڑے بڑے سیٹھ دلشاد بیگم کی قربت حاصل کر چکے تھے۔ جانے میاں صاحب اس کے حسن کا شکار کیسے ہوئے؟ چوہدری صاحب کے مطابق "دلشاد بیگم کے ساتھ میاں صاحب کے عشق و محبت کے متعلق جب "سیاسی لوگ" نے خبر شائع کی تو وہ بہت برہم ہوئے اور ہمارے ہر قسم کے اشتہارات بند کر دیئے گئے۔ اور ہر ممکن طریقے سے "سیاسی لوگ" کو بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ آخر کار مالی مشکلات کی وجہ سے "سیاسی لوگ" کی اشاعت بند ہو گئی۔ لیکن میں یہ برملا کہوں گا کہ میرے پاس جو شواہد موجود ہیں ان کے مطابق دلشاد بیگم اکثر بھوربن میں میاں صاحب سے ملاقاتیں کیا کرتی تھیں۔ یہ خاتون بھارتی جاسوس تھی یا نہیں اس کے متعلق خفیہ اداروں کو زیادہ علم ہو گا

لیکن یہ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ دلشاد بیگم کے متعلق ہمیں خبر دینے والے بھی خفیہ ہاتھ ہی تھے۔"

"میاں نواز شریف نے اس کا بدلہ مجھ سے یہ لیا کہ پولیس نے مجھے گرفتار کر کے گھنٹوں تشدد کا نشانہ بنایا۔ میرے گھر میں نامعلوم غنڈے بھجوا کر میری پٹائی کروائی گئی۔ لیکن میں ثابت قدم تھا۔ ثابت قدم ہوں اور ثابت قدم رہوں گا۔ لیکن میرے پاس AZO کی جو فائل موجود ہے اس میں ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ مرتضیٰ بھٹو نے پاکستان کے اندر دہشت گردی کا منصوبہ بنایا تھا اور اس منصوبے پر عمل کرانے کے لئے اس نے پی پی پی کے جوشیلے نوجوانوں کا انتخاب کیا جنہیں افغانستان' بھارت' اور روس میں تربیت دی گئی تھی۔"

"لوگ کہتے ہیں کہ مجھے خفیہ اداروں نے استعمال کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے خفیہ اداروں کو استعمال کیا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ خفیہ ادارے اب وہ کام نہیں کر رہے جو انہیں کرنا چاہیے خفیہ اداروں کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ منتخب حکومتوں کو بلیک میل کریں اور حکمرانوں کو اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرنے پر مجبور کریں بدقسمتی سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور اس کے خلاف آواز اٹھانے والے کو تکلیف تو اٹھانا پڑے گی۔"

بے نظیر بھٹو اور آئی ایس آئی

1988ء کے انتخابات کے نتیجے میں جب پیپلزپارٹی کی حکومت اقتدار میں آئی تو محترمہ بے نظیر بھٹو نے انٹیلی جینس بیورو کے سابق سربراہ اور بھٹو کے قریبی دوست راؤ عبدالرشید کو کہا کہ وہ خفیہ سروس کے کسی ادارے کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ غالباً محترمہ انٹیلی جینس بیورو کو راؤ رشید کے حوالے کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن راؤ صاحب جان بچا گئے۔ کیونکہ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ اگر کبھی پی پی پی کی حکومت تبدیل ہوئی تو سب سے پہلے انہیں ہی گرفتار کیا جائے گا اور ان کی تیار کردہ رپورٹیں کسی آمر کی طرف سے شائع کردہ نئے وائٹ پیپر کا حصہ بنیں گی۔ تاہم راؤ رشید نے اتنا کرم ضرور کیا کہ انہوں نے بے نظیر کو خفیہ سروس کے اداروں پر حکومت کا کنٹرول مضبوط کرنے کی منصوبہ بندی مکمل کرنے کا مشورہ دے دیا۔ چنانچہ قرعہ فال بھی راؤ صاحب کے نام نکلا اور محترمہ نے انہیں ہدایت کی کہ تمام خفیہ اداروں کی تنظیم نو کے لئے ایک رپورٹ تیار کی جائے۔ اسی دوران محترمہ بے نظیر بھٹو نے آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل کو بند کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن بے نظیر بھٹو کے نزدیک یہ کام جس قدر آسان تھا' یہ مسئلہ حقیقتاً" اسی قدر مشکل تھا۔ جنرل نصیراللہ بابر بھی آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل کو ختم کرنے کے حق میں نہ تھے۔ اس لئے یہ معاملہ صرف بیان کی حد تک ہی رہا۔ اور اس ضمن میں عملی اقدامات نہ کئے جا سکے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے آئی ایس آئی کا پولٹیکل سیل بند کرنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا؟ کیا ان کے نزدیک اس سیل کی موجودگی غیر ضروری تھی؟ محترمہ کے قریبی ذرائع کے مطابق بے نظیر بھٹو آئی ایس آئی کے سیاسی کردار کو محدود کرنا چاہتی تھی کیونکہ پولٹیکل سیل کو مکمل طور پر ختم کرنا تو ایک انتہائی نامناسب اقدام تھا۔ پی پی کے دور حکومت میں آئی ایس آئی کے پولٹیکل سیل کا کردار محدود نہ ہو سکا۔ بلکہ پی پی کی حکومت نے اسی سیل کے ذریعے سابق وفاقی وزیر ثقافت شیخ رشید کی رنگین راتوں کا ریکارڈ جمع کرنے کی کوشش کی اور آئی ایس آئی کو اس ضمن میں قابل قدر کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ اسی طرح آئی ایس آئی کے سربراہ شمس الرحمٰن کلو کے ذریعے حکومت نے میاں نواز شریف کی "پرائیویٹ زندگی" کے متعلق بھی ایک رپورٹ تیار کروائی۔ کیونکہ پی پی کے رہنماؤں کا خیال تھا کہ اس قسم کی رپورٹ سے میاں صاحب کو بلیک میل کیا جا سکے گا۔

پی پی کے ذرائع اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ انہیں بعض ذرائع سے یہ اطلاع ملی تھی کہ میاں نواز شریف کے ایک پاکستانی گلوکارہ طاہرہ سید کے ساتھ تعلقات ہیں۔ پی پی کی حکومت کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح میاں صاحب اور طاہرہ سید کی اکٹھے گھومتے ہوئے ویڈیو فلم بنالی جائے یا ان کی تصویریں حاصل کر لی جائیں۔ اس ضمن میں ثبوت حاصل کرنے کے لئے خفیہ اداروں کا سہارا لیا گیا تھا۔ جس طرح آئی جے آئی نے انتخابی مہم کے دوران بھٹو خاندان کے افراد کے متعلق پروپیگنڈہ کیا تھا' ممکن ہے کہ میاں صاحب کے اداکاراؤں کے ساتھ تعلقات کی خبریں بھی ڈس انفریمیشن کا حصہ ہوں لیکن اس کی تصدیق کے لئے بہرحال خفیہ اداروں کا استعمال ہوا تھا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پی پی کے رہنما ایک طرف تو آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے سیاسی کردار کو تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے اور دوسری طرف ان اداروں کو مخالف سیاستدانوں کی نجی زندگی کے متعلق ریکارڈ جمع کرنے کے کام پر لگا دیا گیا۔ قول و فعل کے اس تضاد کا زیادہ نقصان پی پی کی حکومت کو ہی پہنچا۔ اور پھر ائیر مارشل ذوالفقار کی سربراہی میں خفیہ اداروں کے کردار کا تعین کرنے کے لئے قائم کی جانے والی کمیٹی نے جب حکومت کو اپنی سفارشات پیش کیں تو حکومت ان پر عمل بھی نہ کروا سکی۔

آئی ایس آئی کے سابق سربراہ شمس الرحمٰن کلو نے بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں خفیہ سروس کے اس ادارے کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال جاری رکھا۔ انہوں نے آئی ایس

آئی کو ایم کیو ایم کے خلاف مواد حاصل کرنے کا مشن سونپا تھا۔ پی پی پی کے دور حکومت میں تمام مخالف سیاستدانوں کے فائل از سر نو تیار کروائے گئے تھے۔ آئی ایس آئی نے سیاستدانوں کے ٹیلی فون ٹیپ کئے تھے۔ اسی طرح یہ فریضہ انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ نور لغاری نے بھی انجام دیا تھا۔ اپریشن مڈنائٹ جیکال کی رپورٹ انٹیلی جینس بیورو نے ہی تیار کی تھی۔ کیا خوب چال تھی کہ ایک خفیہ ادارے کے ذریعے حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد کے حوالے سے ہونے والی سازشوں کا پتہ چلانے کی کوشش کی گئی جبکہ دوسرے ادارے کو ان کوششوں کا ریکارڈ تیار کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

خفیہ سروس کے اداروں کے سیاسی کردار کا از سر نو تعین کرنا تو بہت ضروری ہے لیکن اگر کوئی حکومت کسی خفیہ ادارے کے پولٹیکل سیل کو سرے سے ہی ختم کرنے کا اقدام کرے گی تو یہ ایک انتہائی نامناسب اقدام ہو گا۔ اس طرح کے اقدام کے بارے میں پی پی پی کی حکومت نے سوچا ضرور تھا لیکن اس پر عمل نہ ہوا۔ اور ایسا کرنا ممکن بھی نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت ہماری کون سی سیاسی جماعت ایسی ہے جس میں دشمن ملک کا کوئی ایجنٹ نہ شامل ہو۔ کیا بعض سیاسی جماعتیں غیر ملکی خفیہ اداروں کی ماضی میں آلہ کار بن کر نہیں رہ گئی تھیں؟ جیئے سندھ اور ایم کیو ایم میں کیا دشمن کے ایجنٹ شامل نہیں ہوئے تھے؟ اگر ان سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو پھر ہمیں خفیہ سروس کے اداروں کو محدود سیاسی کردار ادا کرنے کا موقع دینا ہو گا۔ یہ درست ہے کہ خفیہ سروس کے تمام ادارے اس وقت غیر ضروری طور پر سیاست میں ملوث ہیں اور وہ حکمرانوں کی کرسی کو مضبوط بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ لیکن یہ روایت کیا حکمرانوں نے ہی نہیں ڈالی تھی؟ خفیہ اداروں کے منہ کو لہو کس نے لگایا تھا؟ یقیناً یہ ہمارے حکمران ہی تھے جو ماضی میں یہ غلطیاں کرتے رہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ان غلطیوں کو دہرانے سے بچا جائے اور ہر وہ کوشش کی جائے جس سے خفیہ سروس کے اداروں کو ان کا اصل کام کرنے کا موقع مل سکے۔

بریگیڈئر امتیاز اور مرحوم آصف نواز

اپریل 1993ء میں فوج کے سابق سربراہ جنرل آصف نواز کی بیوہ نے اسلام آباد میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے الزام عائد کیا کہ ان کے شوہر کو ایک سازش کے تحت ہلاک کیا گیا تھا۔ اور یہ کام انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر بریگیڈئر امتیاز اور وفاقی وزیر چوہدری نثار نے کیا۔ بیگم آصف نواز کی طرف سے بریگیڈئر امتیاز اور چوہدری نثار علی پر لگائے جانے والے الزامات نے ملکی اور غیر ملکی پریس کو حیران کر دیا۔ پوری قوم حیرت سے چہ مگوئیوں میں مصروف تھی کہ فوج کے سابق سربراہ کو اس طریقے سے قتل کیوں کرایا گیا۔ بریگیڈئر امتیاز پر اب تک لگائے جانے والے الزامات میں یہ سب سے بڑا الزام تھا۔ تاہم حسب معمول بریگیڈئر صاحب نے اس الزام کی نہ تردید کی اور نہ ہی تصدیق۔

جبکہ بیگم آصف نواز کی پریس کانفرنس نے جی ایچ کیو میں ہیجان پیدا کر رکھا تھا۔ فوج میں بریگیڈئر امتیاز اور چوہدری نثار علی کے خلاف سخت بے چینی پائی جاتی تھی۔ اس لئے چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل عبدالوحید کاکڑ نے صدر غلام اسحاق خاں اور سابق وزیر اعظم میاں نواز شریف سے ملاقات کی اور انہیں جنرل آصف نواز کی بیوی کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات کی تحقیقات کے لئے جوڈیشل کمیشن بنانے کا مشورہ دیا۔ حکومت کا پہلے خیال تھا کہ اس معاملے کی تحقیقات کے لئے یک رکنی کمیشن قائم کر دیا جائے۔ تاہم وزیر اعظم نے اپنے رفقاء کے مشورے سے جسٹس شفیع الرحمن کی سربراہی میں 3/ رکنی جوڈیشل کمیشن قائم کر دیا۔ جس نے بیگم آصف نواز کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات کی تحقیقات کی۔ اگرچہ یہ پہلا

موقع تھا کہ مرحوم آصف نواز کی بیوہ نے پریس کانفرنس طلب کر کے بریگیڈئر امتیاز اور چوہدری نثار علی پر سنگین الزامات عائد کئے اور انہیں اپنے شوہر کا قاتل قرار دیا۔ تاہم جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ جب جنرل آصف نواز کا جنازہ اٹھا تھا تو بیگم آصف نواز نے بین کرتے ہوئے کہا تھا کہ میرے شوہر کو قتل کیا گیا ہے۔ بیگم آصف نواز نے اپنے شوہر کے جنازے پر کھڑے ہو کر وہاں موجود فوجی حکام کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "تم لوگ دیکھتے ہی رہ گئے اور دشمنوں نے میرا سہاگ اجاڑ دیا۔"

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بریگیڈئر امتیاز کو کیا ضرورت تھی کہ وہ فوج کے ایک سربراہ کو مخصوص قسم کا زہر دے کر قتل کراتے۔ بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ جنرل آصف نواز شروع ہی سے بریگیڈئر امتیاز سے انتہائی شدید نفرت کرتے تھے جس کا وہ متعدد مواقع پر اظہار بھی کر چکے تھے۔ جبکہ دوسری طرف جب بے نظیر بھٹو نے حکومت کے خلاف لانگ مارچ شروع کیا تو سیاسی حلقوں میں اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا تھا کہ لانگ مارچ کے پیچھے فوج کے سربراہ جنرل آصف نواز کا ہاتھ ہے۔ اپوزیشن کو مرحوم آصف نواز سے بہت امیدیں تھیں۔ ممکن ہے اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو آج حالات مختلف ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آصف نواز ملک کو درپیش مسائل کو سیاسی انداز میں حل کرنا چاہتے تھے بھٹو خاندان اور فوج کے درمیان تعلقات میں جو کھچاؤ پیدا ہوا تھا' جنرل آصف نواز نے اسے ختم کر دیا۔ وہ انٹیلی جینس بیورو کے غیر ضروری سیاسی کردار کے بھی خلاف تھے اور ملٹری انٹیلی جینس کی ان دنوں بریگیڈئر امتیاز کی سرگرمیوں پر خصوصی نظر تھی۔ بعض ذرائع سے بریگیڈئر امتیاز تک بھی یہ بات پہنچ گئی تھی کہ ان کی زندگی کو خطرہ ہے۔ لیکن جنرل آصف نواز کی اچانک وفات کے فوراً بعد میجر رشید وڑائچ نے دعویٰ کیا کہ فوج کے سربراہ کو مخصوص زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔ لیکن میجر رشید وڑائچ کی بات پر اکثر لوگوں نے توجہ نہ دی جس پر انہوں نے مرحوم آصف نواز کے پوسٹر شہر میں لگوائے جن پر لکھا تھا "میں کسی کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں۔" موجودہ صورت حال میں بریگیڈئر امتیاز کی شخصیت انتہائی متنازعہ بن کر ابھری ہے۔ اپوزیشن کو خصوصی طور ان کے خلاف ایک اہم ہتھیار مل گیا ہے۔ کیونکہ ماضی میں کوئی ایسا موقع نہیں آیا جب کسی سیاسی لیڈر کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو اور اپوزیشن نے بریگیڈئر امتیاز کو اس کا ذمہ دار قرار نہ دیا ہو۔

آئی ایس آئی کا قیام

قیام پاکستان کے فوراً بعد حکومت کو جن دو بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہ مہاجرین کی آبادکاری اور سرحدوں کا دفاع تھا کیونکہ کشمیر کے ایک بڑے حصے کو انگریزوں نے متنازعہ قرار دے کر حل طلب ہی چھوڑ دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح اگرچہ سپاہی نہ تھے لیکن انہوں نے اپنی ذہانت کی وجہ سے محسوس کر لیا تھا کہ ایک ایسے خفیہ ادارے کا فوری طور پر قیام عمل میں آنا چاہیے جو دشمن کے عزائم سے باخبر رہے اور فوج کے اندر غیر محسوس طریقے سے پھیل کر اس بات کا جائزہ لے کہ کہیں کوئی دشمن ہماری صفوں میں گھس کر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش تو نہیں کر رہا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے انٹر سروسز انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں قائداعظم نے فوج کے ڈپٹی چیف آف سٹاف میجر جنرل بل کاتھورن سے ملاقات کی اور انہیں آئی ایس آئی کے نام سے ایک خفیہ ادارہ قائم کرنے کا مشن سونپا۔

ان دنوں اسکندر مرزا سیکریٹری دفاع کے عہدے پر فائز تھے چنانچہ بل کاتھورن اور اسکندر مرزا نے 1948ء میں فیصلہ کیا کہ آئی ایس آئی کے قیام کا مشن شاہد حامد کو تفویض کیا جائے۔ شاہد حامد مرحوم آئی ایس آئی کے بانی سربراہ تھے اور بعد ازاں وہ میجر جنرل کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ شاہد حامد کا کہنا ہے کہ میں 14 جولائی 1948ء کو کراچی پہنچا اور سیکریٹری دفاع اسکندر مرزا سے ملاقات کی۔ اسکندر مرزا کے ساتھ میری دوستی کافی پرانی تھی۔ مجھے ڈپٹی چیف آف سٹاف بل کاتھورن کی ماتحتی میں کام کرنے کا حکم دیا گیا۔ بل کاتھورن قبل ازیں شمالی افریقہ

اور عراق میں بطور سینئر انٹیلی جینس آفیسر کام کر چکا تھا اور انٹیلی جنس کے معاملے میں اس کا تجربہ کافی وسیع تھا۔ شاہد حامد نے بل کاتھورن کو بتایا کہ انہیں بطور انٹیلی جینس آفیسر کام کرنے کا کوئی تجربہ حاصل نہیں ہے۔ لیکن چونکہ آئی ایس آئی کے قیام کے لئے نظر انتخاب شاہد حامد پر پڑ چکی تھی اس لئے بل کاتھورن نے ان کو حوصلہ دیا اور اس بات کا یقین دلایا کہ آئی ایس آئی کا قیام ان کے بس میں ہے۔

آج آئی ایس آئی کی حیثیت ایک سمندر کی سی ہے اور یہ نظر نہ آنے والی حکومت کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔ قبل ازیں امریکی سی آئی اے Invisible Government کے نام سے مشہور تھی۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ 1977ء سے اب تک پاکستان میں جتنی بھی حکومتیں بنی اور ختم ہوئیں ان کے پیچھے آئی ایس آئی کا ہاتھ تھا۔ 1948ء میں جب آئی ایس آئی کا قیام عمل میں آیا تو اس کے پاس کوئی ملازم نہ تھا۔ دفتر کے لئے جگہ نہ تھی۔ آئی ایس آئی میں کام کرنے کے لئے تجربہ کار سٹاف موجود نہ تھا۔ لیکن اس بے سرو سامانی کے باوجود میجر جنرل شاہد حامد نے آئی ایس آئی کو پروان چڑھانے کا چیلنج قبول کیا اور بعد ازاں جنرل اختر عبدالرحمٰن نے اپنی حیرت انگیز صلاحیتوں کی وجہ سے اس ادارے کو ایک ناقابل تسخیر قلعہ بنا دیا۔ اختر عبدالرحمٰن 1979ء سے 1987ء تک آئی ایس آئی کے سربراہ رہے تاہم ضیاالحق نے انہیں عین اس وقت آئی ایس آئی سے الگ کر دیا جب افغانستان فتح چند قدم کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔

میجر جنرل شاہد حامد نے تینوں مسلح افواج کے ذہین ترین افسران و ملازمین کا انتخاب کر کے انہیں آئی ایس آئی میں بھرتی کیا تھا۔ آئی ایس آئی میں دفتری امور کی نگرانی کرنے کے لئے سویلین ملازمین کی بھی بھرتی کی گئی۔ صاحبزادہ یعقوب خاں جو بعد ازاں وزیر خارجہ بنے' انہی دنوں فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ تاہم جن دنوں وہ سنگاپور میں تعینات تھے' انہی دنوں برطانوی حکومت نے ان کو ناقابل اعتبار شخص قرار دے کر وہاں سے فارغ کر دیا کیونکہ صاحبزادہ یعقوب خاں نے برطانوی حکومت اور فوج کی پالیسی سے اختلاف رائے شروع کر دیا تھا۔ لیکن بل کاتھورن نے اس معاملے میں مداخلت کی اور صاحبزادہ یعقوب خان کو سنگاپور کی بجائے برما میں تعینات کر دیا۔ بل کاتھورن قیام پاکستان سے قبل ملٹری انٹیلی جینس کے سربراہ تھے۔ صاحبزادہ یعقوب خاں نے برما میں بڑی محنت سے کام کیا لیکن ایک موقع پر جاپانیوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور موت کی سزا سنادی۔ تاہم اس سے قبل کہ صاحبزادہ یعقوب خان کو گولی ماری جاتی' اتحادی افواج رنگون میں داخل ہو گئیں اور یوں صاحبزادہ یعقوب خاں کو موت کے

پنجے سے رہائی ملی۔ شاہد حامد نے قیام پاکستان کے بعد صاحبزادہ یعقوب خان کی ماتحتی میں کام کیا۔ شاہد حامد نے برطانیہ کا دورہ کر کے وہاں سے بے شمار ایسی کتب خریدیں جو سیکرٹ سروس کے حوالے سے لکھی گئی تھیں۔ ان میں سے کافی کتب آج بھی آئی ایس آئی کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے درمیان قیام پاکستان کے ابتدائی ایام میں نہایت خوشگوار تعلقات تھے۔ خفیہ سروس کے یہ دونوں ادارے ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کرتے تھے کراچی کے ایک چھوٹے سے گھر میں آئی ایس آئی کا ہیڈ کوارٹر قائم کیا گیا تھا' وہاں اسکندر مرزا اکثر چکر لگایا کرتے تھے کیونکہ وہ شاہد حامد کے دیرینہ دوست تھے۔ اس لحاظ سے آئی ایس آئی کو براہ راست سیکریٹری دفاع کا بھی تعاون حاصل رہا۔ شاہد حامد کے مطابق " آئی ایس آئی میں کام کرنے کے دوران میں نے نہایت لطف محسوس کیا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھ میں ایک عادت یہ بھی پیدا ہو گئی کہ میں نے ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔

آئی ایس آئی کا پہلا کارنامہ

قیام پاکستان کے چند برس بعد ہی بھارتی حکومت نے ایک خوفناک منصوبہ بنایا جس کا مقصد کشمیر پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرنا تھا۔ اگر یہ سازش کامیاب ہو جاتی تو بھارت کی سرحد اسلام آباد سے چند کلو میٹر تک آجاتی اور آج کہوٹہ کے مقام پر جو ہمارا ایٹمی مرکز واقع ہے' وہ بھارت کے براہ راست حملے کا شکار ہو جاتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے حکمران کو اپنا دارالخلافہ بنانے کا فیصلہ نہ کرپاتے اور قائداعظم جس کشمیر کو ہمارہ شہ رگ کہا کرتے تھے' وہ شہ رگ کٹ جاتی۔ ہوا یہ کہ قیام پاکستان سے قبل نہرو خاندان کو یہ غلط فہمی تھی کہ پاکستان جس بے سرو سامانی کے حالت میں قائم ہوا ہے' وہ تھوڑے عرصہ کے اندر ٹوٹ جائے گا اور جو قائداعظم آج الگ خطہ ء زمین کے حصول کے لئے کوشاں ہے' وہ ہاتھ جوڑ کر کہے گا کہ ہمیں اپنے ساتھ ملا لو۔ لیکن غیور مسلمانوں نے جب بھارت کا یہ خواب پورا نہ ہونے دیا تو بھارتی حکومت نے آزاد کشمیر کے باقی ماندہ حصے پر بھی قبضہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ان ایام میں میجر جنرل اکبر خان امور کشمیر کے انچارج تھے اور وہ کشمیر کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ میجر جنرل اکبر خان نے بعد ازاں لیاقت علی کو گرفتار کر کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی جسے راولپنڈی سازش کیس سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایوب خان کو جب راولپنڈی سازش کیس کا علم ہوا تو انہوں نے فوری طور پر ملٹری انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر مسٹر ظہیر کو طلب کیا۔ مسٹر ظہیر ایک انتہائی ذہین اور حساس آدمی تھے۔ جب ایوب خان نے حد سے زیادہ ان کی بے عزتی کی تو انہوں نے خودکشی کرلی۔ بہرحال آئی ایس آئی نے بھارت کی مذموم سازش کو ناکام بنا دیا۔ چونکہ شاہد حامد کے

اسکندر مرزا کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے، اس لئے جب انہیں بھارتی منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً انہیں اس کے بارے میں آگاہ کیا۔ اور حکومت پاکستان نے ہر ممکن حفاظتی اقدامات کرلئے۔ بھارتی منصوبہ یہ تھا کہ ان دنوں حریت پسند کشمیر کی آزادی کے لئے گوریلا کاروائیوں کا آغاز کردیا جائے کیونکہ بھارتی افواج نے کھلم کھلا کشمیر پر یلغار کردی تھی بھارت کا خیال تھا کہ اسے آسانی کے ساتھ کشمیر مل جائے گا۔ آئی ایس آئی کے سربراہ نے جب سیکریٹری دفاع کو اس منصوبے سے آگاہ کیا تو انہوں نے شاہد حامد کو مشورہ دیا کہ چونکہ یہ معاملہ انتہائی اہم ہے۔ اس لئے وہ بنفس نفیس لیاقت علی خان کو صورتحال سے آگاہ کریں۔ چنانچہ شاہد حامد نے لیاقت علی خان کو بھارتی سازش سے آگاہ کیا اور انہیں یہ بھی بتا دیا کہ بھارتی افواج کس وقت حملہ کریں گیں۔ یہ سن کر لیاقت علی خان نے شاہد حامد سے پوچھا کہ "کیا آپ کو اپنی معلومات کی صداقت پر مکمل یقین ہے" شاہد حامد کے اقرار پر لیاقت علی خان پریشان ہوگئے اور انہوں نے اسی دن ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئی بھارت کو گھونسہ دکھایا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھارتی سازش سے پوری طرح آگاہ ہیں اور اگر بھارتی افواج نے پاکستان پر حملہ کیا تو انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ اسی شام لیاقت علی خان نے آئی ایس آئی کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ کیا اور انہوں نے اس خفیہ ادارے کی کارکردگی کی تعریف کرنے کے بعد اسے مزید فعال بنانے کے لئے جدید خطوط پر استوار کرنے کا حکم دیا۔ یہ سارا کام اس قدر رازداری سے ہوا کہ بھارت کو اس کی خبر اس وقت ہوئی جب لیاقت علی خان نے جلسہ عام سے خطاب کرنے کے بعد اسی شام ریڈیو پر قوم سے خطاب کیا۔ لیاقت علی خان کی تقریر سن کر پوری قوم حیران رہ گئی۔ "نتیجتاً" بھارت نے پاکستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ تبدیل کرلیا۔ آئی ایس آئی کا اسی نوعیت کا ایک کارنامہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے 1986ء میں بھارتی منصوبے "براس ٹیک" کو افشا کیا جس کا مقصد جنگی مشقوں کے دوران پاکستان پر حملہ کرنا تھا۔ واضح رہے کی شاہد حامد جن دنوں آئی ایس آئی کے سربراہ تھے تو ان دنوں وہ بریگیڈیر کے عہدہ پر فائز تھے۔

آئی ایس آئی میں خواتین جاسوسوں کی شمولیت

آئی ایس آئی کے قیام کے چند برس بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ سیکرٹ سروس میں خواتین کو بھرتی کیا جائے۔ چنانچہ آئی ایس آئی کے حکام نے پبلک سروس کمیشن کے ذریعے خواتین کو آئی ایس آئی میں بھرتی کیا۔ یہ وہ دور تھا جب خواتین کی بڑی تعداد عمل سیاست میں سرگرم تھی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے تحریک پاکستان کے دوران خواتین کے ایک دستے کو تیار کیا تھا جس نے مردوں کے شانہ بشانہ تحریک میں حصہ لیا۔ تاہم محترمہ فاطمہ جناح اور رعنا لیاقت علی خان کے درمیان تعلقات کبھی خوشگوار نہ رہے۔ محترمہ فاطمہ جناح اور رعنا لیاقت علی خاں کے درمیاں اکثر جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔ قائداعظم کے انتقال کے بعد رعنا لیاقت علی خان نے محترمہ فاطمہ جناح کو مختلف طریقوں سے تنگ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ بریگیڈیر شاہد حامد نے ویمن نیشنل گارڈ کی داغ بیل ڈالی تو رعنا لیاقت علی خان ان کی تعریف کرتے نہیں تھکتی تھیں لیکن جب انہوں نے خواتین کو آئی ایس آئی میں بھرتی کرنے کا فیصلہ کیا تو رعنا لیاقت علی ناراض ہوگئیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آئی ایس آئی ان کی تنظیم ویمن نیشنل گارڈ کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں رعنا لیاقت علی خان نے سیکریٹری دفاع اسکندر مرزا کو ایک خط بھی لکھا جس میں انہوں نے آئی ایس آئی کے خلاف انکوائری کرانے کا مطالبہ کیا۔ بہرحال اسکندر مرزا نے رعنا لیاقت علی خان کی شکایت کو نظر انداز کر دیا اور یوں آئی ایس آئی میں خواتین کی بھرتی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

آج بھی خواتین کی ایک معقول تعداد آئی ایس آئی میں ملازم ہے جبکہ مختلف خواتین

تنظیموں سے وابستہ خواتین آئی ایس آئی کے لئے کام کرتی ہیں۔ تاہم سی آئی اے، موساد، خاد اور "را" جیسی جاسوس تنظیموں کی طرح آئی ایس آئی سے وابستہ خواتین کو اہم مشن کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ غیر ملکی جاسوس تنظیمیں خواتین کی بڑی تعداد کو تربیت دینے کی بعد متعلقہ ملک میں داخل کرتے ہیں۔ یہ جاسوس خواتین اعلی شخصیات کے ساتھ روابط قائم کرنے کے بعد ان سے راز اگلواتی ہیں۔ آئی ایس آئی ایسی متعدد خواتین کو گرفتار کر چکی ہے جو غیر ملکی جاسوس تنظیموں کے لئے کام کر رہی ہیں۔

میجر جنرل شاہد حامد کی آئی ایس آئی سے تبدیلی

پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ آئی ایس آئی کو اس کے قیام سے لے کر اب تک انتہائی قابل اور محنتی افراد کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ آئی ایس آئی کے بانی شاہد حامد کے بعد جنرل اختر عبدالرحمٰن نے اس ادارے کو انتہائی مضبوط بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اختر عبدالرحمٰن کو جب آئی ایس آئی سے الگ کر کے لیفٹیننٹ جنرل حمید گل کو اس کا سربراہ بنایا گیا تو انہوں نے بھی اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے انتہائی اہم خدمات انجام دیں۔ لیکن خفیہ سروس کے اداروں کے متعلق تحقیق کرنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آئی ایس آئی کے بہت کم سربراہ ایسے تھے جنہوں نے حکمران وقت کے غلط فیصلوں کے خلاف آواز بلند کی۔ ورنہ ہم نے دیکھا ہے کہ خفیہ ادارے حکمران وقت کو خوش کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جن دنوں شاہد حامد آئی ایس آئی کے سربراہ تھے ان دنوں میجر جنرل ایوب خان مشرقی پاکستان میں فوج کا کمانڈر تھا۔ ایوب خان کی ان دنوں بڑی خواہش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح فوج کا کمانڈر انچیف بن جائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے مختلف حربے استعمال کئے۔ ایوب خان خصوصی طور پر میجر جنرل افتخار خاں سے بہت نالاں تھا اور وہ اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا کیونکہ یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ افتخار خان مستقبل کے کمانڈر انچیف تھے اور ان کی دوسرے جرنیل بھی بہت عزت کرتے تھے۔ اسی طرح آغا رضا بھی کمانڈر انچیف بننے کے خواب دیکھ رہے تھے کیونکہ لیاقت علی خان ان کو پسند کرتے تھے۔ اسکندر مرزا نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے آئی ایس آئی کے سربراہ سے

رابطہ قائم کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ آغا رضا کے خلاف کوئی رپورٹ تیار کریں تاکہ ان کو کمانڈر انچیف بنانے کی تجویز کو ختم کرایا جاسکے۔ تاہم آئی ایس آئی کے سربراہ نے اس دفعہ اپنے دیرینہ دوست کی اس معصوم خواہش کو پورا نہ کیا۔

اسی دوران ایوب خان اور اسکندر مرزا نے ایک دوسرے کے ساتھ ساز باز کر کے شاہد حامد کو آئی ایس آئی سے نکلوانے کا فیصلہ کر لیا۔ میجر جنرل افتخار خان اس دوران طیارے کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ اور ایوب خان کے کمانڈر انچیف بننے کے امکانات روشن ہو گئے۔ یہ سوال ابھی تک حل طلب ہے کہ میجر جنرل افتخار کا طیارہ کس نے تباہ کروایا تھا؟ کیا وہ ایک حادثہ تھا یا ایوب خان اس میں ملوث تھے اس روز کے حالات پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ میجر جنرل کو ایک سازش کے تحت ہلاک کروایا گیا تاکہ وہ فوج کے سربراہ نہ بن سکیں۔ ایوب خان یا اسکندر مرزا کا اس سازش میں ہاتھ تھا یا نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ افتخار خان کی موت کے بعد ایوب خان کے کمانڈر انچیف بننے کے امکانات روشن ہو گئے کیونکہ میجر جنرل نذیر احمد قادیانی ہونے کی وجہ سے فوج کے سربراہ نہ بن سکتے تھے۔ آئی ایس آئی کے سربراہ بریگیڈیر شاہد حامد کو جون 1950ء میں سیکرٹ سروس سے فارغ کر کے پشاور بھیج دیا گیا جہاں انہوں نے فوج کے ایک یونٹ کو منظم کیا۔ میجر جنرل شاہد حامد کا مارچ 1993ء میں انتقال ہوا۔

آئی ایس آئی کے سیاسی کردار کی ابتداء

قائداعظم محمد علی جناح نے جب آئی ایس آئی بنوائی تو ان کے ذہن میں اس کا ایک ہی کردار تھا' یعنی افواج کو دشمن کے عزائم سے باخبر رکھنا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس خفیہ ادارے نے سیاست میں بھی ملوث ہونا شروع کردیا۔ اگرچہ آئی ایس آئی کے قیام کے وقت اس کو کوئی سیاسی کردار نہیں دیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود آئی ایس آئی نے خفیہ طریقے سے سیاسی جماعتوں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنا شروع کردیا۔ شاہد حامد نے آئی ایس آئی کو سیاست کے صرف اتنا قریب کیا جتنی ضرورت تھی۔ وہ حکومت کے سیاسی فیصلوں پر کبھی اثر انداز نہ ہوئے۔ تاہم قائداعظم کی وفات کے بعد جب اقتدار کے حصول کے لئے سیاستدانوں کے درمیان رسہ کشی شروع ہوئی تو آئی ایس آئی بھی متحرک ہوگئی کیونکہ سیاستدانوں کے باہمی نفاق کی وجہ سے ملکی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔

آئی ایس آئی کو 1950ء میں ہی پتہ چل گیا تھا کہ بعض سیاستدان لیاقت علی خان کی جان کے دشمن بن گئے ہیں۔ آئی ایس آئی اگرچہ اس حق میں تھی کی لیاقت علی خان روس کی دعوت کو قبول کرنے کے بعد روسی حکمرانوں سے روابط بڑھائیں اور ماسکو کا دورہ کریں۔ تاہم جب امریکہ نے لیاقت علی خان کو دورہ واشنگٹن کی دعوت دی اور لیاقت علی خان نے ماسکو کی بجائے واشنگٹن جانے کا فیصلہ کرلیا تو آئی ایس آئی نے خاموش احتجاج کے علاوہ کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ 1951ء کے ابتدائی مہینوں میں لیاقت علی خان کو قتل کرنے کی سازش تیار ہوئی اور آئی ایس آئی نے متعلقہ حکام کو آگاہ کردیا تھا کہ شرپسند عناصر لیاقت علی خان کو جانی

نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود پولیس حکام نے 16 اکتوبر 1951ء کو لیاقت علی خان کے جلسہ عام کے سلسلے میں مناسب احتیاطی تدابیر اختیار نہ کیں۔ جب لیاقت علی خان کو جلسے کے دوران سید اکبر نے گولی ماری تو ایک پولیس آفیسر نے آگے بڑھ کر اس کو قتل کر دیا تا کہ لیاقت علی خان کے قتل کا راز فاش نہ ہو سکے۔ 16 اکتوبر کو جب ایک مشکوک افغان سید اکبر جلسہ گاہ میں داخل ہوا تو کسی نے اس کا نوٹس نہ لیا۔ یہ شخص چہل قدمی کرتا ہوا سٹیج سے چند فٹ کے فاصلے پر پہنچ گیا اور جب لیاقت علی خان نے جلسہ عام سے خطاب کرنے کے لئے "برادران ملت" کے الفاظ ادا کئے تو اس نے ریوالور سے دو فائر کر کے انہیں قتل کر دیا۔

سیکیورٹی کے نکتہ ء نظر سے آئی ایس آئی کا متعلقہ حکام کو مشورہ تھا کہ وہ سٹیج کو حاضرین جلسہ سے 40 فٹ کے فاصلے پر قائم کریں لیکن جب لیاقت علی خان کو قتل کیا گیا تو بعض لوگ 15 فٹ کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سید اکبر نے لیاقت علی خان کو قتل کرنے سے قبل ریوالور چلانے کی مشقیں کی تھیں اور ایبٹ آباد پولیس کو اس کا علم تھا۔ ایبٹ آباد پولیس حکام نے جب لیاقت علی خان کے قتل کی سازش سے آئی ایس آئی کو آگاہ کیا تو قانون نافذ کرنے والے تمام اداروں کو چوکس کر دیا گیا۔ لیاقت علی خان کے قتل کی انکوائری کرنے والے کمیشن نے بھی ڈپٹی انسپکٹر جنرل نجف خان کو فرائض سے غفلت برتنے کا مرتکب قرار دیا تھا اس کے علاوہ آئی جی پولیس قربان علی خان پر بھی یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ انہوں نے جلسہ گاہ میں حفاظتی انتظامات کیوں نہ کئے۔ قربان علی خان کا موقف ہے کہ انہیں یہ اطلاع نہیں ملی تھی کہ لیاقت علی خان کو قتل کرنے کے لئے کوئی ہندو یا افغان مسلم لیگ کے کارکن کے بھیس میں جلسہ گاہ کے اندر داخل ہو سکتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ خفیہ ادارے پولیس کو یہ اطلاع کئی بار دے چکے تھے لیکن پولیس کے سربراہ کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ پنجاب پولیس کا اس وقت موقف یہ تھا کہ ایک جنونی شخص نے کسی منصوبہ بندی کے بغیر لیاقت علی خان پر فائر کر دیا۔ بظاہر یہ موقف بہت عجیب محسوس ہوتا ہے۔

آئی ایس آئی کے ذرائع کا کہنا ہے کہ لیاقت علی خان کے خلاف سیاستدانوں اور وڈیروں کا ایک گروپ متحد ہو چکا تھا اور قتل کی سازش میں ان سیاستدانوں اور وڈیروں کا بھی ہاتھ تھا۔ لیکن لیاقت علی خان کے قتل کی سازش کے حوالے سے تیار ہونے والی کوئی رپورٹ منظر عام پر نہ آسکی کیونکہ اس رپوارٹ کی اشاعت سے بڑے بڑے چہرے بے نقاب ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کا آج بھی یہ خیال ہے کہ لیاقت علی خان کے خلاف ہونے والی سازشوں کے

بانی ممتاز دولتانہ تھے۔ جبکہ ممتاز دولتانہ اس الزام کی تردید کر چکے ہیں کہ انہوں نے لیاقت علی خان کو قتل کروادیا تھا۔ لیاقت علی خان کے قتل کے حوالے سے اہم راز آج بھی آئی ایس آئی کی فائلوں میں محفوظ ہیں۔ آئی ایس آئی کے ذرائع کا کہنا ہے کہ لیاقت علی خان کے دور حکومت میں سیاستدانوں نے ایک دوسرے کے خلاف سازشوں کی انتہا کردی تھی اس لئے آئی ایس آئی کو اس وقت کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے سیاست میں ملوث ہونا پڑا تاکہ اس بات کا پتہ چلایا جاسکے کہ سیاستدانوں کے عزائم کیا ہیں۔ لیکن شاہد حامد کی آئی ایس آئی سے ٹرانسفر کے بعد اسکندر مرزا اور ایوب خان نے سیکرٹ سروس کو اپنے مخصوص مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا اور کئی برس کی مسلسل محنت کے نتیجے میں اسکندر مرزا صدر اور ایوب خان کمانڈر انچیف بننے میں کامیاب ہوگئے۔ سازشوں کے اس دور میں آئی ایس آئی سمیت تمام خفیہ اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے بے دریغ استعمال کیا گیا۔

جنرل غلام جیلانی خان اور آئی ایس آئی

سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی کتاب "اگر مجھے قتل کر دیا گیا" پڑھنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ انہوں نے جنرل ضیاالحق کو فوج کا سربراہ جنرل جیلانی کی سفارش پر بنایا تھا۔ دوم یہ کہ جب ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل ضیاالحق کے خلاف کاروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا تو جنرل جیلانی نے ضیاء کو یہ اطلاع پہنچا دی جس کے فوراً بعد ضیاء نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنرل غلام جیلانی خان نے ضیاالحق کو فوج کا سربراہ بنانے کی کبھی بھی سفارش نہیں کی تھی اور نہ ہی انہوں نے ضیاء کو مارشل لاء لگانے کا مشورہ دیا۔ اصل صورت حال کچھ یوں ہے کہ ضیاالحق تو جنرل غلام جیلانی خان سے بہت زیادہ جونیئر تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن دنوں غلام جیلانی خان جنرل کے عہدہ پر فائز تھے' ضیاالحق اس وقت بریگیڈیر تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاالحق کے درمیان تعلقات بہت پرانے تھے کیونکہ ضیا نے بھٹو کے ایک انتہائی قریبی رشتے دار کے ذریعے 1971ء میں ہی ان کے ساتھ تعلقات پیدا کر لئے تھے اور جب فوج کے سربراہ ٹکا خان کی ریٹائرمنٹ کا وقت قریب آیا تو ضیاء' بھٹو کو اپنی وفاداری کا یقین دلا چکے تھے۔ ضیاالحق اور بھٹو کے درمیان نواب صادق قریشی کی رہائش گاہ "وائٹ ہاؤس" واقع ملتان میں اکثر و بیشتر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ جس اجلاس میں ضیاالحق کو فوج کا سربراہ بنانے کا معاملہ پیش ہوا اس اجلاس میں دوسرے سینئر فوجی افسران کے

علاوہ آئی ایس آئی کے سربراہ غلام جیلانی خان بھی موجود تھے۔ سینیارٹی کے لحاظ سے جنرل شریف اول نمبر پر تھے جبکہ ضیاالحق کا نمبر آخری تھا۔ غلام جیلانی خان سینیارٹی کے لحاظ سے ساتویں نمبر پر تھے یعنی وہ پھر بھی ضیاالحق سے سینئر تھے۔ آئی ایس آئی کے سربراہ کو اس بات کا پہلے سے ہی علم تھا کہ بھٹو نے ضیاالحق کو فوج کا سربراہ بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس بارے میں ضیاالحق کو "وائٹ ہاؤس" میں منعقدہ ایک نجی محفل میں آگاہ کیا جا چکا تھا۔

اجلاس کے دوران مختلف جرنیلوں کے نام زیر بحث آئے۔ جنرل ٹکا خان نے جن دو جرنیلوں کے نام تجویز کئے انہیں بھٹو نے مسترد کر دیا اور آخر کار بھٹو کے لب پر ضیاالحق کا نام آہی گیا۔ لیکن انہوں نے اس بارے میں اجلاس میں موجود تمام سینئر حکام سے ان کی آراء طلب کیں۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ ضیاء ایک جونیئر اور مذہبی آدمی ہے اس کو فوج کا سربراہ نہ بنایا جائے۔ لیکن اس کے باوجود بھٹو نے اپنی مرضی کی اور انہوں نے ضیاالحق کو فوج کا سربراہ بنانے پر اصرار کیا۔ آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل غلام جیلانی خان سے جب انہوں نے ضیاالحق کو فوج کا سربراہ بنانے کے متعلق رائے طلب کی تو انہوں نے بے ساختہ کہا کہ میں اس ضیاء کو جانتا ہوں جسے لوگ 1949 میں ملا ضیاء کے نام سے یاد کرتے تھے۔ غلام جیلانی خان کے بارے میں یہ کہنا عجیب محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے ضیاء کو فوج کا سربراہ بنانے کی سفارش کی کیونکہ ضیاالحق تو ان کا جونیئر تھا۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ آئی ایس آئی نے ضیاالحق کی سیکیورٹی کلیرنس ضرور دی تھی۔ اگر اس کو یہ معنی پہنائے جائیں کہ غلام جیلانی خان نے ضیاء کو فوج کا سربراہ بنانے کی سفارش کی تھی یہ ایک الگ معاملہ ہے۔

جنرل غلام جیلانی خان کے قریبی ساتھیوں کی یہ متفقہ رائے ہے کہ وہ بطور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی عموماً فوجی افسران کی سیکیورٹی کلیرنس دے دیا کرتے تھے کیونکہ غلام جیلانی کا خیال تھا کہ فوج میں کام کرنے والا ہر شخص محب وطن ہے۔ اور جب تک کوئی شخص فوج میں موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ فوج کے متعلقہ شعبے کی انٹیلی جینس کی اس پر نظر ہے۔ اور خصوصی طور پر جنرل کے عہدے پر کوئی ایسے ہی نہیں پہنچ جاتا۔

بہرحال ضیاالحق کو جب فوج کا سربراہ بنا دیا گیا تو انہوں نے مختلف طریقوں سے بھٹو کا قرب حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ ان دنوں ذوالفقار علی بھٹو کی جنرل غلام جیلانی خاں سے بھی بہت دوستی تھی اور بھٹو گاہے بگاہے غلام جیلانی خاں سے گپ شپ لگایا کرتے تھے۔ غلام جیلانی خاں نے بطور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی ہمیشہ یہ کوشش کی کہ خفیہ سروس کے اس

انتہائی اہم ادارے کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال نہ ہو۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ بھٹو کے ان احکامات کو نظرانداز کیا جن کا مقصد سیاسی مخالفین کو سبق سکھانا تھا۔ اور انہوں نے وزیراعظم پر واضح کردیا کہ وہ اپنے چارٹر سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کریں گے۔

چونکہ بھٹو کو معلوم تھا کہ وہ غلام جیلانی خان سے کوئی غلط کام نہیں لے سکے گا اس لئے انہوں نے اس کا متبادل حل یہ نکالا کہ انہوں نے انٹیلی جینس بیورو میں ایک خصوصی شعبہ قائم کردیا جس میں انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق فوجی افسروں کو بھرتی کیا۔ اس طرح بھٹو نے آئی ایس آئی سے مایوس ہو کر فوج کے انٹیلی جینس افسران پر مشتمل ایک "منی سیکرٹ سروس" قائم کردی۔ ان فوجی افسروں کو انٹیلی جینس بیورو کے دفاتر میں جگہ فراہم کردی گئی اور یوں اس سیکرٹ سروس سے منسلک افراد نے فوج کے جرنیلوں کی جاسوسی شروع کردی۔ ضیاالحق کو جب اس بات کا علم ہوا کہ بھٹو نے فوجی افسران کو انٹیلی جینس بیورو میں بھرتی کرکے ایک نیا شعبہ قائم کرلیا ہے تو وہ بہت سیخ پا ہوا کیونکہ مذکورہ فوجی آفیسر اب ضیاالحق کی بھی جاسوسی کر رہے تھے۔ ضیاالحق کی مصروفیات پر نظر رکھی جارہی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھٹو کو کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ وہ فطری طور پر ایک شکی انسان تھے۔ غلام جیلانی خان اعتراف کرتے ہیں کہ بھٹو بلاشبہ ایک انتہائی ذہین آدمی تھا لیکن وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔ یہ بات اس لئے بھی وزنی محسوس ہوتی ہے کہ بھٹو نے اپنے دور حکومت میں ایف ایس ایف کے علاوہ چند ایک اور خفیہ ادارے بھی قائم کر رکھے تھے۔ ان میں سے ایک خفیہ ادارہ سعید احمد اور دوسرا مولانا کوثر نیازی کی قیادت میں کام کر رہا تھا۔ ایف ایس ایف کے مسعود محمود نے بھی اپنا ایک خفیہ ادارہ قائم کرلیا تھا۔ اس کے علاوہ سپیشل برانچ' آئی ایس آئی' انٹیلی جینس بیورو' ملٹری انٹیلی جینس' ایف آئی اے اور دیگر خفیہ ادارے بھی بھٹو کو معلومات فراہم کرتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود بھٹو نے ان اداروں کی سفارشات پر عمل نہ کیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد خفیہ سروس کے اداروں کو الزام دیا کہ انہوں نے انہیں باخبر نہ رکھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آئی ایس آئی نے اپریل اور مئی 1977ء میں ہی بھٹو کو تحریری طور پر آگاہ کردیا تھا کہ وہ اپوزیشن کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر معاملات کا سیاسی حل نکالیں۔ تاہم بھٹو کے نالائق مشیروں اور خوشامدی افراد کے ایک گروہ نے بھٹو کو مذاکرات سے دور رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مئی 1977ء میں غلام جیلانی خاں نے بطور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی بھٹو کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ازسرنو انتخابات کرانے کا اعلان کردیں

کیونکہ آئندہ چند ہفتوں کے اندر احتجاجی تحریک شدت اختیار کر سکتی ہے۔ لیکن بھٹو نے یہ فیصلہ کرنے میں تاخیر کر دی۔ آئی ایس آئی نے بھٹو کو آخری وقت تک یہ مشورہ دیا تھا کہ سیاسی مسائل کا سیاسی حل تلاش کیا جائے اور فوج کو ان معاملات سے دور رکھا جائے کیونکہ اگر ایک دفعہ فوج آگئی تو وہ واپس نہیں جائے گی۔ تاہم بھٹو نے غلام جیلانی خان کا یہ مشورہ بھی پسند نہ کیا اور انہوں نے ضیاالحق پر اعتماد کرتے ہوئے فوج کو طلب کر لیا اور چند ایک شہروں میں "منی مارشل لاء" بھی لگا دیا۔ بھٹو نے جن علاقوں میں فوج طلب کی تھی وہاں ہنگامے ختم ہونے کے باوجود فوج موجود رہی۔ 2 جولائی 1977 کو آئی ایس آئی کے سربراہ غلام جیلانی خان اور انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ راؤ عبدالرشید نے بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ حالات بہت نازک صورت حال اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اپوزیشن لیڈروں نے ایک دوسرے کو کہنا شروع کر دیا ہے کہ وہ بھٹو کے ساتھ اب سمجھوتہ نہ کریں کیونکہ چند دن بعد مارشل لاء لگ جائے گا اور ضیاالحق 90 دن کے اندر انتخابات کروانے کے بعد اقتدار ہمارے حوالے کر دے گا۔ اپوزیشن رہنماؤں کو یہ مشورہ دینے والوں میں شیرباز مزاری اور بیگم نسیم ولی خان شامل تھیں جبکہ اصغر خان نے بھی اس معاملے میں اپنا مخصوص کردار ادا کیا۔ اس وقت جب بھٹو اور اپوزیشن کے درمیان معاہدہ ہونے کے قریب تھا' اصغر خان نے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا اور بھٹو کے ساتھ اپوزیشن کے مذاکرات کی ناکامی کا اعلان کر دیا۔

آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو نے ان حالات کی روشنی میں بھٹو کو 2 جولائی 1977ء کو اصرار کے ساتھ یہ مشورہ دیا کہ جس قدر ممکن ہو سکے اپوزیشن کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا جائے کیونکہ ضیاالحق مارشل لاء لگانے کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے اور اس نے تمام کور کمانڈروں کو اعتماد میں لے لیا ہے۔ آئی ایس آئی نے یہی مشورہ 3 جولائی کو بھی دہرایا اور جنرل غلام جیلانی خان نے بھٹو کو 4 جولائی کو دوبارہ آگاہ کیا کہ ان کے پاس اب دن نہیں صرف گھنٹوں کے حساب سے وقت باقی رہ گیا ہے اس لئے جتنی جلدی ہو سکے اپوزیشن کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا جائے۔ چنانچہ بھٹو نے اپوزیشن کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور قومی اتحاد کی تمام شرائط کو تسلیم کر لیا گیا۔ آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے حکام کا بھٹو کو مشورہ تھا کہ 4 جولائی کو ہر صورت میں معاہدہ پر دستخط کر دیئے جائیں لیکن بھٹو جب اپوزیشن کے ساتھ مذاکرات کر کے فارغ ہوئے تو عبدالحفیظ پیرزادہ اور چند ایک دوسرے رہنماؤں نے انہیں مشورہ دیا کہ اگر کل یعنی 5 جولائی کو معاہدے پر دستخط ہو جائیں گے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دوسری طرف قومی اتحاد کے

بعض رہنماؤں نے ہر ممکن کوشش کی کہ 4 جولائی کو معاہدے پر دستخط نہ ہوں۔ ان میں اصغر خان' شیرباز مزاری اور بیگم نسیم ولی خان شامل تھیں۔

4 جولائی 1977ء کو جب بھٹو اور اپوزیشن کے درمیان تمام معاملات طے پا جانے کے باوجود معاہدے پر دستخط نہ ہوسکے تو غلام جیلانی خان نے آئی ایس آئی کے سینئر افسران کو پریشانی کی حالت میں کہا کہ "معاملہ اب بھٹو کے ہاتھ سے نکل گیا ہے" غلام جیلانی خان کو آئی ایس آئی کے اعلیٰ حکام نے 4 جولائی کو رات گئے بتا دیا تھا کہ فوج نے ہل چل شروع کردی ہے۔ چنانچہ غلام جیلانی خان نے فوری طور پر بھٹو کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اسی طرح راؤ عبدالرشید نے بھی 4 جولائی کی رات کو بھٹو کو بتایا کہ حالات خراب ہو چکے ہیں اور فوج نے مارشل لاء لگانے کی تیاریاں مکمل کرلی ہیں۔ باوجود اس کے کہ آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو نے مارشل لاء کے نفاذ سے چند گھنٹے قبل بھی بھٹو کو نازک صورت حال سے خبردار کردیا تھا' بھٹو نے کوئی اہم فیصلہ نہ کیا اس کے برعکس بھٹو نے فوج کے جرنیلوں اور کور کمانڈروں کو فون کرکے یہ معلوم کرنا شروع کردیا کہ کہیں فوج مارشل لاء تو نہیں لگا رہی۔ اس طرح کا فون بھٹو نے ضیاالحق کو بھی کیا جس پر ضیاالحق نے بھٹو کی خدمت میں بنفس نفیس حاضر ہوکر اپنی پوزیشن واضح کی اور سینے پر ہاتھ رکھ کر انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ چنانچہ بھٹو صاحب چین کی نیند سوگئے اور اس کے چند گھنٹے بعد ضیاالحق نے "اپریشن فیئر پلے" کا آغاز کردیا۔ سیاستدانوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی' فوج نے تمام اہم تنصیبات کو کنٹرول میں لے لیا اور بھٹو صاحب کو مارشل لاء کے نفاذ کی نوید سنا دی گئی۔

آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل غلام جیلانی خان نے بھٹو کو مشورہ دیا تھا کہ وہ جرنیلوں کو کابینہ کے اجلاسوں میں شرکت کی دعوت نہ دیں۔ آئی ایس آئی کے سربراہ نے سفارش کی تھی کہ اگر فوج کے نمائندے کو کابینہ کے اجلاس میں بلانا ضروری ہی ہے تو پھر ڈیفنس کونسل کے سربراہ جنرل شریف کو ہی دعوت نامہ جاری کیا جائے جو ایک سینئر جرنیل ہونے کے ساتھ ساتھ جمہوری حکومت پر یقین رکھنے والے انسان ہیں۔ لیکن بھٹو نے غلام جیلانی خان کا مشورہ تسلیم نہ کیا اور انہوں نے ضیاالحق اور دوسرے جرنیلوں کو کابینہ کے اجلاسوں میں بلوانا شروع کردیا۔ اس لئے جب ایک دفعہ بھٹو نے کابینہ کے ایک اجلاس کے دوران بعض جرنیلوں سے ملک میں جاری ہنگاموں پر قابو پانے کے سلسلے میں رائے طلب کی تو ضیاالحق سمیت دوسرے جرنیلوں کا مشورہ تھا کہ وہ ان معاملات کا سیاسی حل تلاش کریں ورنہ فوج کے پاس اس کا آخری حل

موجود ہے۔ بھٹو اور ان کی کابینہ فوج کے جرنیلوں کی زبان سے ملٹری Military option آپشن کا لفظ سن کر سناٹے میں آ گئی لیکن اس کے باوجود بھٹو غلطیوں پر غلطیاں کرتے چلے گئے۔ اور مارشل لاء کے نفاذ سے ایک دن قبل وہ جرنیلوں کو فون کر کے پوچھتے رہے کہ ان کا مارشل لاء لگانے کا تو کوئی ارادہ نہیں ہے؟ چنانچہ جرنیلوں کی طرف سے انہیں تو تسلی دے دی گئی لیکن یہی جرنیل پھر باری باری ضیا الحق کو فون کر کے بتاتے رہے کہ ابھی بھٹو کا فون آیا تھا اور وہ پوچھ رہا تھا کہ فوج مارشل لاء تو نہیں لگا رہی۔ جرنیل اس دوران قہقہے لگا کر بھٹو کی معصومیت کا مذاق اڑاتے رہے۔

اس واقعہ کے 13 برس بعد بھٹو کی صاحبزادی بے نظیر بھٹو نے بھی وہی رویہ اختیار کیا جو ان کے والد نے اختیار کیا تھا۔ یعنی بے نظیر بھٹو کو بھی خفیہ اداروں نے اسمبلیاں ٹوٹنے کی نوید سنادی تھی اور حد تو یہ ہے کہ سینئر صحافی عارف نظامی نے "نیشن" اور "نوائے وقت" میں 6 اگست 1990ء کو یہ خبر بھی لگا دی تھی کہ صدر اسمبلیاں توڑ کر فلاں فلاں شخص کو نگران گورنر اور وزیر اعلی مقرر کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود بے نظیر بھٹو صدر غلام اسحاق خان سے پوچھتی رہیں کہ کیا وہ اسمبلیاں تو نہیں توڑ رہے اور جواب میں "بابا" نے انہیں لازمی طور پر تسلی ہی دی ہوگی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اور پھر چند گھنٹے بعد بے نظیر بھٹو کو اسمبلیاں ٹوٹنے کی اطلاع مل گئی۔ اس لحاظ سے باپ بیٹی نے ایک جیسی ہی غلطی کی۔ بہرحال 4 اور 5 جولائی کی درمیانی شب کو جب ضیا الحق نے مارشل لاء لگایا تو آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل جیلانی نے اس کی مخالفت کی اور انہوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ضیا الحق اور دوسرے جرنیلوں کو کہا کہ میں مارشل لاء کے نفاذ کو غیر ضروری اقدام تصور کرتا ہوں کیونکہ بھٹو اور اپوزیشن کے درمیان تمام معاملات طے پا گئے تھے اور 5 نہیں تو 6 جولائی کو اس ضمن میں معاہدہ طے پا جاتا۔

غلام جیلانی خان کی اس سوچ کے باوجود ضیا الحق نے کسی قسم کے فوری رد عمل کا مظاہرہ نہ کیا۔ بلکہ انہوں نے انہیں کھڈے لائن لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ آئی ایس آئی کا کنٹرول عملی طور پر جنرل جیلانی سے واپس لے لیا گیا اور انہیں مارشل لاء کے نفاذ سے ایک ماہ بعد آئی ایس آئی سے فارغ کر کے ریاض خان کو اس ادارے کا سربراہ مقرر کر دیا جبکہ جنرل جیلانی کو سیکریٹری دفاع مقرر کر دیا گیا۔ ان حالات میں جبکہ ملک میں مارشل لاء نافذ تھا سیکریٹری دفاع کے عہدے کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ جب جنرل اقبال اور جنرل سوار خاں ریٹائر ہوئے تو ضیاء الحق نے جنرل جیلانی کو پنجاب کا گورنر بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم غلام جیلانی نے پنجاب کا گورنر بننے سے

انکار کر دیا چنانچہ ضیاء الحق نے ان سے ذاتی طور پر درخواست کی کہ وہ پنجاب کے گورنر بن جائیں۔ اس کے علاوہ ضیاء نے جنرل اقبال اور جنرل کے ایم عارف کے ذریعے جنرل جیلانی کو منانے کی کوششیں جاری رکھیں تاکہ وہ پنجاب کی گورنری کو قبول کر لیں۔ بہرحال غلام جیلانی خاں نے ضیاء کے اصرار پر گورنر شپ قبول کر لی۔ لیکن اس کے باوجود ضیاء الحق ان پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ضیاء الحق نے مارشل لا کے نفاذ سے لے کر جنرل جیلانی کے ریٹائر ہونے تک مسلسل ان کی جاسوسی کروائی۔ اس کی وجہ آئی ایس آئی کا وہ ریکارڈ تھا جو بھٹو دور حکومت میں تیار ہوا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جنرل جیلانی بھٹو کے دوست تھے اور انہوں نے آخری وقت تک کوشش کی کہ فوج کو سیاسی معاملات میں ملوث نہ کیا جائے۔

آئی ایس آئی اور جنرل اختر عبدالرحمٰن

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنرل اختر عبدالرحمٰن نے آئی ایس آئی کو اپنا خون دے کر پروان چڑھایا اور سیکرٹ سروس کے اس ادارے کو ایک پودے سے تناور درخت میں تبدیل کردیا۔ آئی ایس آئی کی افغانستان کے حوالے سے خدمات اپنی جگہ' لیکن کیا یہ کریڈٹ بھی جنرل اختر عبدالرحمٰن کو نہیں دینا چاہئے کہ ان کے دور میں آئی ایس آئی نے بھرپور سیاسی کردار ادا کیا۔ سیکرٹ سروس کے اس ادارے نے سیاسی اتحادوں میں پھوٹ ڈلوائی' سیاستدانوں کے ٹیلی فون ٹیپ کئے گئے' پیپلزپارٹی اور بھٹو خاندان کو عوام میں غیر مقبول بنانے کیلئے مختلف ہتھکنڈوں سے کام لیا گیا' سیاسی جماعتوں کو Crush کرنے کی کوشش کی گئی' سیاستدانوں کو سیاسی افق پر غیر مقبول بنایا اور عوام میں ذلیل کروایا گیا۔

یہ تمام کارنامے آئی ایس آئی کے سیاسی شعبے نے سرانجام دیئے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب جنرل اختر عبدالرحمٰن آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔ ان کے بعد آنے والے ڈائریکٹر جنرل لیفٹیننٹ جنرل حمید گل نے تو ایک سیاسی اتحاد قائم کروا دیا اور وہ اس بات پر آج بھی فخر کرتے ہیں۔

اختر عبدالرحمٰن اور حمید گل کے دور میں آئی ایس آئی کا سیاسی مقاصد کیلئے اس قدر زیادہ استعمال کیوں ہوا؟ اس سوال کا جواب جمہوریت سے محبت کرنے والوں کے نزدیک مختلف ہے اور سیکرٹ سروس کے مقام کا موقف الگ ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ضیاء الحق کے دور حکومت میں خفیہ سروس کے اداروں کا سیاسی مقاصد کیلئے غلط استعمال ہوا۔ اس کی ذمہ

داری جہاں ضیاء الحق پر عائد ہوتی ہے۔ وہیں پر وہ افسران بھی اس کے ذمہ دار ہیں جو یہ سب کچھ کرتے رہے۔ جنرل اختر عبدالرحمٰن کے بارے میں ان کے قریبی ساتھیوں کا کہنا ہے کہ وہ آئی ایس آئی کے بیجا سیاسی استعمال کے خلاف تھے۔ چونکہ وہ افغانستان جیسے ایک انتہائی اہم مشن پر کام کر رہے تھے اس لئے انہوں نے اس موقع پر ضیاء الحق کے ساتھ جھگڑا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اگر وہ ایک "معمولی" مسئلے پر ضیاء الحق سے اختلاف رائے شروع کر دیتے تو مسئلہ افغان درمیان میں ہی رہ جاتا۔ ویسے بھی جنرل اختر عبدالرحمٰن کے پاس ایسے شواہد موجود تھے جن سے بھٹو خاندان کی ملک سے دشمنی ثابت ہوتی تھی۔ آئی ایس آئی کا ریکارڈ اس بات کا آج بھی گواہ ہے کہ مرتضٰی بھٹو نے بھارت 'افغانستان' کے جی بی (روس) اور موساد کے ذریعے پاکستان کے اندر تخریب کاری کروائی اور تربیت یافتہ ایجنٹوں کو دشمن کے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔

جنرل اختر عبدالرحمٰن کے بارے میں عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہی ضیاء الحق کے چہیتے تھے اور دونوں کے درمیان ہمیشہ سے ہی انتہائی خوشگوار تعلقات موجود تھے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ضیاء الحق نے مارشل لاء کے نفاذ سے قبل اور بعد میں کئی دفعہ جنرل اختر عبدالرحمٰن کی ترقی کی راہ میں حائل ہوئے۔ جنرل اختر عبدالرحمٰن جن دنوں میجر تھے اس وقت ضیاء الحق کیپٹن تھے۔ لیکن ضیاء الحق نے تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں اور ان کی قسمت کا ستارہ اس وقت چمکا جب ذوالفقار علی بھٹو نے سب سے جونیئر جرنیل کو فوج کا سربراہ بنا دیا۔ یوں 5 سینئر جرنیلوں کو قبل از وقت فوج سے ریٹائرمنٹ لینے پڑی۔ ضیاء الحق نے جنرل اختر عبدالرحمٰن کو نظر انداز کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن اس کے باوجود نہ جانے اختر عبدالرحمٰن میں کیا خوبی تھی کہ وہ ضیاء الحق کے ساتھ وفا ہی وفا کرتے چلے گئے۔ 1977ء میں جب ضیاء الحق نے بھٹو حکومت کا خاتمہ کیا تو جنرل اختر عبدالرحمٰن اس فیصلے سے خوش نہ تھے اس کے باوجود انہوں نے اپنے باس کے فیصلوں کا احترام کیا۔ جنرل فیض علی چشتی نے 5/ جولائی 1977ء کو "اپریشن فیئر پلے" کی نگرانی کی تھی۔ مارشل لاء لگانے سے قبل ضیاء الحق نے ملٹری انٹیلی جنس اور آئی ایس آئی کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ وہی فیض چشتی جس نے کچھ عرصہ قبل ضیاء الحق کے ساتھ مل کر مارشل لاء لگایا تھا' ایک دن جنرل اختر عبدالرحمٰن کے پاس آدھمکا اور انہیں ضیاء الحق کے خلاف اکسانے کی کوشش کی۔ جنرل فیض علی چشتی نے بھی وہی کرنا چاہا تھا جو ضیاء الحق نے بھٹو کے ساتھ کیا تھا۔ چونکہ بھٹو نے ضیاء الحق کو اپنے قریب کر لیا

تھا جس کی وجہ سے وہ یہ جان گئے کہ بھٹو کا امور مملکت پر کنٹرول ختم ہوتا جارہا ہے اور وہ فوج کی بیساکھی کے سہارے حکومت کرنا چاہتے ہیں اس لئے ضیا الحق نے بھٹو کے لئے بیساکھی بننے کی بجائے اقتدار کو اپنے قبضے میں لینے کا فیصلہ کرلیا۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جنرل فیض علی چشتی نے جب یہ دیکھا کہ ضیاء الحق آنے والے حالات سے خوفزدہ ہے تو اس نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ضیاء الحق کے خلاف کاروائی کا فیصلہ کرلیا اور ایک سازش تیار کی جس کے تحت انہوں نے ضیاء الحق کو گرفتار کرکے اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا تھا۔ تاہم انہوں نے ایک "غلط شخص" جنرل اختر عبدالرحمٰن سے رابطہ قائم کرنے کی غلطی کرڈالی اور انہیں اپنے عزائم سے آگاہ کردیا۔ حیرت کی بات ہے کہ جنرل فیض علی چشتی فوج کے سربراہ کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے اور سیکرٹ سروس کو اس کا علم نہ ہوسکا۔ اگر جنرل اختر عبدالرحمٰن، فیض علی چشتی سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوجاتے تو حالات دوسرا رخ اختیار کرسکتے تھے۔ مگر اختر عبدالرحمٰن نے سازش کے متعلق ضیاء الحق کو آگاہ کردیا۔ ضیاء الحق کے پاؤں کے نیچے سے ایک دفعہ ضرور زمین نکلی ہوگی کیونکہ وہ فیض علی چشتی کو اپنا وفادار اور رازدار جرنیل سمجھتے تھے۔ تاہم ضیاء الحق کی چالاکی دیکھئے کہ انہوں نے فیض علی چشتی سے اس کا ذکر تک نہ کیا۔ لیکن جنرل اختر عبدالرحمٰن کو انہوں نے جون 1979ء میں آئی ایس آئی کا سربراہ مقرر کردیا کیونکہ یہ عہدہ جنرل ریاض کی وفات کے باعث خالی ہوگیا تھا جو اچانک دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کرگئے۔ اختر عبدالرحمٰن کو اس سے قبل متعدد مواقع پر ترقی نہیں دی گئی تھی تاہم اس دفعہ ضیاء الحق میجر جنرل سے لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر فائز کردیا۔

جنرل اختر عبدالرحمٰن کی سیاسی سوچ ضیاء الحق سے مختلف تھی اور وہ سیاسی جماعتوں کے وجود پر یقین رکھتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس ضیاء الحق سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں سے متنفق تھے اور ان کا خیال تھا کہ ہمارے ہاں جمہوریت نہیں چل سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ضیاء الحق نے آئی ایس آئی کو سیاسی جماعتوں کو کچلنے کیلئے استعمال کیا۔ انہوں نے یہ کام صرف آئی ایس آئی سے ہی نہ لیا بلکہ اس "عظیم مقصد" کے حصول کیلئے انہوں نے ملٹری انٹیلی جینس بیورو اور سپیشل برانچ تک کو استعمال کیا۔ ضیاء الحق کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں سیاستدانوں کو زچ کئے رکھا اور ایک موقع پر تو وہ یہ تک کہہ گئے کہ میں جب چاہوں گا سیاستدان دم ہلاتے ہوئے چلے آئیں گے۔ ضیاء الحق کو اس قدر اعتماد ایسے ہی نہ تھا۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ سیاستدانوں کے اصل چہروں سے واقف تھے۔ سوائے چند ایک

سیاستدانوں کے وہ تمام سیاستدانوں کو خود غرض' منافق اور ملک دشمن سمجھتے تھے۔ چونکہ ضیاء الحق نے بھٹو کا تختہ الٹا تھا اور انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا' بلکہ بعد ازاں ذوالفقار علی بھٹو کو تختہ دار پر بھی چڑھا دیا تھا۔ اس لئے ضیاء الحق زندگی کے آخری سانس تک بھٹو خاندان سے خوفزدہ رہا۔

بھٹو خاندان کے ذرائع کا موقف ہے کہ سابق وزیراعظم مسٹر بھٹو نے آئی ایس آئی میں پولیٹیکل سیل سانحہ مشرقی پاکستان سے سبق حاصل کرتے ہوئے قائم کیا تھا کیونکہ اس وقت جبکہ مشرقی پاکستان کی سیاسی جماعتیں ملک توڑنے کی سازش کر رہی تھیں' آئی ایس آئی اس سے کافی حد تک لاعلم رہی۔ اور آئی ایس آئی کو اگر کچھ معلومات حاصل ہوئیں بھی تو وہ تاخیر سے ہوئیں۔ اس لئے بھٹو نے فیصلہ کیا کہ آئی ایس آئی کے ذہین افسران کو سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں پر نظر رکھنے کیلئے استعمال کیا جائے تاکہ کوئی دشمن ملک ہماری سیاسی جماعتوں کو اپنے فائدے کیلئے استعمال نہ کر سکے۔ تاہم یہ منطق سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ بھٹو نے 1974ء میں آئی ایس آئی کے اندر پولیٹیکل سیل قائم کروانے کے بعد اسے اپنے اقتدار کو بچانے کیلئے زیادہ اور ملک کو بچانے کے لئے کم استعمال کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل میں ذہین افسران کو شامل کروا کر ان سے سیاسی کام لینا شروع کر دیئے۔ انہوں نے آئی ایس آئی کو سیاستدانوں کی جاسوسی پر لگا دیا گیا۔ لیکن اس کی انتہا ضیاء الحق نے کی جنہوں نے آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل کو انتہائی فعال کیا اور اس سیل کی تنظیم نو کی۔

ضیاء الحق کے دور حکومت میں آئی ایس آئی کے سیاسی شعبے نے ملک میں موجود تمام سیاستدانوں اور سیاسی جماعتوں کے متعلق مواد اکٹھا کیا۔ تمام سیاستدانوں کے اوپر فائلیں بنوائی گئیں۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کو سیاسی وابستگی تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا۔ بری شہرت رکھنے والے سیاستدانوں کی فائلیں خصوصی طور پر تیار کروائی گئیں۔ وہ سیاستدانوں جنہوں نے بھٹو کی مخالفت کی تھی ان کی فائلیں الگ بنائی گیں اور یوں ضیاء الحق کو ہر سیاستدان کے ماضی اور حال کا علم رہتا تھا۔ ضیاء الحق کے پاس بعض سیاستدانوں کے جرائم کے حوالے سے ٹھوس ثبوت موجود تھے۔ وہ جس سیاستدان کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے وہ ان کے لئے کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتا۔ البتہ چند ایک سیاست دان ضیاء الحق کے قابو میں نہ آئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا ریکارڈ صاف تھا اور ضیاء الحق ان کو بلیک میل نہ کر سکا۔

افغانستان کی جنگ کے دوران آئی ایس آئی کی تنظیم نو ہوئی تو اس کے پولیٹیکل سیل کو

بھی جدید خطوط پر استوار کیا گیا۔ 1984ء میں جب چند جرنیل ریٹائر ہوئے تو جرنل اختر عبدالرحمٰن کو گمان گزرا کہ ضیاء الحق انہیں ترقی دے گا۔ تاہم ضیاء الحق نے ایسا نہ کیا۔ حالانکہ وہ جنرل جیلانی کے بعد سب سے زیادہ سینئر آدمی تھے۔

اختر عبدالرحمٰن کو جب 1984ء میں ترقی نہ دی گئی تو وہ کافی دلبرداشتہ ہوئے۔ تاہم وہ افغان جنگ میں اس قدر محو تھے کہ انہوں نے یہ بات دل کو نہ لگائی اور یوں جنرل اقبال اور جنرل سوار خاں کی ریٹائرمنٹ کے بعد جنرل رحیم الدین کو جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کا چیئرمین اور جنرل کے ایم عارف کو وائس چیف آف آرمی سٹاف مقرر کردیا گیا۔ اختر عبدالرحمٰن اگرچہ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل تھے لیکن ضیاء الحق کے ارادوں کا ان کو بھی علم نہ ہو سکا اور جنرل رحیم الدین اور جنرل کے ایم عارف کی ترقی کی خبر انہوں نے دوسرے لوگوں کی طرح ٹی وی کے ذریعے سنی۔ جنرل اختر عبدالرحمٰن نے افغان جنگ کے دوران 1979ء سے 1984ء تک جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے ان کا تقاضا تھا کہ انہیں ترقی دے دی جاتی۔ لیکن نہ جانے ضیاء الحق انہیں ترقی دینے سے کیوں گھبراتا رہا۔ اختر عبدالرحمٰن نے آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے اپنا کام جاری رکھا اور آئی ایس آئی کو مضبوط کرتے رہے۔ اور آخرکار 1987ء میں انہوں نے آئی ایس آئی کو سی آئی اے کے ہم پلہ کردیا۔ سی آئی اے کے سربراہ ولیم کیسی نے افغان جنگ کے دوران آئی ایس آئی کے سربراہ اختر عبدالرحمٰن سے کئی مرتبہ خفیہ ملاقاتیں کیں اور وہ ضیاء الحق کے مہمان بن کر پاکستان میں گھوما کرتے تھے۔ سوائے چند ایک لوگوں کے کسی کو یہ علم نہ تھا کہ اسلام آباد اور لاہور کی سڑکوں پر سیر کرنے والا یہ غیر ملکی امریکی سی آئی اے جیسی طاقتور خفیہ تنظیم کا سربراہ ہے۔

امریکی سی آئی اے چونکہ جہاد افغانستان میں پوری طرح ملوث تھی اس لئے افغان مجاہدین جو کارنامے انجام دے رہے تھے' سی آئی اے اس سے خوش ہونے کے ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی تھی کیونکہ یہ کارنامے دراصل خفیہ ہاتھ انجام دے رہے تھے اور جنرل اختر عبدالرحمٰن اور جنرل حمید گل جیسے ذہین جرنیل اس ادارے سے وابستہ تھے۔ چنانچہ امریکہ کی طرف سے ضیاء الحق پر دباؤ بڑھنا شروع ہوگیا کہ وہ جنرل اختر عبدالرحمٰن کو آئی ایس آئی سے فارغ کردے۔ 1987ء میں جب افغان فتح چند قدم کے فاصلے پر تھی' ضیاء الحق نے جنرل اختر عبدالرحمٰن کو آئی ایس آئی سے فارغ کرکے انہیں جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کا چیئرمین مقرر کردیا۔ یہ اقدام جنرل رحیم الدین اور جنرل کے ایم عارف کی ریٹائرمنٹ کے بعد کیا گیا۔ ضیاء

الحق نے اختر عبدالرحمٰن کو امریکہ کے دباؤ پر آئی ایس آئی سے فارغ کیا تھا یا نہیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے اس فیصلے سے آئی ایس آئی بری طرح متاثر ہوئی۔

یہ وہ دور ہے جب محمد خاں جونیجو وزیراعظم کے عہدہ پر فائزہ ہو چکے تھے اور وہ کافی حد تک پر پرزے نکال چکے تھے۔ محمد خاں جونیجو کو اگرچہ ضیاء الحق نے کمال مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وزیراعظم نامزد کیا تھا لیکن انہوں نے خود کو ایک بااختیار اور عوام کا من پسند وزیراعظم سمجھنا شروع کردیا۔ چنانچہ جب جونیجو نے آئی ایس آئی کے امور میں مداخلت شروع کی تو ان کے جنرل اختر عبدالرحمٰن کے ساتھ اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ جنرل ضیاء الحق یہ سارا ڈرامہ خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ یہ وہی ضیاء الحق تھا جو سیاسی جماعتوں اور سیاسی سرگرمیوں کے خلاف تھا۔ لیکن محمد خاں جونیجو ایک "سیاسی بخار" بن کر انہیں چمٹ چکا تھا۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے بعد ضیاء الحق نے آئی ایس آئی کے ذریعے کوشش کروائی تھی کہ منتخب اسمبلی غیر جماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخابات کی وجہ سے خود کو سیاسی چالوں سے الگ رکھے۔ ضیاء الحق کا ارادہ تھا کہ وہ اگلے انتخابات جماعتی بنیادوں پر کروا دیں گے لیکن پیر پگاڑو نے محمد خاں جونیجو کے ذریعے مسلم لیگ قائم کروا دی اور کمال مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں مسلم لیگ کا صدر بنوا دیا۔ ضیاء الحق مسلم لیگ کے قیام کے بعد بہت سیخ پا ہوئے کیونکہ غیر جماعتی بنیادوں پر منتخب ہونے والا ایوان جماعتی ایوان بن چکا تھا اور ارکان کی غالب اکثریت نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی۔ بہرحال ضیاء الحق نے اس معاملے کو بھی برداشت کرلیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل کو بھی متحرک کردیا کیونکہ مسلم لیگ کے اجلاسوں میں ضیاء الحق پر تنقید کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور جونیجو نے مطالبہ شروع کردیا تھا کہ ضیاء الحق وردی اتار کر صدر کے فرائض انجام دیں۔ اس دوران محمد خاں جونیجو نے متعدد مرتبہ یہ کوشش کی کہ جنرل اختر عبدالرحمٰن کی جگہ وہ اپنی پسند کا جرنیل لگا دیں۔ لیکن ضیاء الحق اس کی مخالفت کرتا رہا۔ اور آخر کار محمد خاں جونیجو 1987ء میں انتہائی اصرار کے باعث، جنرل اختر عبدالرحمٰن کو آئی ایس آئی سے فارغ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قبل ازیں محمد خاں جونیجو نے آئی ایس آئی کے سیاسی شعبے کو براہ راست احکامات دینا شروع کردیئے تھے اور وہ آئی ایس آئی کو براہ راست کنٹرول کرنا چاہتے تھے۔ اس دوران محمد خاں جونیجو نے ملتان کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل حمید گل سے ملاقات کی اور انہیں یہ نوید سنائی کہ وہ انہیں آئی ایس آئی کا سربراہ بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جونیجو نے حمید گل کو آئی ایس آئی کا

سربراہ بنوالیا۔ جنرل اختر عبدالرحمٰن نے آئی ایس آئی کو اس قدر مضبوط کردیا تھا کہ سیکریٹ سروس کے اس ادارے کے جاسوس بھارتی وزیراعظم کی ہر حرکت سے آگاہ رہتے تھے اور پاکستان کے خلاف ہونے والی ہر بھارتی سازش کے متعلق آئی ایس آئی کو دستاویزی ثبوت مل جاتے تھے۔ بھارت کی وزارت دفاع اور مسلح افواج کے ہیڈ کواٹروں میں پاکستان کے خلاف جتنے منصوبے بنے' ان سے آئی ایس آئی باخبر رہی۔ دسمبر 1986ء میں جب بھارت نے "براس ٹیک" نامی سازش کے ذریعے جب پاکستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو آئی ایس آئی کے جاسوس اس سازش سے متعلقہ دستاویزات لے اڑے اور یوں ملکی سلامتی کو درپیش ایک نظر نہ آنے والا خطرہ ٹل گیا۔ اس دوران جنرل اختر عبدالرحمٰن کو قتل کرنے کی سازشیں تیار ہوئیں۔ اختر عبدالرحمٰن کی پرکشش شخصیت سے امام خمینی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ جنرل اختر عبدالرحمٰن نے امام خمینی سے افغان جنگ کے دوران ایک انتہائی اہم اور خفیہ ملاقات کی تھی۔

آئی ایس آئی چونکہ سی آئی اے کی ہم پلہ اور "را" سے بہتر ہو چکی تھی اس لئے راجیو گاندھی نے بے نظیر بھٹو کو مشورہ دیا تھا کہ آئی ایس آئی کو ختم کرو ورنہ اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا۔" راجیو گاندھی کو حقیقت میں بے نظیر کی نہیں بلکہ اپنی فکر تھی کیونکہ آئی ایس آئی نے بھارت میں اپنے جاسوس اس طرح پھیلا رکھے تھے کہ حکومت کو بھارتی عزائم کے متعلق پل پل کی خبر ملتی رہتی تھی۔ آئی ایس آئی پر بھارتی حکومت کا سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ اس نے سکھوں کو گوریلا ٹریننگ دے کر مشرقی پنجاب بھیجا تھا۔ بھارتی ذرائع ابلاغ آج بھی انتہائی شدومد سے پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں کہ پاکستان اپنے خفیہ اداروں کے ذریعے بھارت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش کر رہا ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ بھارت "را" کو اپنے ایجنٹ نظر نہیں آتے جو جیئے سندھ اور ایم کیو ایم کے ذریعے ملک میں بدامنی پھیلانے اور سندھ کو پاکستان سے الگ کرنے کی سازشوں میں مصروف رہے ہیں۔

آئی ایس آئی کے بے شمار کارنامے ایسے ہیں جن پر کوئی بھی سیکرٹ سروس فخر کر سکتی تھی لیکن ان کے متعلق یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ آئی ایس آئی نے ضیاء الحق کو قتل کرنے کی متعدد سازشوں کو ناکام بنایا۔ ان میں سے ایک سازش غلام مصطفیٰ کھر نے لندن میں بیٹھ کر تیار کی تھی جس کا مقصد فوج میں بغاوت کے ذریعے ضیاء الحق کو اقتدار سے محروم کرنا تھا لیکن آئی ایس آئی کو بروقت اس سازش کا پتہ چل گیا۔ آئی ایس آئی نے 1981ء میں ہتھوڑا گروپ کے ذریعے پاکستان میں دہشت پھیلانے والے ایک افریقی ملک کے جاسوسوں کو بھی

گرفتار کرلیا تھا بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس کا انکشاف نہ کیا گیا۔ جنرل اختر عبدالرحمٰن کو سانحہ اوجڑی کیمپ کی وجہ سے ہونے والے نقصان کا بہت دکھ تھا کیونکہ یہ سانحہ اس وقت پیش آیا جب وہ آئی ایس آئی کے سربراہ نہ تھے۔ جب تک وہ آئی ایس آئی کے سربراہ رہے اوجڑی کیمپ کی انتہائی محتاط طریقے سے حفاظت کی گئی کیونکہ یہاں سے افغان مجاہدین کو اسلحہ سپلائی کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود محمد خاں جونیجو نے جنرل اختر عبدالرحمٰن' جنرل ضیاء الحق اور دوسرے جرنیلوں کو سانحہ اوجڑی کیمپ کا ذمہ دار قرار دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ ضیاء الحق پر بھی مقدمہ قائم کردیتے۔ لیکن جنرل ضیاء الحق نے محمد خاں جونیجو کی حکومت ختم کردی انہوں نے فوج کی ہائی کمان سے بھی اس ضمن میں مشورہ کیا تھا۔ تاہم اس معاملے میں انہوں نے ہر ممکن احتیاط برتی اور جونیجو حکومت کی برطرفی کے حوالے سے فیصلہ ٹائپ کروانے کی بجائے اپنے ہاتھ سے لکھا اور ایک ہنگامی پریس کانفرنس کرکے اسمبلیاں توڑنے کا اعلان کردیا۔ ضیاء الحق نے محمد خاں جونیجو کی حکومت جب برطرف کی تو اس وقت جونیجو وزیراعظم ہاؤس کے لان میں بیٹھے سہانے خواب دیکھ رہے تھے۔ یہ خبر جب ان تک پہنچی تو انہیں اول تو یقین ہی نہ آیا اور وہ کئی دفعہ یہ پوچھتے رہے کہ ضیاء الحق نے ایسا کیوں کیا؟ حالانکہ اس کا جواب جونیجو سے بڑھ کر کسی اور کے پاس نہ تھا۔

بہرحال 29 مئی 1988ء کو جونیجو حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ضیاء الحق کی خواہش تھی کہ وہ ایک نگران وزیراعظم کا تقرر کریں۔ اس ضمن میں ضیاء الحق کی نظر انتخاب غلام مصطفیٰ جتوئی پر پڑی۔ انہوں نے یہ بھی فیصلہ کرلیا تھا کہ آئندہ ہونے والے الیکشن کے بعد غلام مصطفیٰ جتوئی کو وزیراعظم کے عہدے پر پکا کردیا جائے گا۔ تاہم ضیاء الحق کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ 17 اگست 1988ء کو سی - 130 طیارے کے حادثے میں ہلاک ہوگئے۔ جنرل اختر عبدالرحمٰن اور دوسرے متعدد اعلیٰ فوجی حکام بھی ان کے ساتھ اس حادثے کا شکار ہوئے یوں آئی ایس آئی کو ایک عظیم سیکرٹ سروس میں تبدیل کرنے والا مجاہد اپنے دل میں بے شمار راز اور آرزوئیں لئے دنیا سے رخصت ہوگیا۔

ضیاء الحق کی وفات کے بعد مرزا اسلم بیگ فوج کے سربراہ بن گئے۔ اگر جنرل اختر عبدالرحمٰن زندہ ہوتے تو لازمی طور پر یہ عہدہ وہ سنبھالتے۔ مرزا اسلم بیگ نے جب 17 اگست 1988ء کے سانحہ کے بعد کور کمانڈروں کا ایک اجلاس بلایا تو جنرل فضل حق نے مرزا اسلم بیگ کے فوج کا سربراہ بننے کی مخالفت کی تھی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ راولپنڈی کے کور کمانڈر جنرل

عمران اللہ کو فوج کا سربراہ اور مرزا اسلم بیگ کو جائنٹ چیفس آف شاف کمیٹی کا چیئرمین مقرر کردیا جائے۔ تاہم غلام اسحاق خاں نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور انہوں نے اسے آٹھویں ترمیم کے تحت اپنے پاس موجود اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے مرزا اسلم بیگ کو فوج کا سربراہ مقرر کردیا۔

لیفٹیننٹ جنرل حمید گل اور آئی ایس آئی

لیفٹیننٹ جنرل حمید گل جاسوسی ناولوں کے ہیرو سے زیادہ ذہین انٹیلی جینس آفیسر سمجھے جاتے تھے۔ وہ 1987ء سے 1989ء تک آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل رہے اور بعد ازاں اپنے ہی دوستوں کی سازشوں کا شکار ہو کر 23 جنوری 1992ء کو فوج سے الگ ہو گئے۔ انہوں نے فوج میں 35 سال' 8 ماہ اور 10 دن تک کام کیا اس دوران وہ 27 ماہ تک آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

لیفٹیننٹ جنرل حمید گل ایک ایسے شخص کا نام ہے جس کے اندر ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ انہوں نے آئی ایس آئی کا چارج اس وقت سنبھالا جب محمد خاں جونیجو کی ان کے پیش رو جنرل اختر عبدالرحمٰن کے ساتھ ان بن ہو چکی تھی کیونکہ جونیجو کو شک تھا کہ اختر عبدالرحمٰن ان کی حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ جنرل حمید گل حقیقت میں ضیاء الحق کی نہیں بلکہ محمد خاں جونیجو کی "چوائس" تھے۔ محمد خاں جونیجو نے قبل ازیں حمید گل کو اعتماد میں لے کر انہیں بتایا تھا کہ وہ انہیں آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر جنرل بنا رہے ہیں۔ بہرحال حمید گل کو آئی ایس آئی کا سربراہ ان حالات میں بنایا گیا جب مسئلہ افغانستان اپنے حل کے قریب تھا اور روس نے اپنی یقینی شکست سے بچنے کیلئے پاکستان میں تخریبی کارروائیوں کی انتہا کر دی تھی۔ دوسری طرف بھارت نے "را" کی مدد سے سندھ میں گڑبڑ شروع کروا رکھی تھی اور سی آئی اے اس کوشش میں مصروف تھی کہ کسی نہ کسی طرح آئی ایس آئی کی بڑھتی ہوئی

قوت کو ختم کردیا جائے کیونکہ افغان جہاد کے دوران سی آئی اے کے حکام آئی ایس آئی کی حیرت انگیز کارکردگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ ان حالات میں جبکہ ملک کو اندرونی اور بیرونی طرف سے خطرات کا سامنا تھا' حمید گل کو آئی ایس آئی کا سربراہ بنانا ایک انتہائی اہم فیصلہ تھا۔

محمد خاں جونیجو نے ضیاء الحق کی نگرانی کروائی۔ ان کے کہنے پر ضیاء الحق کے فون ٹیپ کرنے کیلئے اسلام آباد کے قریب ایک جدید مگر چھوٹی سی ٹیلی فون ایکسچینج قائم کردی گئی۔ کسی نہ کسی طرح یہ خبر ضیاء الحق تک بھی پہنچ گئی کہ جونیجو ان کی جاسوسی کروا رہا ہے۔ چنانچہ ضیاء الحق نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو کی بجائے ملٹری انٹیلی جینس پر انحصار کرنا شروع کردیا۔ خصوصی طور پر ضیاء الحق نے انٹیلی جینس بیورو کی نگرانی شروع کروادی کیونکہ آئی بی ان دنوں مکمل طور پر جونیجو کی مدد کررہی تھی جبکہ آئی ایس آئی کے کچھ آفیسر بھی جونیجو کے وفاداروں میں شامل ہو چکے تھے۔ مئی 1988ء میں ضیاء الحق کو اس بات کے مکمل ثبوت مل گئے کہ جونیجو ان کی جاسوسی کرواتا رہا ہے۔ ضیاء الحق کے دفتر اور گھر کے ٹیلی فون ٹیپ کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے ملاقاتیں کرنے والے افراد کی بھی نگرانی کروائی جا رہی تھی۔ چنانچہ ضیاء الحق نے 29 مئی 1988ء کو جونیجو کا بستر گول کردیا۔

حمید گل کے سیاسی کارناموں کی ابتداء ایم آر ڈی کی احتجاجی تحریک کے دوران ہوئی جب انہوں نے اس تحریک کو کچلنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ بعدازاں انہیں ضیاء الحق نے ملتان میں آرمرڈ ڈویژن کا کمانڈر بنادیا۔ 1984ء کے صدارتی ریفرنڈم میں بھی حمید گل نے نمایاں کردار ادا کیا اور انہوں نے ملتان سے تعلق رکھنے والے تمام سیاستدانوں اور اہم شخصیات کو اکٹھا کرکے ضیاء الحق کی حمایت کرنے پر راضی کیا۔ اسی دوران حمید گل 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے پرامن انعقاد کو یقینی بنانے کا مشن سونپا گیا۔ 1985ء کے انتخابات کے نتیجے میں محمد خاں جونیجو وزیراعظم بن گئے تو انہوں نے ضیاء الحق سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی۔ یہ راز بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ محمد خاں جونیجو نے ضیاء الحق کو وردی اتارنے کیلئے مجبور کرنے کے حوالے سے جو فیصلہ کیا تھا اس کی سب سے پہلے خبر حمید گل کو ملی کیونکہ جونیجو اس وقت جنرل کے ایم عارف کو فوج کا سربراہ بنانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ 1985ء کے انتخابات کے بعد ضیاء الحق اور جنرل کے ایم عارف کے درمیان سرد جنگ شروع ہوگئی اور ضیاء الحق نے کے ایم عارف کی جاسوسی کروانا شروع کردی۔ ضیاء الحق نے جنرل کے ایم عارف کی ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ان کی نگرانی کروانے کا سلسلہ جاری رکھا۔

10/ اپریل 1988ء میں جب سانحہ اوجڑی کیمپ رونما ہوا تو حمید گل آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔ وہ لمحات ان کیلئے انتہائی خوفناک آزمائش کے تھے کیونکہ دشمن نے افغان مجاہدین کو فراہم کئے جانے والے اسلحے کی سپلائی لائن کو اڑا دیا تھا۔ اس حادثے کے چند روز بعد بھارت کے اسلحہ ڈپو میں بھی اس طرح کا ایک دھماکہ ہوا جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ یہ دھماکہ قدرت کا انتقام تھا۔ محمد خاں جونیجو نے سانحہ اوجڑی کیمپ کے اسباب جاننے کیلئے جو کمیٹی قائم کی تھی اس نے اس عظیم نقصان کے ذمہ دار جرنیلوں اور دوسرے فوجی حکام کے خلاف کاروائی کی سفارش کی تھی۔ لیکن کمیٹی کے ایک رکن رانا نعیم نے سانحہ اوجڑی کیمپ کی رپورٹ میں خود سے ہی بعض تبدیلیاں کردیں جس کا علم حمید گل کو بھی ہوگیا اور انہوں نے محمد خاں جونیجو اور ضیاء الحق کو اس بارے میں آگاہ کردیا تھا۔

جنرل حمید گل کے سیاسی کارناموں میں سے ایک کارنامہ اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام ہے۔ حمید گل آج بھی برملا کہتے ہیں کہ انہوں نے آئی جے آئی بنوانے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ لیکن جب محمد نواز شریف سے یہ سوال کیا جائے کہ کیا اسلامی جمہوری اتحاد آئی ایس آئی نے بنوایا تھا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اسلامی جمہوری اتحاد کے قیام میں آئی ایس آئی کی دو اہم شخصیات حمید گل اور بریگیڈئر امتیاز کا ہاتھ تھا۔ اس کے علاوہ حمید گل نے بطور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی صدر غلام اسحاق خاں سے ملاقات کر کے انہیں کہا تھا کہ چونکہ انتخابات کے نتیجے میں پی پی پی واحد اکثریتی پارٹی بن کر ابھری ہے اس لئے اقتدار بے نظیر بھٹو کے حوالے کردیا جائے۔ اس لئے جن لوگوں کا خیال ہے کہ حمید گل نے بے نظیر بھٹو کو اقتدار میں آنے سے روکنے کی کوشش کی تھی وہ غلطی پر ہیں۔ حمید گل کا کہنا ہے کہ انہوں نے اسلامی جمہوری اتحاد قائم کروانے کی کوششیں 29/ مئی 1988ء کو اسمبلیاں ٹوٹنے کے فوراً بعد ہی تیز کردی تھیں تاہم جماعت اسلامی اور بعض دوسری جماعتوں کے درمیان باہمی اختلافات کی وجہ سے یہ اتحاد قدرے تاخیر سے قائم ہوا۔ اگر اسلامی جمہوری اتحاد بنوانے کی کوشش میں جلدی کامیاب ہوجاتیں تو بلاشبہ پی پی پی کو اس قدر زیادہ نشستیں نہ ملتیں۔

جنرل حمید گل نے افغانستان کی جنگ کے دوران بحیثیت ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی جو خدمات انجام دی تھیں' ان کی روشنی میں ان کا یہ حق بنتا تھا کہ انہیں فوج کا سربراہ بنا دیا جاتا۔ تاہم جب 1991ء میں مرزا اسلم بیگ کی ریٹائرمنٹ کا مسئلہ پیش آیا تو میاں نواز شریف اور صدر غلام اسحاق نے آصف نواز مرحوم کو فوج کا سربراہ مقرر کردیا۔ قبل ازیں بے نظیر بھٹو بھی حمید

گل کو آئی ایس آئی سے ہٹا کر ایک ریٹائرڈ جرنیل شمس الرحمٰن کلو کو فوج کا سربراہ مقرر کر چکی تھیں۔ چونکہ بے نظیر بھٹو کا یہ اقدام حمید گل کیلئے Unexpected نہ تھا اس لئے انہوں نے فوج کے دوسرے شعبے میں اپنی ٹرانسفر کو قبول کرلیا۔ لیکن جب میاں نواز شریف اقتدار میں آئے تو انہیں یہ توقع تھی کہ وہ ان کی پرانی خدمات کو مدنظر رکھیں گے۔ لیکن جنرل آصف نواز کی بطور چیف آف آرمی سٹاف تقرری کی جس سے حمید گل دل برداشتہ ہوگئے۔ اس کے بعد حکومت نے ان کو ایک سے دوسری جگہ پر تبدیل کرنے کیلئے احکامات جاری کرنے شروع کردیئے۔ حمید گل نے خیریت اسی میں سمجھی کہ وہ باعزت طریقے سے ریٹائر ہو جائیں اور یوں انہوں نے اپنی مدت ملازمت پوری ہونے سے قبل ہی فوج سے ریٹائرمنٹ لے لی۔

جنرل حمید گل کے دور میں بھی آئی ایس آئی کا سیاسی مقاصد کیلئے استعمال جاری رہا۔ ان کے دور میں ارکان اسمبلی' وزراء اور دوسرے سیاستدانوں کی جاسوسی کروائی جاتی تھی۔ تاہم ضیاء الحق کے دور حکومت میں آئی ایس آئی نے جس بڑے پیمانے پر سیاسی کردار ادا کیا تھا' حمید گل کے آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر جنرل بننے کے بعد اس میں کمی آگئی۔ جس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ ضیاء الحق نے آئی ایس آئی کی بجائے ملٹری انٹیلی جنس کا سہارا لینا شروع کردیا۔

حمید گل نے آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے یوں تو متعدد کارنامے انجام دیئے لیکن ان کا ایک کارنامہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے سکھوں کی مدد سے بھارتی حکومت کیلئے مسائل کھڑے کردیئے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بھارت نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سندھ کو پاکستان سے الگ کرنے کی انتہائی خوفناک سازش کی تھی اور سندھ کے ڈاکوؤں کو "را" کے ایجنٹوں کے ذریعے اسلحہ سپلائی کیا جاتا تھا۔ اسی طرح جیئے سندھ کا "را" کے ساتھ رابطہ تھا اور جام صادق مرحوم تو کافی عرصہ تک "را" کیلئے کام کرتے رہے تھے۔ حمید گل کو اس بات کا بہت رنج تھا کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے سندھ میں جام صادق کو کیوں وزیراعلیٰ مقرر کیا کیونکہ قبل ازیں آئی ایس آئی حکومت کو رپورٹ فراہم کر چکی تھی کہ جام صادق ہندوستان کے خفیہ دورے کرتا رہا ہے اور لندن میں جلاوطنی کے دوران جام صادق کا "را" کے اعلیٰ حکام کے ساتھ رابطہ تھا اور وہ لندن میں بیٹھ کر پاکستان کے خلاف سازشیں کرتا رہا۔ لیکن حیرت ہے کہ ایک ایسے شخص کو جس کا ریکارڈ صاف نہ تھا' حکومت وقت نے ایک حساس صوبے کا وزیراعلیٰ مقرر کردیا۔

7/مارچ 1993ء کو اسلام آباد میں افغان مجاہدین کی مختلف تنظیموں کے درمیان سمجھوتہ

ہونے سے قبل ہی، حمید گل نے کابل میں جا کر افغان مجاہدین کے لیڈروں کے درمیان اختلافات ختم کروا دیئے تھے جس کی وجہ سے حکومت پاکستان کو یہ معاہدہ کروانے میں آسانی ہوئی۔ حمید گل جیسے لوگ ہمارا عظیم سرمایہ ہیں لیکن افسوس کہ ایسے کئی حمید گل آج بھی حکومت کے احکامات کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے سیاسی معاملات میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ اور دشمن ملک کے جاسوسوں پر نظر رکھنے کی بجائے وہ سیاسی جماعتوں میں اپنے ایجنٹ داخل کرنا اور سیاستدانوں کی جاسوسی کروانے میں مصروف ہیں۔

سردار بلخ شیر مزاری کو جب نواز شریف حکومت ختم ہونے کے بعد نگران وزیراعظم مقرر کیا گیا تو انہوں نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جنیس بیورو کے سربراہوں کو تبدیل کر دیا۔ آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل جاوید ناصر کی جگہ حیرت انگیز طور پر جنرل شریف کو آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر جنرل مقرر کر دیا گیا۔ جبکہ انٹیلی جنیس بیورو کے ڈائریکٹر بریگیڈیئر امتیاز کے مستعفی ہونے کے بعد یہ عہدہ نذیر احمد کو دے دیا گیا۔ جاوید ناصر کو نہ صرف ان کے عہدے سے ہٹایا گیا بلکہ انہیں جبری طور پر فوج سے بھی ریٹائر کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ آئی ایس آئی کے ایک اور سابق سربراہ جنرل اسد درانی کو بھی ریٹائر کر دیا گیا۔ بعض حلقوں کا دعویٰ ہے کہ جاوید ناصر کی ریٹائرمنٹ کا فیصلہ امریکی دباؤ پر کیا گیا تھا۔

انٹیلی جینس بیورو

قیام پاکستان کے بعد ہمیں ورثے میں ملنے والے سیکرٹ سروس کے ادارے انٹیلی جینس بیورو کا بھی ماضی میں سیاسی مقاصد کے لئے استعمال ہوا۔ ہر حکمران نے انٹیلی جینس بیورو کو اپنی کرسی مضبوط کرنے کے لئے استعمال کیا۔ لیکن اس کے باوجود جب کبھی بھی عوامی تحریک چلی تو حکمران وقت اس کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ سول سائیڈ میں انٹیلی جینس بیورو ایک انتہائی اہمیت کا حامل ادارہ سمجھا جاتا ہے۔ اس ادارے نے ہمیشہ حکومتوں کو بنوانے اور تڑوانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہر حکمران کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ انٹیلی جینس بیورو کا سربراہ ایک ایسے شخص کو مقرر کرے جو اس کا وفادار ہو اور اس کی کرسی کو بچانے کے لئے کوشاں رہے۔ جبکہ دوسری طرف اس ادارے کے Hand Picked سربراہ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ وزیراعظم کی خوشنودی کے حصول کے لئے زیادہ سے زیادہ ایسے اقدامات کرے جس سے حکومت کے مخالف سیاستدانوں کو کچلنے اور برسراقتدار حکومت کو دوام بخشنے میں مدد ملے۔

لیاقت علی خاں سے لے کر بلخ شیر مزاری تک ہر حکمران نے انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ کی سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے تعیناتی کی۔ لیکن کسی حکمران نے اس حقیقت کو کبھی تسلیم کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی کہ سیکرٹ سروس کے ہر ادارے کے کام کرنے کا اپنا طریقہ کار ہے۔ اگر انٹیلی جینس بیورو کی طرف سے حکمران وقت کی خواہش کے مطابق سیاسی مخالفین کو دبانے کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ برسراقتدار طبقہ کے کرتوت بھی فائیلوں کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیکرٹ سروس کے ادارے بظاہر تو

حکمران کے ہاتھ میں کھلونا بنے نظر آتے ہیں لیکن در پردہ وہ ایسے اقدامات میں مصروف رہتے ہیں جس سے قومی مفادات کا تحفظ ہو اور کسی ملک دشمن شخص کو وطن عزیز کو نقصان پہنچانے کا موقع نہ مل سکے۔ دوسرے خفیہ اداروں کی طرح انٹیلی جینس بیورو سے وابستہ اہلکار ہر دور حکومت میں ایسے اقدامات میں مصروف رہے ہیں جو ایک عام آدمی کی نظر میں ایک سنگین جرم ہو سکتا ہے' لیکن اس بات کی اہمیت کا احساس صرف متعلقہ انٹیلی جینس آفیسر کو ہی ہوتا ہے کہ وہ جو کام کر رہا ہے اس سے ملک کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

انٹیلی جینس بیورو کے دو Wing ہیں۔ جنہیں Internal Wing اور External Wing کا نام دیا گیا ہے۔ انٹرنل ونگ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اندرونی معاملات سے متعلقہ ہے جبکہ ایکسٹرنل ونگ کا کام بیرونی ممالک میں ملکی مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ انٹیلی جینس بیورو کا ایک شعبہ Counter Intelligence بھی ہوتا ہے جس کا کام اپنی ہی انٹیلی جینس ایجنسی کی معاملات پر نظر رکھنا ہوتا ہے تاکہ خفیہ سروس کے اس اہم ترین ادارے پر ایک "چیک" رہے۔ اور کوئی ملک دشمن شخص ادارے سے کسی قسم کا کوئی راز چوری کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بیرون ممالک سے روزانہ سینکڑوں غیر ملکی افراد پاکستان میں بذریعہ ہوائی جہاز' بحری جہاز اور سڑک کے راستے داخل ہوتے ہیں۔ انٹیلی جینس بیورو کا یہ فریضہ ہے کہ ایسے افراد کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے اور مشکوک افراد کی جاسوسی کروائی جائے۔ انٹیلی جینس بیورو کا ایک اور انتہائی کام پاکستان میں موجود غیر ملکی سفار تکاروں پر بھی نظر رکھنا ہوتا ہے کیونکہ ہر سفارتخانے کے اندر متعلقہ ملک کے تربیت یافتہ جاسوس موجود ہوتے ہیں جن کا بعض بیورو کریٹس' ماتحت سرکاری ملازمین اور سیاستدانوں کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں ایک ایسا بھی کاروباری طبقہ موجود ہے جو کھلم کھلا امریکی پالیسیوں کی حمایت کرتا ہے' ہمارے ہاں امریکہ کے گیت گانے والے اور اسے گالیاں دینے والے بھی سیاستدان موجود ہیں۔ ہمارے ہاں ایسے افراد بھی ہیں جو بھارت اور اسرائیل سے تعلقات بہتر بنانے کے خواہاں ہیں جبکہ کچھ لوگ عرب ممالک کے حق میں اور کچھ مخالفت میں لابی کر رہے ہیں۔ یہ سارا کام ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ہو رہا ہے۔ اور انٹیلی جینس بیورو کا ایک انتہائی اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ ان عناصر کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے جو جس تھالی میں کھاتے ہیں اسی میں سوراخ کرتے ہیں۔ یہ بات خفیہ سروس کے اداروں کی ہی مرہون منت ہے کہ ہم ابھی تک مکمل تباہی سے بچے ہوئے ہیں ورنہ بعض سیاستدان ہماری قسمتوں کا فیصلہ بہت

پہلے کر چکے ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ خفیہ سروس کے ادارے بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی حکومتوں کو بنوانے اور تڑوانے کے مشن میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ معاملہ ملکی مفادات کی حد تک ہو تو ٹھیک ہے لیکن اگر کوئی ادارہ یا اس ادارے کا سربراہ کسی پرانی رنجش کا بدلہ لینے کے لئے حکمران وقت کے خلاف سازشیں شروع کر دے تو یہ انتہائی نامناسب اقدام ہو گا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ضیاء الحق کے دور حکومت میں انٹیلی جینس بیورو کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ بھٹو خاندان کو کسی حالت میں اقتدار میں نہ آنے دیا جائے بلکہ اسے اس قدر دبا دیا جائے کہ اس کے عوام کے ساتھ تانے بانے ختم ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں پیپلز پارٹی کو ختم کرنے کا منصوبہ بنا جس کے بانی ضیاء الحق خود تھے۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کے لئے پیپلز پارٹی کے ہی بعض رہنماؤں کا انتخاب کیا گیا۔ پارٹی کے اندر بغاوت کروائی گئی' پارٹی کے سرکردہ رہنماؤں نے بھٹو خاندان کے "طرز عمل" کے خلاف بطور احتجاج خود کو یا تو سیاست سے الگ کر لیا یا انہوں نے دوسری سیاسی جماعتوں میں شمولیت اختیار کر لی۔

انٹیلی جینس بیورو نے پیپلز پارٹی کے تمام سرگرم رہنماؤں اور کارکنوں کی فہرستیں تیار کیں اور بعد ازاں جو لوگ حکومت وقت کے خلاف سرگرمیوں سے باز نہ آئے ان کے خلاف جھوٹے سچے مقدمات قائم کروائے گئے۔ بھٹو خاندان کے دوسرے ممالک کے خفیہ اداروں کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے ریکارڈ اکٹھا کیا گیا۔ یوں ضیاء الحق کے علم میں یہ بات آئی کہ بعض عرب ممالک در پردہ بھٹو خاندان کی حمایت کر رہے ہیں۔ ضیاء الحق نے اس چیز کا تدارک کرنے کے لئے عرب ممالک کے دورے کئے اور ان ممالک کے حکمرانوں کو قائل کیا کہ وہ بھٹو خاندان کی مدد نہ کریں کیونکہ یہ لوگ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ ضیاء الحق نے خصوصی طور پر سعودی عرب' شام' مصر' دبئی اور لیبیا کے حکام کو بھٹو خاندان سے متنفر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

انٹیلی جینس بیورو نے ذوالفقار علی بھٹو کے صاحبزادے مرتضیٰ بھٹو کے "جرائم" کا خصوصی طور پر بہت فائدہ اٹھایا کیونکہ مرتضیٰ بھٹو نے الذوالفقار نامی دہشت گرد تنظیم قائم کر کے اس میں پیپلز پارٹی کے جیالے کارکنوں کو بھرتی کیا تھا جنہیں بعد ازاں فلسطین' شام' افغانستان' بھارت اور لیبیا میں گوریلا تربیت دی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ کسی نہ کسی طور پر اب بھی جاری ہے خصوصی طور پر بھارت آج بھی الذوالفقار کے لئے ہیڈ کوارٹر کی سی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے "را" کے تربیت یافتہ دہشت گرد سندھ میں داخل ہو کر دہشت گردی کا بازار گرم

کئے ہوئے ہیں۔ بھارتی حکام اور ایم کیو ایم کے بعض رہنماؤں کے درمیان خفیہ روابط اب سیکرٹ نہیں رہے اور ہر خفیہ ادارے کے پاس اس ضمن میں ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ جب الطاف حسین لندن میں "علاج" کروانے کے لئے روانہ ہوا تو ائرپورٹ پر انہیں رخصت کرنے والوں میں بریگیڈیئر امتیاز بھی شامل تھے۔

انٹیلی جینس بیورو کی تنظیم کچھ اس طرح ہے کہ اس خفیہ ادارے کے اہلکار ہر سیاسی جماعت' لیبر یونین' سٹوڈنٹ آرگنائزیشن' وکلاء اور صحافیوں کی تنظیموں اور سرکاری محکموں میں موجود ہیں۔ لیکن اکثر لوگوں کو ان کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اگر ہمارے دشمن ممالک کی خواہش ہے کہ ان کے ایجنٹ ہمارے خفیہ اداروں میں داخل ہو جائیں تو لازمی طور پر انٹیلی جینس بیورو نے بھی دشمن کے راز چوری کرنے کا بندوبست کر رکھا ہو گا۔

یہ جاننے کے باوجود بھی کہ انٹیلی جینس بیورو کو ایک انتہائی اہم چارٹر دیا گیا ہے جس کا مقصد ملک و قوم کی سلامتی کے لئے اقدامات کرنا ہیں' ہمارے حکمران فی زمانہ اس ادارے کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ نجانے خفیہ سروس کے اداورں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کب ختم ہو گا!

انٹیلی جینس بیورو کا سیاسی کردار

ہمارے ہاں یہ رسم پڑ گئی ہے کہ جب بھی کسی حکمران کے اقتدار کو خطرہ لاحق ہوتا ہے' وہ اسے "ریاست کو درپیش خطرہ" تصور کر کے اس کے تدارک کے لئے ہر قسم کے قانونی اور غیر قانونی اقدامات کا آغاز کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں حکمران وقت سیکرٹ سروس کے تمام اداروں کو اپنے خلاف ہونے والی سازشوں کا پتہ چلانے کے لئے احکامات جاری کر دیتا ہے۔ یوں سیکرٹ سروس کے ادارے بعض اوقات دوسرے اہم کام چھوڑ کر حکمران وقت کی کرسی کو بچانے کے لئے میدان عمل میں نکل آتے ہیں۔ چونکہ سیکرٹ سروس کے ادارے کا سربراہ عموماً حکمران وقت کا منظور نظر ہوتا ہے اس لئے وہ کافی شدومد سے اس کام میں مصروف ہو جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح حکومت کو ختم ہونے سے بچا لیا جائے کیونکہ حکومت کی تبدیلی کی صورت میں اسے اپنی بھی چھٹی ہوتی ہوئی بھی نظر آ رہی ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں حکمرانوں نے کبھی بھی ملکی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح نہیں دی۔ حکومتوں کا کیا ہے' یہ تو آنی جانی چیز ہیں۔ اصل مسئلہ تو اداروں کے استحکام کا ہے۔ اگر ادارے ہی نہ رہے تو حکمران کہاں جائیں گے۔ محلاتی سازشوں کا جب سلسلہ شروع ہوتا ہے تو سیکرٹ سروس کے ادارے بھی اس سے محفوظ نہیں رہتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک سیکرٹ سروس کا ادارہ حکومت کو بچانے اور دوسرا اسے گرانے کے لئے سرگرم ہو جاتا ہے لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ نقصان کس کا ہو رہا ہے۔

قائد ملت لیاقت علی خاں نے پہلی مرتبہ اس ادارے کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال

اس وقت شروع کیا ممتاز دولتانہ اور دوسرے مسلم لیگی رہنما ان کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے اور ہر ممکن طریقے سے یہ کوشش کی جا رہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح لیاقت علی خاں سے چھٹکارا حاصل کرلیا جائے۔ جس کی وجہ سے لیاقت علی خاں نے انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کو حکم دیا تھا کہ وہ ان عناصر کا پتہ چلائیں جو ان کی حکومت کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔ یہ حکمران وقت کی طرف سے اپنی کرسی کو بچانے کی پہلی کوشش تھی جبکہ اسے سیاستدانوں کی طرف سے حکمران وقت کے خلاف کی جانے والی پہلی سازش قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سازش میں ملوث افراد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قائد ملت کو قتل کروانے کے بارے میں بھی مختلف تجاویز پر غور کیا تھا۔ اس سازش کی اطلاع اٹک پولیس کی معرفت انٹیلی جینس بیورو تک بھی پہنچ گئی تھی۔ لیکن سیکیورٹی انتظامات ناکافی ہونے کی وجہ سے لیاقت علی خاں کے قاتل کو ان پر گولیاں چلانے کا موقع مل گیا حالانکہ Blue Book کے تحت VVIP شخصیات کو سیکیورٹی مہیا کرنے کی ذمہ داری پولیس کے ساتھ ساتھ انٹیلی جینس بیورو کی بھی تھی۔ لیکن خفیہ سروس کے تمام ادارے لیاقت علی خاں کو قتل ہونے سے بچانے میں ناکام رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ سازش کسی دشمن ملک کی بجائے اپنوں کی ہی تیار کردہ تھی۔ لیاقت علی خاں کے قریبی ساتھی اس سازش کے تانے بانے ممتاز دولتانہ اور مسلم لیگ کے چند دوسرے رہنماؤں کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ انٹیلی جینس بیورو کو 1948ء میں ہی پتہ چل گیا تھا کہ پنجاب کے بعض جاگیردار اور بڑے بڑے زمیندار لیاقت علی خاں کی جان کے درپے ہیں کیونکہ لیاقت علی ان کے اقتدار کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھے۔

لیاقت علی خاں کے قتل کے بعد ہر آنے والے حکمران نے خفیہ سروس کے اداروں کے ذریعے حکومت کرنے کی کوشش کی لیکن اندرونی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے کوئی حکمران زیادہ دیر تک حکومت نہ کرسکا۔ گورنر جنرل غلام محمد نے 1950ء کی دہائی میں خفیہ سروس کے اداروں سے ایسے ایسے کام لئے جن کے بارے میں سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے۔ گورنر جنرل غلام محمد بظاہر ایک اپاہج اور خبطی قسم کا شخص معلوم ہوتا تھا لیکن سازش کا وہ ماسٹر تھا۔ غلام محمد نے انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے اپنے ساتھی اور مخالف سیاستدانوں کی کمزوریوں کا پتہ چلایا۔ وہ سیاستدانوں کے معاشقوں کی تفصیلات جاننے میں خصوصی طور پر دلچسپی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے پہلی مرتبہ سول سائید کے خفیہ اداروں کے ذریعے بعض اعلیٰ فوجی حکام کی جاسوسی کروائی جس میں اسکندر مرزا اور ایوب خاں بھی شامل تھے۔ لیکن ایوب خاں اور اسکندر مرزا

آخر کار غلام محمد سے بھی تیز ثابت ہوئے اور انہوں نے جب محسوس کیا کہ غلام محمد ان کی جاسوسی کروا رہا ہے تو انہوں نے ایسی منصوبہ بندی کی کہ گورنر جنرل کو مجبوراً مستعفی ہونا پڑا۔ یوں اقتدار اسکندر مرزا کے ہاتھ میں لگ گیا جس نے انٹیلی جینس بیورو اور دوسرے خفیہ اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال جاری رکھا۔ اسکندر مرزا نے خفیہ سروس کے اداروں کی مدد سے حکومتوں کو کمزور کرنے کی سازشیں کی تھیں لیکن آخر کار وہ خود بھی ان سازشوں کا شکار ہوئے اور ایوب خاں نے آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کے ذریعے اسکندر مرزا کے خلاف منصوبہ بندی کی اور 1958ء میں مارشل لا لگا کر اسکندر مرزا کو ان کی اہلیہ کے ساتھ گھر بھیج دیا۔

اس طرح پہلی مرتبہ 1958ء کے بعد انٹیلی جینس بیورو کا وسیع پیمانے پر سیاسی مقاصد کے لئے استعمال شروع ہوا۔ اگرچہ ایوب خاں نے سیاستدانوں کو دبانے کے لئے زیادہ تر آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کا سہارا لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے انٹیلی جینس بیورو کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کیا۔ ایوب خاں نے جاگیردار اور بڑے بڑے زمیندار سیاست دانوں کو دبانے کے لئے انٹیلی جینس بیورو کا سہارا لیا۔ خفیہ سروس کے اس ادارے نے ان زمینداروں اور جاگیرداروں کی فہرستیں مرتب کیں جو ہزاروں ایکڑ اراضی کے مالک تھے یا جو سیاست کے فرعون بن چکے تھے۔ بعد ازاں انہی سیاسی رہنماؤں کے چشم وچراغ ایوب خاں کے دست و بازو ثابت ہوئے اور ایوب خاں نے کنونشن لیگ کے قیام اور محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی انتخابات میں ہروانے کے لئے بھی خفیہ سروس کے اداروں کا سہارا لیا۔ کنونشن لیگ بھی بالکل اسی طرح خفیہ سروس کے اداروں کی محنت کی بدولت معرض وجود میں آئی تھی جس طرح جنرل حمید گل نے اسلامی جمہوری اتحاد بنوایا تھا۔ لیکن یہی ایوب خاں جو 10 برس تک سیاہ و سفید کا مالک بنا رہا اور اس نے تمام سیاسی جماعتوں اور سیاسی اتحادوں کے عزائم کو ناکام بنوایا تھا' وہ بالاخر عوامی رد عمل کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ خفیہ سروس کے اداروں بشمول انٹیلی جینس بیورو نے 1968ء کے آغاز میں ہی ایوب خاں پر واضح کر دیا تھا کہ اگر انہوں نے اپوزیشن کے ساتھ مفاہمت نہ کی تو جلد ہی وسیع پیمانے پر احتجاجی تحریک کا آغاز ہو گا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ سیاستدانوں نے جب ایوب خاں کے خلاف 1969ء میں بھرپور طریقے سے تحریک چلائی تو انہیں اقتدار سے الگ ہونا پڑا۔ ایوب خاں کی ذلت آمیز طریقے سے اقتدار سے علیحدگی اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ کوئی بھی حکمران محض سیکرٹ سروس کے اداروں کے بل بوتے عمر بھر

حکومت نہیں کر سکتا' اس کے لئے عوام میں Roots کا ہونا بے حد ضروری ہے۔

اسکندر مرزا کے بعد ایوب خاں دوسرے حکمران تھے جو سیکرٹ سروس کے اداروں اور اسٹیبلشمنٹ کے بل بوتے پر اقتدار میں آئے۔ ایوب خاں کی اقتدار پر 1954ء سے ہی نظر تھی کیونکہ ان دنوں گورنر جنرل غلام محمد اور وزیراعظم محمد علی بوگرہ کے درمیان چپقلش جاری تھی۔ گورنر جنرل نے اپریل 1953ء کو خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو اس وقت ختم کیا تھا جب خواجہ ناظم الدین کو اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کئے تھوڑے دن ہی گزرے تھے۔ 1953ء میں ہی ملٹری انٹیلی جینس کے توسط سے ایوب خاں تک یہ بات پہنچ گئی تھی کہ متحدہ محاذ (جگتو فرنٹ) ملک توڑنے کی سازش میں مصروف ہے۔ یہ اتحاد مسلم لیگ کی حکومت کے خلاف قائم ہوا تھا اور 1954ء کے انتخابات میں اس نے زبردست کامیابی حاصل کی تھی۔ متحدہ محاذ میں حسین شہید سہروردی کی عوامی لیگ "گناتنتری دل' کیمونسٹ پارٹی' نظام اسلام پارٹی اور کرشک سرامک پارٹی شامل تھی۔ خواجہ ناظم الدین نے خفیہ سروس کے اداروں کے ذریعے متحدہ محاذ میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کی تھی۔ اس اتحاد نے 1953ء میں ہی مشرقی پاکستان کی آزادی کا مطالبہ کر دیا تھا جو ایک خطرناک بات تھی۔ انٹیلی جینس بیورو کی طرف سے خواجہ ناظم الدین کو بروقت آگاہ کر دیا گیا تھا کہ متحدہ محاذ کے لیڈروں بشمول مولانا بھاشانی' سہروردی' مولانا اطہر اور فضل حق کے عزائم درست نہیں ہیں۔ اور پھر جب خواجہ ناظم الدین کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا تو گورنر جنرل غلام محمد نے ان کی وزارت ختم کر کے محمد علی بوگرہ کو وزارت سازی کی دعوت دے ڈالی۔ محمد علی بوگرہ نے حفظ ماتقدم کے طور پر آئین میں ترمیم کر کے گورنر جنرل کو ان اختیارات سے ہی محروم کر دیا جن کی موجودگی میں وہ ان کی حکومت ختم کر سکتے تھے۔ گورنر جنرل کے اختیارات کم کرنے کے لئے جب اسمبلی نے آئین میں ترمیم کی تو غلام محمد بہت گرم ہوا اور اس نے خفیہ اداروں پر بھی چڑھائی کر دی جو اسے اس صورت حال سے آگاہ کرنے میں ناکام رہے۔ بعد ازاں گورنر جنرل نے ہنگامی حالات کا نفاذ کر کے 1954ء میں محمد علی بوگرہ کی بھی چھٹی کرا دی۔ گورنر جنرل نے اس ضمن میں یہ موقف اختیار کیا کہ انہوں نے بروقت کاروائی کر کے ملک توڑنے کی ایک سازش کو ناکام بنا دیا۔ 1954ء میں جب ملک کو شدید بحران کا سامنا تھا' ایوب خاں اور اسکندر مرزا گورنر جنرل کو ان کے عہدے سے ہٹانے پر غور کر رہے تھے۔ یوں اسکندر مرزا نے ایوب خاں کی مدد سے اگست 1955ء کو اقتدار پر قبضہ کر لیا اور وہ گورنر جنرل کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ اسکندر مرزا نے چوہدری محمد علی کو وزیراعظم نامزد کر

دیا۔ جنہوں نے 25/ مارچ 1956ء کو ملک کو نیا آئین دیا جس کی رو سے اسکندر مرزا صدر بن گئے۔ ایوب خاں فوج کے سربراہ کی حیثیت سے ان بدلتے ہوئے حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ انٹیلی جینس بیورو نے اسکندر مرزا کو 1958ء کے آغاز میں ہی بتا دیا تھا کہ ایوب خاں کے ارادے درست نہیں ہیں۔ چوہدری محمد علی محلاتی سازشوں کے آگے 13 ماہ تک ٹک سکے اور آخر کار انہوں نے استعفیٰ دے دیا جس کے بعد اسکندر مرزا نے حسین شہید سہروردی کو حکومت بنانے کا موقع دیا۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں سیاستدان ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ چوہدری محمد علی کو انٹیلی جینس بیورو نے بروقت آگاہ کر دیا تھا کہ حسین شہید سہروردی ان کی حکومت ختم کروانے کے لئے منصوبہ بندی مکمل کر چکے ہیں۔ انٹیلی جینس بیورو کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اسکندر مرزا نے ایک سیاسی جماعت بنانے کے لئے مشورے شروع کر دیئے ہیں۔ اسکندر مرزا نے یوں ری پبلکن پارٹی کا ڈول ڈالا اور انہوں نے سہروردی کی عوامی لیگ کے اشتراک سے حکومت قائم کر لی۔ 1956ء کے بعد عجیب صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ صدر اسکندر مرزا کی کوشش تھی کہ سیکرٹ سروس کے خفیہ ادارے ان کے لئے کام کریں جبکہ وزیراعظم چوہدری محمد علی کی لازمی طور پر خواہش تھی کہ خفیہ سروس کے ادارے وزیراعظم کے احکامات کی پیروی کریں۔ صدر اسکندر مرزا اور وزیراعظم چوہدری محمد علی نے انٹیلی جینس بیورو اور دوسرے خفیہ اداروں میں اپنی مرضی کے افراد کی تعیناتی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جس کا مقصد خفیہ اطلاعات کا حصول تھا۔ یہی سلسلہ سہروردی کے دور میں جاری رہا جن کی حکومت کو اسکندر مرزا نے 13 ماہ تک کام کرنے کا موقع دیا اور پھر ان سے استعفیٰ طلب کر کے آئی آئی چندریگر کو وزیراعظم کے عہدے پر فائز کروا دیا۔ جنہوں نے وزیراعظم بننے کے بعد چند دن تک تو اسکندر مرزا کے احکامات کی اسی طرح تعمیل کی جس طرح 1990ء کے انتخابات کے بعد میاں نواز شریف صدر غلام اسحاق خاں سے ڈکٹیشن لیا کرتے تھے۔ تاہم جب انہوں نے پر پرزے نکالنے کی کوشش کی تو اسکندر مرزا نے فوج کے سربراہ ایوب خاں کی مدد سے ان کو قابو کر لیا۔ یوں بے چارہ آئی آئی چندریگر صرف 2 ماہ تک مسند اقتدار پر فائز رہ سکا۔ آئی آئی چندریگر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے وزیراعظم بننے کے بعد انٹیلی جینس بیورو سے اسکندر مرزا اور ایوب خاں کی جاسوسی شروع کروا دی تھی۔ جس کی انہیں سزا یہ ملی کہ وہ 2 ماہ کے اندر گھر بھیج دیئے گئے۔ فوج کے سربراہ نے یوں صدر اسکندر مرزا سے 1955ء سے 1958ء تک ہر ممکن تعاون کیا۔ آئی آئی چندریگر کی علیحدگی کے بعد بادشاہ گروں کی نظر

ملک فیروز خاں نون پر پڑی لیکن ان کی حکومت بھی بمشکل 9 ماہ چل سکی۔ اس دوران ایوب خاں کی مدت ملازمت ختم ہونے کا وقت قریب آگیا۔ اسکندر مرزا نے سوچا کہ ایوب خاں نے کئی برس سے اس کا ساتھ دیا ہے۔ اس لئے اس کی مدت ملازمت میں توسیع کردی جائے۔ اسکندر مرزا نے فوج کے کمانڈر ایوب خاں کی مدت ملازمت میں 2 سال کی توسیع کرکے اپنے اقتدار کے خاتمے کا بندوبست کرلیا۔ ایوب خاں' جو مسلسل صدر اسکندر مرزا کا ساتھ دیتے آئے تھے' اس دفعہ خود میدان میں اترے اور انہوں نے 1958ء میں آئین معطل کرکے ملک میں مارشل لا لگا دیا۔

ایوب خاں نے اقتدار میں آنے کے بعد زیادہ تر انحصار آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس پر کیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے انٹیلی جینس بیورو کو بھی قابو کرلیا۔ انٹیلی جینس بیورو کو ایوب خاں نے سیاسی کاموں پر لگا دیا۔ 1958ء سے 1962ء تک کا عرصہ سیاستدانوں پر بہت بھاری تھا کیونکہ اس دوران ایوب خاں نے کسی سیاستدان کو مارشل لا کے خلاف آواز اٹھانے کا موقع نہ دیا۔ 1962ء کے شروع میں ایوب خاں نے انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے سروے کرایا کہ اگر وہ سیاسی سرگرمیوں کو بحال کریں تو حالات کیا رخ اختیار کریں گے۔ اسی دوران ایوب خاں نے انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے ان سیاستدانوں کے متعلق تفصیلات اکٹھی کیں جو ان کے لئے خطرہ بن سکتے تھے۔ نواب زادہ نصراللہ خاں اس وقت تک سیاسی افق پر اہم مقام حاصل کرچکے تھے اور ان کا شمار چوٹی کے اپوزیشن رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ ایوب خاں نے 1962ء میں بنیادی جمہوریت کا نظام متعارف کرایا جو جمہوریت کے ساتھ ایک مذاق تھا۔ انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے ایوب خاں کو جو رپورٹ ملی اس میں کہا گیا تھا کہ نوابزادہ نصراللہ خاں اور حسین شہید سہروردی بنیادی جمہوریت کے نظام کو کسی قیمت پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور ان کی کوشش ہے کہ تمام اپوزیشن جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو جائیں۔ اس طرح ایوب خاں نے اپنے خلاف پیدا ہونے والے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے خفیہ اداروں کو ہدایت جاری کی کہ اپوزیشن جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا نہ ہونے دیا جائے۔ ایوب خاں نے 6/ جون 1962ء کو مارشل لا اٹھالیا۔ جس کے بعد جون 1962ء میں ہی انٹیلی جینس بیورو نے ایوب خاں کو رپورٹ دی کہ مشرقی پاکستان کی 9 سیاسی جماعتوں نے قومی جمہوری محاذ کے نام سے ایک سیاسی اتحاد قائم کرنے کے لئے سیاستدانوں سے رابطے شروع کردیئے ہیں۔

انٹیلی جینس بیورو نے ستمبر 1962ء میں ایوب خاں کو رپورٹ ارسال کی تھی کہ نواب

زادہ نصراللہ خاں اور سہروردی اب نیشنل فرنٹ کے نام سے ایک سیاسی اتحاد قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں اور محمود علی قصوری کی رہائش گاہ پر ایک اہم اجلاس منعقد ہو گا جس میں اتحاد کے قیام کو حتمی شکل دی جائے گی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ آخر کار 4/ اکتوبر 1962ء کو اپوزیشن نے ایوب خاں کے خلاف قومی جمہوری محاذ کے نام سے ایک سیاسی اتحاد قائم کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔

انٹیلی جینس بیورو نے 1962ء کے بعد بھرپور قسم کا سیاسی کردار ادا کیا کیونکہ ایوب خاں کا انٹیلی جینس بیورو کو حکم تھا کہ وہ انہیں سیاستدانوں کی پل پل کی مصروفیات سے باخبر رکھیں۔ قومی جمہوری محاذ کے قیام کے بعد انٹیلی جینس بیورو نے حکومت کو رپورٹ دی تھی کہ اتحاد میں شامل جماعتیں ملک بھر میں احتجاجی جلسوں اور مظاہروں کا سلسلہ شروع کرنے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ 28/ نومبر 1962ء کو قومی جمہوری محاذ کے ایک جلسے منعقدہ گوجرانوالہ کے دوران حسین شہید سہروردی پر قاتلانہ حملہ ہوا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حملہ ایوب خاں کے کہنے پر کیا گیا تھا۔ بہرحال ایوب خاں نے دیگر خفیہ اداروں کی طرح انٹیلی جینس بیورو کو بھی قومی جمہوری محاذ میں شامل سیاستدانوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے پر لگا دیا۔ 28/ جنوری 1963ء کو سہروردی کی رہائش گاہ پر منعقدہ اتحاد کے ایک اجلاس کے دوران حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے پر غور کیا گیا۔ یہ تجویز مولانا عبدالستار نیازی نے پیش کی تھی۔ اجلاس کی تمام کاروائی انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے ایوب خاں تک پہنچ گئی۔ ایوب خاں نے اجلاس میں شامل سیاستدانوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ جسے " لکھم ہاؤس سازش" کیس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کے تحت 138ء سیاسی رہنماؤں کے خلاف حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش میں مقدمہ درج کیا گیا۔ گرفتار ہونے والے سیاستدانوں میں محمود علی قصوری' زیڈ ایچ لاری' نواب زادہ نصراللہ خاں' میاں طفیل محمد اور عطا اللہ مینگل بھی شامل تھے۔ بعد ازاں ایوب خاں نے خفیہ اداروں کی مدد سے قومی جمہوری محاذ میں پھوٹ ڈلوائی اور یہ اتحاد غیر موثر ہو کر رہ گیا۔ ایوب خاں نے 1964ء میں انٹیلی جینس بیورو کو ایک اہم سیاسی کام یہ سونپا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پتہ چلائے کہ صدارتی انتخابات میں ان کے خلاف کون کون سے سیاستدان حصہ لے سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ اپوزیشن جماعتوں نے اس ضمن میں کیا حکمت عملی وضع کی ہے۔ انٹیلی جینس بیورو نے جون 1964ء میں ہی ایوب خاں کو آگاہ کر دیا تھا کہ تمام اپوزیشن جماعتیں ان کے خلاف میدان میں اترنے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ انٹیلی جینس بیورو کی ایک رپورٹ یہ تھی

کہ جماعت اسلامی مولانا مودودی کو صدارتی امیدوار کھڑا کرنا چاہتی ہے جبکہ مولانا بھاشانی بھی انتخابات میں حصہ لینے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ تاہم انٹیلی جینس بیورو کی حتمی رائے یہ تھی کہ اپوزیشن نے فاطمہ جناح کو صدر ایوب خاں کے خلاف صدارتی الیکشن لڑنے کے لئے تیار کرلیا ہے۔ صدارتی انتخابات میں ایوب خاں دھاندلی کی وجہ سے جیت گئے۔ لیکن اپوزیشن نے ایوب خاں کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی اور آخر کار ایوب خاں کو 1969ء میں سیاستدانوں کی گول میز کانفرنس طلب کرنا پڑی۔ اپوزیشن کی طرف سے نواب زادہ نصراللہ خاں نے ایوب خاں سے مذاکرات کئے اور انہیں اقتدار سے الگ ہونے پر مجبور کر دیا۔ دوسری طرف یحیٰی خاں بھی ایوب خاں کو بچانے کے لئے تیار نہ تھا۔ یحیٰی خاں نے فوج کے کمانڈر ان چیف کی حیثیت سے اپوزیشن رہنماؤں کے ساتھ خفیہ روابط قائم کر لئے۔ خفیہ سروس کے اداروں نے ایوب خاں کو اس صورت حال سے باخبر کر دیا تھا لیکن عوامی رد عمل کی وجہ سے ایوب خاں کو اقتدار سے الگ ہونا پڑا۔ کل تک خفیہ سروس کے جو ادارے صدر ایوب سے وفاداری نبھا رہے تھے وہی خفیہ ادارے یحیٰی خاں کی خدمت میں مصروف نظر آئے۔ خصوصی طور پر انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر این اے رضوی بھٹو دشمنی اور یحیٰی خاں سے محبت کے اظہار کے لئے چار ہاتھ آگے نکل گئے۔

یحییٰ خاں سے مزاری تک
انٹیلی جینس بیورو کا سیاسی کردار

ایوب خاں کے دور حکومت کے آخری ایام میں جب اپوزیشن کی احتجاجی تحریک میں شدت آئی تو فوج کے سربراہ یحییٰ خاں نے آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کے ذریعے اس صورت حال کو مزید خراب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ چونکہ ایوب خاں نے 1958ء میں مارشل لا لگانے کے بعد بڑے بڑے سیاستدانوں اور قد آور شخصیات کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا تھا جن میں خواجہ ناظم الدین' ممتاز دولتانہ' شیخ مجیب الرحمٰن' مولانا بھاشانی' ولی خاں' نوابزادہ نصر اللہ خاں' مولانا طفیل محمد اور ذوالفقار علی بھٹو شامل تھے اس لئے ان سیاستدانوں کو جب 1969ء کے شروع میں ایوب خاں کو زچ کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے ایوب خاں کو ذلیل کروانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ زمینداروں' صنعت کاروں اور جاگیرداروں کے ایک مخصوص گروپ نے اپوزیشن کی مالی طور پر زبردست طریقے سے مدد کی جبکہ مظاہرین کے ایک ایسے گروپ کو تیار کیا گیا جو لوٹ مار اور تشدد کا ماہر تھا۔ دوسری طرف یحییٰ خاں نے فوج کو اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے کچھ اس انداز میں استعمال کیا کہ مظاہرین آزادانہ طریقے سے اپنی کاروائی جاری رکھ سکیں۔ اس وقت کے وزیر داخلہ اے آر خاں یحییٰ خاں کے خاص آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ یحییٰ خان نے ایوب خاں کی موجودگی میں ہی این اے رضوی کو انٹیلی جینس بیورو کا سربراہ مقرر کروا لیا۔ جس کے بعد انٹیلی جینس بیورو کی طرف سے ایوب خاں کو ایسی خوفناک رپورٹیں

ارسال کی گئیں کہ فیلڈ مارشل ایوب نے بہتری اسی میں سمجھی کہ وہ اپنی مال و دولت گنوائے بغیر اقتدار سے الگ ہو جائے۔ یحییٰ خاں نے مارشل لا لگانے کے بعد ایوب خاں پر اتنا کرم ضرور کیا کہ ان کے اثاثوں کو جوں کا توں رہنے دیا۔

اقتدار کا نشہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ یہ چڑھ جائے تو اترنے کا نام نہیں لیتا۔ اس نشے کا شکار حکمران ہی نہیں ہوتے رہے بلکہ اس کا مزا سیکرٹ سروس کے بعض اداروں نے بھی لیا۔ یحییٰ خاں کے پاس اگرچہ آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کا بھی کنٹرول تھا لیکن انہوں نے زیادہ تر انحصار انٹیلی جینس بیورو پر کیا۔ حتیٰ کہ یحییٰ خاں کے کہنے پر انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ این اے رضوی نے آئین کا مسودہ بھی تیار کر ڈالا۔ یحییٰ خاں کا ارادہ انتخابات کروانے کا تو تھا لیکن اس کی خواہش تھی کہ جو بھی نیا وزیراعظم منتخب ہو وہ اسے صدر کے عہدے پر کنفرم کر دے۔ اس کے علاوہ یحییٰ خاں کے ذہن میں ایک اور شاطرانہ چال بھی تھی جس پر اس نے این اے رضوی کے ذریعے عمل کروایا۔ یحییٰ خاں نے سازش تیار کی تھی کہ انتخابات میں مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن اور مغربی پاکستان میں بھٹو کو اکثریت حاصل نہ ہو۔ اس کی بجائے وہ مولانا بھاشانی اور قیوم خاں کو کامیاب کروانا چاہتا تھے تاکہ مرکز اور صوبوں میں مستحکم حکومتیں قائم نہ ہو سکیں اور اسے کچھ عرصہ بعد دوبارہ مداخلت کا موقع مل جائے۔ لیکن یحییٰ خاں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور این اے رضوی اور جنرل عمر مل کر بھی مجیب الرحمٰن اور بھٹو کا راستہ نہ روک سکے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو مشرقی پاکستان میں Land Slide Victory حاصل ہوئی جبکہ بھٹو بھی مغربی پاکستان میں سادہ اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

یوں انٹیلی جینس بیورو کی غلط رپورٹوں کی وجہ سے یحییٰ خاں کے عزائم پورے نہ ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود اس نے اقتدار کی منتقلی میں تاخیر کر دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مجیب یا بھٹو سے اس بات کی گارنٹی لینا چاہتے تھے کہ دونوں میں جو بھی وزیراعظم بنے گا وہ پہلے اسے صدر نامزد کرے گا۔ بھٹو نے یحییٰ خاں کی یہ شرط تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جبکہ مجیب الرحمٰن نے اس ضمن میں حامی بھر لی۔ یحییٰ خاں نے انتخابات کے بعد بھی سیکرٹ سروس کے اداروں کے ذریعے جوڑ توڑ کا سلسلہ جاری رکھا اور خصوصی طور پر اس نے انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے بھٹو کے خلاف ایسا مواد اکٹھا کیا جس کے ذریعے اسے ملک دشمن قرار دینا مقصود تھا۔ جن دنوں مشرقی پاکستان جل رہا تھا' یحییٰ خاں اس وقت حساس اداروں کو اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کرنے میں مصروف تھا۔ یحییٰ خاں نے انٹیلی جینس بیورو کو "را" کے ایجنٹوں کا

پتہ چلانے کی بجائے سیاستدانوں کی جاسوسی پر لگا رکھا تھا۔ تمام سیاستدانوں کے ٹیلی فون ٹیپ کیے جا رہے تھے۔ سیاستدانوں کی ہر قسم کی نقل و حمل پر کڑی نگاہ رکھی جا رہی تھی۔ مشرقی پاکستان میں دشمن اپنا کھیل کھیلتا رہا' فوج اور سول کے خفیہ ادارے یحییٰ خاں کو بار بار اس خطرے سے آگاہ کرتے رہے جو مشرقی پاکستان میں "را" کی موجودگی کی وجہ سے پیدا ہو چکا تھا۔ خفیہ سروس کے اداروں نے 1971ء میں واضح کر دیا تھا کہ بھارت کے ایجنٹ مشرقی پاکستان میں پھیل چکے ہیں اور ملک کو دولخت ہونے کا خطرہ درپیش ہے۔ لیکن یحییٰ خاں شراب پیتا رہا اور عورتوں کے ساتھ دل بہلاتا رہا۔ اور آخر ایک دن سانحہ مشرقی پاکستان رونما ہو گیا۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد بھی یحییٰ اقتدار سے الگ ہونے کے لئے تیار نہ تھا جس کی وجہ سے فوج کے بعض جرنیلوں نے ملٹری انٹیلی جینس اور آئی ایس آئی کو قابو میں کیا کیونکہ دونوں خفیہ اداروں کی رائے تھی کہ اگر فوری طور پر اقتدار سول حکومت کے حوالے نہ کیا گیا تو فوج کے خلاف نفرت میں شدت آجائے گی۔ جس پر ہنگامی بنیادوں پر جرنیلوں نے بھٹو کو امریکہ سے واپس بلوایا جہاں وہ اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ بھٹو کے وطن پہنچنے پر یحییٰ خاں کو زبردستی اقتدار سے الگ کیا گیا۔ جس کے فوراً بعد ذوالفقار علی بھٹو نے انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر این اے رضوی کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ این اے رضوی نے گرفتاری کے بعد اقرار کیا کہ بطور ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو اس نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا تھا اور کاروباری طبقے سے کئی لاکھ روپے حاصل کر کے قیوم لیگ کو دیئے تھے۔ بھٹو نے انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر سے لاکھوں روپے کی رقم برآمد کی۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد رفتہ رفتہ سیاسی سرگرمیوں کو بحال کیا اور مارشل لا ختم کر کے انہوں نے وزیراعظم کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ بھٹو کو اقتدار میں آتے ہی نوابزادہ نصراللہ خاں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف ولی خاں اور مولانا مفتی محمود بھی بھٹو دشمنی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو گئے۔ بھٹو نے اکرم شیخ کو انٹیلی جینس بیورو کا سربراہ مقرر کر دیا جنہوں نے بڑی محنت سے بھٹو حکومت کے خلاف ہونے والی سازش کا پتہ چلایا۔

انٹیلی جینس بیورو نے ولی خاں کی سربراہی میں قائم ہونے والے متحدہ جمہوری محاذ کے بارے میں بھی بھٹو کو قبل از وقت اطلاع فراہم کر دی تھی۔ اسی طرح 11/ جنوری 1977ء کو جب پی این اے کا قیام عمل میں آیا تو انٹیلی جینس بیورو کو اس بات کا پتہ چل چکا تھا کہ اپوزیشن

رہنما کسی بھی وقت حکومت کے خلاف نیا سیاسی اتحاد قائم کر سکتے ہیں۔ بھٹو نے 1977ء میں انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا تو اس ضمن میں انٹیلی جینس بیورو سے خفیہ سروے کروائے گئے۔ بھٹو نے اپنے دور حکومت میں انٹیلی جینس بیورو کا سیاسی مقاصد کے لئے بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ لیکن ان میں ایک خامی یہ تھی کہ وہ کسی بھی خفیہ ادارے کی رپورٹ سے کلی طور پر اتفاق نہ کرتے تھے۔ اس لئے انٹیلی جینس بیورو نے پاکستان قومی اتحاد کی احتجاجی تحریک کے دوران جب انہیں یہ اطلاع دی کہ فوج کا اپوزیشن کے سیاستدانوں سے رابطہ ہے اور کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے تو انہوں نے اس کا بھی نوٹس نہ لیا بلکہ اس کی بجائے وہ جرنیلوں سے فون کر کے پوچھتے رہے کہ کہیں آپ کا ارادہ مارشل لا لگانے کا تو نہیں ہے!

جس طرح ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار میں آنے کے فوراً بعد ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو این اے رضوی کو گرفتار کروایا تھا اسی طرح جب ضیاء الحق نے 4 اور 5 جولائی کی درمیانی شب کو مارشل لا لگایا تو انہوں نے ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو راؤ عبدالرشید کو گرفتار کر لیا۔ ضیاء الحق کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح بھٹو کے خلاف ایسا مواد حاصل کر لیا جائے جس کی مدد سے انہیں مارشل لا کے نفاذ کو Justify کرنے کا موقع مل جائے۔ انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ آغا نیک محمد نے اس ضمن میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ انٹیلی جینس بیورو نے بھٹو خاندان کے خلاف زیادہ سے زیادہ مواد اکٹھا کیا۔ اس ضمن میں جھوٹی سچی رپورٹیں تیار کروائی گئیں۔ خصوصی طور پر ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران انٹیلی جینس بیورو کا کردار بہت اہم رہا۔ مارشل لا کا زمانہ تھا' بھٹو کا نام لینا جرم سمجھا جاتا تھا اور اس پر مصداق یہ کہ ضیاء الحق جیسا آمر مسند اقتدار پر بیٹھا تھا۔ ان حالات میں خفیہ سروس کے اداروں کو اپنا کام کرنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئی۔ انٹیلی جینس بیورو نے سیاستدانوں کے ٹیلی فون ٹیپ کئے' ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھی اور ہر ممکن طریقے سے پیپلز پارٹی کو کچلنے کی کوشش کی گئی۔ ضیاء الحق نے مجلس شوریٰ سے لے کر کونسلروں تک کے انتخابات کے حوالے سے انٹیلی جینس بیورو کو استعمال کیا۔ ایم آر ڈی کی تحریک کو ناکام بنانے میں انٹیلی جینس بیورو نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ لیکن آخر کار ضیاء الحق نہ چاہتے ہوئے بھی 1985ء میں عام انتخابات پر مجبور ہو گیا۔ تاہم ضیاء الحق کے کہنے پر انٹیلی جینس بیورو نے سروے کئے جس سے یہ بات سامنے آئی کہ جماعتی بنیادوں پر انتخابات ہونے کی صورت میں پی پی پی دوبارہ سادہ اکثریت سے کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس لئے ضیاء الحق نے غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ دوسری طرف ضیاء نے غیر جماعتی انتخابات میں

حصہ لینے کے معاملے میں ایم آر ڈی میں اختلافات پیدا کروا دیئے۔ نتیجتاً" ایم آر ڈی نے 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ لیکن 1985ء کے انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسمبلی جماعتی ایوان میں تبدیل ہو گئی اور ضیا الحق کی طرف سے نامزد کردہ وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے دیکھتے ہی دیکھتے مسلم لیگ قائم کرلی اور ارکان اسمبلی جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اس طرح غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونی والی اسمبلی کے اندر سیاست داخل ہو گئی۔ انٹیلی جینس بیورو نے اس حوالے سے بھی ضیاء الحق کو قبل از وقت یہ اطلاع فراہم کر دی تھی کہ محمد خاں جونیجو مسلم لیگ کی تنظیم نو کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اور انہیں اس ضمن میں پیر پگاڑو کا اعتماد حاصل ہے۔ ضیاء الحق کے منع کرنے کے باوجود جونیجو نے مسلم لیگ قائم کرلی۔ بعد ازاں محمد خاں جونیجو نے ضیاء الحق کی طرف سے متعین کردہ انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ کو تبدیل کر کے اپنی پسند کے شخص کو یہ عہدہ سونپ دیا۔ جس کا ضیاء الحق کو بہت رنج تھا۔ ضیاء الحق نے انٹیلی جینس بیورو کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے 1977ء سے 1985ء تک استعمال کیا جس کے بعد اس ادارے پر عملاً محمد خاں جونیجو کا کنٹرول قائم ہو گیا اور ضیاء الحق نے یہ کردار آئی ایس آئی اور پھر آئی ایس آئی سے ملٹری انٹیلی جینس کو سونپ دیا۔ 29/ مئی 1988ء کو جب ضیاء الحق نے جونیجو حکومت کا خاتمہ کیا تو انٹیلی جینس بیورو کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ اس لحاظ سے محمد خاں جونیجو بد قسمت رہے کہ خفیہ سروس کے جن اداروں کو وہ مضبوط بناتے رہے' وہ ضرورت کے وقت ان کے کام نہ آئے۔ اور 29/ مئی 1988ء کے بعد ضیاء الحق ایک مرتبہ پھر سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ انٹیلی جینس بیورو دوبارہ ان کے تسلط میں آگیا اور یہی ادارہ جونیجو کی کردار کشی میں بڑی شدومد سے مصروف ہو گیا۔ 17/ اگست 1988ء کو سی - 130 طیارے کی تباہی کے نتیجے میں جب ضیاء الحق دیگر جرنیلوں کے ہمراہ ہلاک ہو گئے تو انٹیلی جینس بیورو پر قائم مقام صدر غلام اسحاق خاں کا کنٹرول قائم ہو گیا۔ غلام اسحاق خاں نے بھی 1988ء کے انتخابات کے حوالے سے انٹیلی جینس بیورو سے سیاسی کام لئے۔ انٹیلی جینس بیورو نے ضیاء الحق کو جو رپورٹیں ارسال کی تھیں ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ پیپلز پارٹی نے اگر ایم آر ڈی کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑا تو اسے واضح اکثریت حاصل ہو گی۔ تاہم انٹیلی جینس بیورو کا خیال تھا کہ چونکہ ایم آر ڈی میں شامل جماعتوں کا پیپلز پارٹی کے ساتھ ٹکٹوں کی تقسیم پر جھگڑا پیدا ہو گیا ہے اس لئے اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ پیپلز پارٹی تنہا ہی الیکشن میں حصہ لے گی اور سادہ اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ 1988ء کے الیکشن کے نتائج انٹیلی

جینس بیورو کی رپورٹوں سے ملتے جلتے تھے۔ لیکن انتخابات کے بعد انٹیلی جینس بیورو نے صدر کو رپورٹ دی کہ بے نظیر بھٹو نے ایم آر ڈی کے رہنماؤں کے ساتھ ملاقاتیں کرکے اس بات پر تشویش کا اظہار شروع کر دیا ہے کہ صدر غلام اسحاق خاں انہیں حکومت بنانے کا موقع نہیں دیں گے۔ بے نظیر بھٹو نے ان سیاستدانوں سے درخواست کی تھی کہ وہ صدر سے ملاقات کرکے انہیں قائل کریں کہ اقتدار پر حق پیپلزپارٹی کا ہی ہے۔ صدر غلام اسحاق خاں نے جب بے نظیر بھٹو کو وزیر اعظم نامزد کیا تو ان کی جان میں جان آئی اور انہوں نے اقتدار میں آتے ہی سیکرٹ سروس کے اداروں کو استعمال کرکے پنجاب میں حکومت قائم کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ لیکن میاں نواز شریف اس معاملے میں زیادہ چالاک ثابت ہوئے اور وہ صدر غلام اسحاق خاں سے ملاقات کرکے پنجاب کے وزیر اعلیٰ بن گئے۔

بے نظیر بھٹو کا 20/ ماہ کا دور افراتفری کا دور تھا کیونکہ محترمہ نے اپنے دور حکومت میں انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ نور لغاری کے ذریعے مسلسل یہ کوشش جاری رکھی کہ کسی نہ کسی طرح میاں نواز شریف کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کامیاب کروا دی جائے۔ انٹیلی جینس بیورو کا خیال تھا کہ مخدوم الطاف حسین کی مدد حاصل کرکے نواز شریف کے لئے مسائل کھڑے کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ پیپلزپارٹی کی قیادت نے مخدوم الطاف حسین کی مدد حاصل کی اور ارکان پنجاب اسمبلی کی خرید و فروخت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میاں نواز شریف نے جب یہ دیکھا کہ آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو نے ان کے خلاف سازشیں شروع کر دی ہیں تو انہوں نے بریگیڈئر امتیاز کا تعاون حاصل کر لیا جنہیں بے نظیر بھٹو نے آئی ایس آئی سے فارغ کر دیا تھا۔ اس طرح ایک طرف خفیہ سروس کے تمام ادارے تھے اور دوسری طرف بریگیڈئر امتیاز اپنی ٹیم کے ہمراہ نواز شریف کی مدد کرنے میں مصروف تھے۔ یوں مرکز پنجاب محاذ آرائی کا سلسلہ جاری ہوا۔ جوں جوں محاذ آرائی میں شدت آتی چلی گئی' میاں نواز شریف کا سیاسی قد کاٹھ بڑھتا چلا گیا۔ حقیقت میں نواز شریف کو قومی لیڈر بنانے میں بے نظیر بھٹو اور ان کے نااہل مشیروں کا زیادہ عمل دخل تھا۔ آخر کار 6/ اگست 1990ء کو صدر غلام اسحاق خاں نے اسمبلیاں توڑ دیں۔ جس کے بعد جب انتخابات ہوئے تو اسلامی جمہوری اتحاد کو بڑے پیمانے پر کامیابی حاصل ہوئی اور عملاً مرکز اور تمام صوبوں میں اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ نگران وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی کی نگرانی میں ہونے والے یہ انتخابات میاں نواز شریف کو وزارت عظمیٰ کی کرسی تک لے گئے اور میاں صاحب نے بریگیڈئر امتیاز کو انٹیلی جینس بیورو کا سربراہ مقرر کر دیا۔

بریگیڈئر امتیاز کو یہ عہدہ ان کی خدمات کے صلے میں دیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے 1988ء سے 1990ء کے پیریڈ میں نہ صرف میاں نواز شریف کی حکومت کو پنجاب میں بچائے رکھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بے نظیر بھٹو کے خلاف قومی اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک پیش کروانے میں بھی ایک نہایت اہم کردار ادا کیا۔ تاہم انٹیلی جنس بیورو نے بے نظیر بھٹو کے خلاف ہونے والی سازشوں کا پتہ چلالیا جس میں آئی ایس آئی کے بعض افسر شامل تھے اور انہیں مبینہ طور پر فوج کے سربراہ مرزا اسلم بیگ کا اعتماد حاصل تھا۔

میاں نواز شریف نے 1990ء کے انتخابات میں جس قدر عظیم الشان کامیابی حاصل کی تھی اس کو دیکھتے ہوئے کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ وہ محض اڑھائی برس بعد اقتدار سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ لیکن میاں صاحب نے اقتدار کے نشے میں غلطیوں پر غلطیاں شروع کردیں۔ انہوں نے اسلامی جمہوری اتحاد کو جس کے پلیٹ فارم کو استعمال کرکے وہ وزارت عظمیٰ کی کرسی تک پہنچے تھے نظرانداز کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے اتحاد کے اندر ان کے خلاف بغاوت ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا جس پر میاں صاحب نے آغا مرتضیٰ پویا اور غلام مصطفیٰ جتوئی کو اتحاد سے نکال دیا جبکہ کچھ عرصہ بعد جماعت اسلامی نے بھی خود کو اتحاد سے الگ کر لیا۔ جمیعت اہلحدیث اتحاد سے نکل گئی جبکہ مولانا سمیع الحق نے بھی اپنی جماعت کو اتحاد سے نکال لیا۔ اس طرح اسلامی جمہوری اتحاد عملاً ختم ہو کر رہ گیا۔ اتحاد سے نکلنے والی قد آور شخصیات نے بے نظیر بھٹو سے ساز باز کرلی کیونکہ محترمہ کی حکومت ختم کروانے میں میاں صاحب نے نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس طرح میاں نواز شریف کے خلاف سازشوں کا آغاز ہو گیا۔ لیکن میاں صاحب نے نجانے کیوں اس معاملے کو کبھی بھی سنجیدگی سے نہ لیا۔ ادھر پنجاب کے ارکان اسمبلی غلام حیدر وائیں جیسے انتہائی نکمے اور بے اختیار وزیر اعلیٰ سے تنگ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ارکان اسمبلی غلام حیدر وائیں کے ساتھ ساتھ میاں نواز شریف سے بھی متنفر ہونا شروع ہو گئے۔ اور ارکان اسمبلی کے ایک گروپ نے پی ڈی اے کے ساتھ رابطہ قائم کرکے اسمبلی کے اندر سے تبدیلی لانے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ بریگیڈئر امتیاز اس ساری صورت حال سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے میاں نواز شریف کو متعدد مفید مشورے دیئے لیکن ایک غلطی بریگیڈئر امتیاز سے بھی ہو گئی کہ وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ غلام اسحاق خاں اسمبلیاں نہیں توڑے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ نواز شریف نے دسمبر 1993ء کے صدارتی انتخاب میں غلام اسحاق خاں کو Support نہ کرنے کا

فیصلہ کرلیا۔ اس ضمن میں ان کے بے نظیر بھٹو کے ساتھ خفیہ مذاکرات ہوئے۔ چنانچہ پی ڈی اے کے کہنے پر نواز شریف نے آٹھویں ترمیم کے خلاف کھلم کھلا بولنا شروع کردیا اور دوسری طرف صدر نے اپنے آدمیوں کے ذریعے میاں نواز شریف کے خلاف استعفے دلوانے شروع کر دیئے۔ استعفوں کا یہ کھیل مارچ 1993ء میں شروع ہوا اور 18/ اپریل کو اس وقت ختم ہوا جب صدر نے اسمبلی توڑ دی۔ بریگیڈئر امتیاز نے میاں نواز شریف کو 16/ اپریل کو ہی اطلاع دے دی تھی کہ صدر نے 21/ اپریل 1993ء کو اسمبلیاں توڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اسی دوران بعض سیاستدانوں نے صدر اور وزیراعظم کے درمیان صلح کروانے کی کوشش کی۔ خود وزیراعظم کے والد میاں شریف نے صدر سے ملاقات کی تاکہ ان کے بیٹے اور صدر کے درمیان غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ چونکہ میاں نواز شریف اور غلام اسحاق خاں Point of no return پر جاچکے تھے اس لئے دونوں کے درمیان مصالحت کروانے کے سلسلے میں کی جانے والی تمام کوششیں ناکام رہیں اور نواز شریف نے 17/ اپریل 1993ء کو قوم سے خطاب کرکے صدر پر سنگین الزام عائد کئے اور یوں 17/ اپریل 1993ء کو ہی اس بات کا فیصلہ ہوگیا کہ اب صدر یا وزیراعظم دونوں میں سے ایک کو جانا ہوگا دوسری طرف نواز شریف نے 19/ اپریل 1993ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرلیا جس کا مقصد صدر کے خلاف قرارداد منظور کرکے انہیں صدر کے عہدے سے ہٹانا تھا۔ لیکن غلام اسحاق خاں نے 19/ اپریل 1993ء کا انتظار کئے بغیر 18/ اپریل کو ہی اسمبلی توڑ دی۔ اسی اقدام سے قبل انہوں نے بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی۔ بے نظیر بھٹو نے صدر کو پی ڈی اے کے ارکان اسمبلی کے استعفے پیش کردیئے جس کے بعد اسمبلی کا بچنا ناممکن ہوگیا۔

صدر غلام اسحاق خاں نے 18/ اپریل 1993ء کو اسمبلی توڑنے کے بعد سردار بلخ شیر مزاری کو نگران وزیراعظم مقرر کردیا۔ جس پر بریگیڈئر امتیاز نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور ان کی جگہ ملک نذیر کو انٹیلی جینس بیورو کا سربراہ مقرر کردیا گیا۔ سردار بلخ شیر مزاری نے بھی سیاسی صورت حال کے حوالے سے انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے سروے کروائے اور اس ادارے کو میاں نواز شریف کے خلاف مواد اکٹھا کرنے کے لئے استعمال کیا۔

میں آئی بی کا سربراہ تھا: راؤ رشید

راؤ عبدالرشید واحد سیاستدان ہیں جن کو ملک کی ایک بہت بڑی انٹیلی جینس ایجنسی کا سربراہ بننے کا موقع ملا اور وہ آج عملی سیاست میں سرگرم ہیں۔ انہوں نے 27/ مئی 1977ء کو بطور ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو اپنے عہدے کا چارج سنبھالا اور 5/ جولائی 1977ء کو انہیں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد گرفتار کر لیا گیا۔ جس کے بعد ضیاء الحق ان سے سودے بازی کرتا رہا۔ تاہم انہوں نے بھٹو کے ساتھ غداری نہ کی اور ضیاء الحق کی دھمکیوں اور لالچ کے باوجود اپنے ضمیر کے خلاف جھوٹے بیان دینے پر تیار نہ ہوئے جس کا انہیں پیپلز پارٹی نے خوب صلہ دیا ہے۔ یعنی انہیں ایک آمرانہ فیصلے کے ذریعے پیپلز پارٹی سے نکال دیا گیا ہے اور یہ فیصلہ بیگم نصرت بھٹو نے محض 'ایک اخباری بیان کے ذریعے صادر فرمایا۔

راؤ عبدالرشید اس وقت این ڈی اے سے منسلک ہیں اگرچہ انہوں نے ایک مختصر وقت کے لئے آئی بی کو کنٹرول کیا تھا لیکن اپنی ذہانت کی وجہ سے انہوں نے اس مختصر وقت میں بھی بہت کچھ "دیکھ" لیا' وہ آئی بی کے پاس کے پاس موجود اس دور کے سیاستدانوں کے متعلق رپورٹوں سے آگاہ ہیں اور یہ بات جانتے ہیں کہ ماضی میں حکمرانوں نے آئی بی کو سیاسی مقاصد کے لئے کس انداز میں استعمال کیا۔ راؤ عبدالرشید کو یقین ہے کہ ماضی میں تمام حکومتوں نے خفیہ اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ ان میں کسی نے کم اور کسی نے زیادہ کیا تاہم اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے مجھے مارچ 1976ء میں وزیراعظم سیکریٹریٹ میں سپیشل سیکریٹری کے عہدہ پر فائز کیا تھا۔ میرے ذمے یہ کام تھا کہ میں

خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹوں کی روشنی میں اپنی سفارشات سے وزیر اعظم کو آگاہ کروں۔ انہی دنوں وزیر اعظم صاحب نے مجھے سپیشل انٹیلی جینس بورڈ کا سیکریٹری بھی مقرر کر دیا۔ جس کی وجہ سے مجھے خفیہ اداروں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا ہمارے ہاں ماضی کی طرح آج بھی خفیہ اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال جاری ہے۔ بدقسمتی سے ہر حکومت اپنے آپ کو ریاست سمجھ لیتی ہے۔ اگر حکومت کو اپنا اقتدار خطرے میں نظر آئے تو حکمران وقت سمجھ لیتا ہے کہ یہ ریاست کے خلاف سازش ہے حالانکہ حقیقت تو اس سے برعکس ہوتی ہے۔ حکومتیں تو آتی جاتی رہتی ہیں اصل چیز تو اس بات کا تعین کرنا ہوتا ہے کہ کون سی حکومت ملک کے لئے بہتر ہے۔ بدقسمتی سے سابقہ اور موجودہ حکومت نے خفیہ اداروں کو محض اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے استعمال کیا جس کی وجہ سے خفیہ اداروں کی کارکردگی متاثر ہوئی ہے اور عوام کا ان سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔

راؤ رشید نے کہا سول سائیڈ میں سب سے اہم خفیہ ادارے کا نام انٹیلی جینس بیورو ہے۔ یہ ادارہ انگریزوں کے وقت میں قائم ہوا تھا جس کا مقصد ملکی اور بین الاقوامی حالات کے بارے میں حکومت کو تازہ ترین معلومات فراہم کرنا تھی۔ چونکہ انگریزوں کا دور تھا اور انہوں نے ایک سازش کے ذریعے برصغیر پر قبضہ کیا تھا اس لئے انہوں نے اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے آئی بی کا سیاسی مقصد کے لئے استعمال شروع کر دیا۔ آئی بی کے جاسوس برصغیر کی تمام سیاسی جماعتوں میں گھس گئے اور انہوں نے سیاسی جماعتوں میں اعلیٰ عہدے حاصل کر لئے۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے مخصوص افراد کے ذریعے سیاستدانوں اور اعلیٰ حکام کے اعزاز میں تقاریب کا اہتمام کروانا شروع کر دیا جہاں پر "گپ شپ" کے دوران آئی بی کے جاسوس اہم اطلاعات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ یہ سلسلہ آج بھی بہت کامیاب ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض لوگ تمام سیاسی جماعتوں کی رہنماؤں اور بیورو کریٹس کو نجی محفلوں میں بلواتے ہیں جہاں پر "کھل کر" بات چیت ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات چیت خفیہ اداروں کے لئے بہت اہم ثابت ہوتی ہے۔ انگریزوں نے اس ادارے کو بہت فعال بنایا۔ آئی بی انگریز حکمرانوں کے لئے آنکھ اور کان کا درجہ رکھتا تھا۔ انگریزوں کو چونکہ نارتھ ویسٹ سے خطرہ تھا اس لئے انہوں نے اپنے جاسوس افغانستان' ایران' روس اور چین میں داخل کر دیئے۔ انگریزوں کے جاسوس قبائلی علاقوں میں بھی موجود تھے۔ جن افراد نے انگریز راج کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا ان کو انعامات دینے اور اعلیٰ عہدوں سے نوازنے کے لئے بھی آئی بی کا استعمال

کیا گیا۔ انگریزوں کو چونکہ اندرونی طور سے زیادہ خطرہ تھا اس لئے انہوں نے اپنے جاسوس ہر شعبہ زندگی میں داخل کر دیئے اور یوں انہوں نے خفیہ اداروں کے ذریعے اقتدار کو برقرار رکھنے کی روایات ڈالی۔

سول سائڈ میں ایک خفیہ ادارہ سپیشل برانچ ہے جس کو کبھی سی آئی ڈی بھی کہا جاتا تھا۔ بعض لوگ آج بھی سپیشل برانچ یا سی آئی اے کو سی آئی ڈی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سپیشل برانچ کے بھی دو حصے ہوا کرتے تھے جس میں ایک حصہ سی آئی ڈی تھا جس کا کام تمام اہم امور کے متعلق انکوائری کرنا تھا۔ خصوصی طور پر مشکل نوعیت کے کیس سی آئی ڈی کے حوالے کیئے جاتے تھے جبکہ سپیشل برانچ کا کام جاسوسی کرنا تھا۔ ایوب خاں کے دور حکومت میں سپیشل برانچ نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کے پاس تمام مجرموں' سیاستدانوں اور اہم شخصیات کے متعلق فائلیں موجود تھیں۔ ایوب خاں نے سپیشل برانچ کو اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے بہت زیادہ استعمال کیا۔ اگرچہ پولیس کا کام امن عامہ کی صورت حال پر قابو پانا ہے لیکن یہ کام صرف ایک ادارے کے بس کا نہیں ہے کیونکہ تخریب کار عناصر اور جرائم پیشہ افراد پولیس کے مقابلے میں زیادہ ذہین اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ اس لئے قیام پاکستان کے بعد سپیشل برانچ کو فعال بنایا گیا۔ سپیشل برانچ کے اہلکار سیاسی جماعتوں میں شامل ہو گئے۔ جبکہ زندگی کے ہر شعبہ میں تعلق رکھنے والے شعبے کی نگرانی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو آج بھی جاری ہے۔ اس کے علاوہ سی آئی اے ہے جس کا دائرہ کار بہت محدود ہے۔ سی آئی اے اضلاع کی سطح پر موجود ہے جس کا کام اہم جرائم کے متعلق تحقیقات کرنا ہے لیکن اس ادارے کو بھی سیاست سے دور نہیں رکھا جا سکا اور کراچی میں تو خاص طور پر سی آئی اے کے متعلق کہانیاں زبان زد عام ہیں۔

سویلین سائیڈ کے بعد دوسرا شعبہ فوج کا ہے۔ ہاں! فوج کا جاسوسی کا نظام سب سے اچھا ہے۔ اس میں آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس (ایم آئی) سرفہرست ہیں۔ علاوہ ازیں آرمی' نیوی اور ائر فورس کا اپنا جاسوسی نظام ہے جبکہ ان تینوں اداروں کی نگرانی آئی ایس آئی کے ذمہ ہے۔ آئی ایس آئی کے قیام کا مقصد افواج کو بیرونی خطرات سے باخبر رکھنا تھا لیکن آپ دیکھیں اس وقت آئی ایس آئی بھی سیاسی مقاصد کے لئے کام کر رہی ہے۔

آئی ایس آئی کبھی ایک چھوٹی سی ایجنسی ہوا کرتی تھی۔ اس کا کبھی کام افواج پاکستان کو بیرونی خطرات سے باخبر رکھنا تھا۔ آئی ایس آئی کے جاسوس دوسرے ممالک میں موجود ہیں جو دشمن کے دفاعی منصوبوں اور سرحدوں کے قریب دشمن کی نقل و حرکت سے حکومت اور فوج

کو آگاہ رکھتے تھے تاکہ دشمن کے مذموم مقاصد کا توڑ کیا جاسکے۔

قیام پاکستان کے بعد ہماری حکومتیں غیر مقبول اور کمزور ثابت ہوئیں۔ خصوصی طور پر قائداعظم کی وفات کے بعد کوئی حکومت کافی عرصہ تک عوام میں مقبولیت حاصل نہیں کر سکی۔ ملک کے جاسوسی ادارے قائداعظم کے دور حکومت میں اپنے فرائض ملک کے لئے انجام دیتے تھے لیکن بعد ازاں ان جاسوسی اداروں نے حکومتوں کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ ایک غلط روایت چل نکلی۔ ایک غلط سلسلہ شروع ہو گیا جس نے جمہوری اداروں کو بہت نقصان پہنچایا۔ چونکہ قائداعظم کی وفات کے بعد ہر حکومت پہلے سے زیادہ کمزور اور غیر مقبول ثابت ہوئی اس لئے حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے خفیہ اداروں کو سیاست میں جھونک دیا۔ سیاسی جماعتوں کے خلاف جاسوسی شروع کرا دی گئی۔ حکمران وقت نے خفیہ اداروں کے تمام وسائل سیاستدانوں کی جاسوسی کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ نتیجتاً" آئی ایس آئی میں ایک باقاعدہ پولیٹیکل سیل قائم ہو گیا اور اس خفیہ ادارے کے لئے مختص کئے جانے والے فنڈز پولیٹیکل سیل کے لئے بے دریغ استعمال ہونا شروع ہو گئے۔ آئی ایس آئی جو کبھی ایک چھوٹا سا ادارہ تھا، پھلنے پھولنے لگا۔ اور اس نے اپنے اصل فرائض سے ہٹ کر حکمران وقت کی خواہشات کے مطابق کام کرنا شروع کر دیا۔ میرے نزدیک ملک کو درپیش خطرات -دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول: اندرونی خطرات دوم: بیرونی خطرات۔ یہ دونوں خطرات اگر ملک کو درپیش ہوں تو خفیہ اداروں کو ان کا توڑ نکالنے کے لئے ہر ممکن اقدامات کرنے چاہئیں لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ جمہوری نظام میں اگر کوئی مخالف سیاسی جماعت حکومت کو تنقید کا نشانہ بنائے اور اس کے خلاف تحریک عدم اعتماد لانے کے لئے صلاح و مشورے کرے تو تمام خفیہ اداروں کو ان کے عزائم کو اس طرح کچلنے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا جائے جیسے کسی دشمن نے ملک پر حملہ کر دیا ہے۔ ہاں یہ الگ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی سیاسی جماعت دشمن کے لئے کام کر رہی ہو تو اس کے خلاف کاروائی ہونا چاہئے تاکہ وہ اقتدار میں آکر ملکی سالمیت کے لئے خطرہ نہ بن جائے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ ہر حکمران وقت مخالف سیاسی جماعتوں کو ملک دشمن قرار دیتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ روایت بن گئی ہے کہ اقتدار میں آکر ہمیشہ کے لئے اقتدار پر مسلط رہنے کی کوشش کی جائے۔ اور حکمران اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ خود ان کی وجہ سے جمہوری اداروں کا مستقبل خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اگر جمہوری انداز میں کسی کی حکومت بنتی یا ختم ہوتی ہے تو اس کا سیاسی انداز میں مقابلہ کرنا چاہئے۔ آپ دیکھیں کہ بے نظیر

کی حکومت ختم کرنے کے لئے ایک خفیہ ادارہ کس طرح میاں نواز شریف کے لئے کام کر رہا تھا۔ اپریشن مڈ نائٹ جیکال منظرعام پر آنے سے کیا آئی ایس آئی کی ساکھ کو نقصان نہیں پہنچا؟ میرے خیال میں اب آئی ایس آئی ہمارے ملک میں ایک بہت بڑی قوت بن چکی ہے۔ شاید ہی کسی دوسرے خفیہ ادارے کے پاس اس قدر فنڈز موجود ہوں جس قدر فنڈز اس ادارے کے لئے مختص کئے جاتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ آئی ایس آئی کا سب سے پہلے غلط استعمال ایوب خاں کے دور حکومت میں شروع ہوا۔ ایوب خاں نے 1954ء میں ہی اقتدار میں آنے کے لئے منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ اس مقصد کے لئے اس نے فوج کے ایک ادارے آئی ایس آئی کو خوب استعمال کیا۔ ایوب خاں نے مارشل لا لگانے کے لئے جو حکمت عملی مرتب کی تھی اس میں آئی ایس آئی نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس لحاظ سے آئی ایس آئی نے ایک فوجی جرنیل کے کہنے پر حکومت وقت کے خلاف سازش کی اور آپ دیکھئے بعد ازاں ایوب خاں خود بھی اس سازش کا شکار ہوا جو اس نے غلام محمد کو رخصت کرنے کے لئے تیار کی تھی۔ یحییٰ خاں نے خفیہ اداروں کے ذریعے ہی ایوب خاں کو اقتدار سے محروم کیا۔ یحییٰ خاں کا بھائی 1969ء میں ایک خفیہ ادارے کا اہم رکن تھا جبکہ انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر این اے رضوی اس کے اشارے پر کام کر رہے تھے۔ اس طرح ایک آمر (یحییٰ خاں) نے خفیہ اداروں کے ذریعے دوسرے آمر (ایوب خاں) کی چھٹی کرا دی۔ جہاں تک ملٹری انٹیلی جینس کا تعلق ہے اس کے ذمہ اصل کام دشمن کی قوت کا اندازہ کرنا ہے۔ ایم آئی کے جاسوس دشمن ملک کے ہیڈ کوارٹر میں موجود ہوتے ہیں۔ دشمن کی نیوی' بری اور فضائی فوج میں موجود ہوتے ہیں تا کہ وہ تازہ ترین حالات سے اپنے ملک کو باخبر رکھ سکیں۔ ایم آئی کے جاسوس دشمن کے جنگل منصوبوں کو حاصل کرتے ہیں جبکہ دشمن کے جاسوسوں کا بھی پتہ چلانا ان کی ذمہ داری ہوتا ہے اگرچہ یہ کام فیلڈ انوسٹی گیشن یونٹ جسے ایف آئی یو کہتے ہیں کرتا ہے لیکن ایم آئی کا بھی اس معاملے میں ایک اہم کردار ہے۔ اب آپ دیکھئے ایم آئی نے بے نظیر بھٹو کے خلاف کیا کردار ادا کیا؟ آئی ایس آئی کے ساتھ ساتھ ایم آئی بھی بے نظیر کے خلاف تھی اب یہ باتیں کھل کر سامنے آ رہی ہیں کہ ایم کیو ایم کو کچلنے میں ایم آئی نے اہم کردار ادا کیا۔

راؤ عبدالرشید کا کہنا ہے کہ بھٹو مرحوم کے دور حکومت میں ملٹری انٹیلی جینس بھی ان کے خلاف ہو چکی تھی اور ضیاء الحق نے جب 4 اور 5/جولائی کی درمیانی شب مارشل لا لگایا تو

ملٹری انٹیلی جینس نے اس ضمن میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ مارشل لا کے نفاذ کے بعد ضیاء الحق نے خفیہ اداروں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس نے ملٹری انٹیلی جینس کو بھی سیاستدانوں کی جاسوسی پر لگا دیا۔ آئی ایس آئی نے دفاعی نوعیت کے کام کو پس پشت ڈال کر سیاستدانوں کی جاسوسی شروع کر دی۔ آئی بی نے بھی سیاستدانوں کے خلاف ہر ممکن مواد اکھٹا شروع کر دیا۔ یہ روایت اس قدر مضبوط ہوئی کہ خود ضیاء الحق بھی ایک وقت میں خفیہ اداروں کے سامنے بے بس ہو گیا۔

مجھے یاد ہے کہ 1970ء کے انتخابات کے بعد ذوالفقار علی بھٹو جہاں بھی جاتے تھے انٹیلی جینس بیورو' آئی ایس آئی' ملٹری انٹیلی جینس' نیوی' بری اور ائر فورس انٹیلی جینس کے جاسوس ان کا پیچھا کرتے تھے۔ جب بھٹو مرحوم اقتدار میں آ گئے تو انہوں نے خفیہ اداروں کا قبلہ درست کرنے کی کوشش کی۔ بعد ازاں وہ خود بھی خفیہ اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال سے باز نہ رہ سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملک نیا نیا دولخت ہوا تھا۔ بعض سیاستدان باقی بچ جانے والے پاکستان کے خلاف بھی سازشوں میں مصروف تھے۔ اس لئے بھٹو کو مجبوراً اپنے شروع کے ایام میں سیاستدانوں کی جاسوسی کرانا پڑی۔ مگر پھر یہ سلسلہ طول اختیار کرتا چلا گیا۔ جوں جوں سیاستدان بھٹو کے خلاف سازشیں کرتے چلے گئے' بھٹو مرحوم خفیہ اداروں کا سیاسی استعمال بڑھاتے چلے گئے۔ اس دوران بھٹو کے علم میں کئی باتیں لائی گئیں۔ مثلاً بھٹو کو علم ہو گیا تھا کہ بعض سیاستدانوں کے بھارت کے ساتھ خفیہ روابط ہیں۔ بھٹو کو یہ بھی علم تھا کہ امریکی سفارتخانے کے ساتھ کون کون سے سیاستدانوں کا تعلق ہے۔ بھٹو کو یہ بھی علم تھا کہ کون سے سیاستدان فوج کو اپنی وفاداری کا یقین دلا چکے ہیں۔ بھٹو آج بھی زندہ ہے تو صرف اسی لئے کہ اس نے غریب عوام کی سیاست کی۔ بھٹو نے اگر میرا مشورہ مان لیا ہوتا تو ان کی حکومت اتنی جلدی ختم نہ ہوتی۔ جن دنوں میں سپیشل سیکریٹری تھا اور میرے پاس نیشنل انٹیلی جینس بورڈ کے سیکریٹری کا عہدہ تھا ان دنوں مجھے خفیہ اداروں کی رپورٹوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے خفیہ اداروں کی کارکردگی کو دیکھا۔ ہمارے خفیہ ادارے بہت مضبوط ہیں۔ خفیہ اداروں نے جون 1977ء میں ہی بھٹو کو مارشل لا کے امکان سے آگاہ کر دیا تھا۔ بھٹو کو علم تھا کہ ضیاء الحق نے کور کمانڈروں کو مارشل لا لگانے پر راضی کر لیا ہے۔ بھٹو کو 20/ جون 1977ء کو علم ہو گیا تھا کہ ضیاء الحق نے فوج کے تمام سینئر افسران کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ ملک میں جمہوریت کا بستر گول کر دیا جائے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ بھٹو فوری فیصلہ کرتے۔

خفیہ ادارے۔ بھٹو کو کہہ چکے تھے کہ اپوزیشن سے فیصلہ کن مذاکرات مکمل کرلیں۔ میں نے بطور ڈائریکٹر آئی بی بھٹو کو مشورہ دیا تھا کہ اپوزیشن کے تمام مطالبات تسلیم کرکے اسے اس کی پچ پر ہی شکست دے دی جائے۔ مگر بھٹو کے گرد ایسے افراد بھی موجود تھے جو ضیاء الحق کی سیاست کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے بھٹو سے کہا کہ ضیاء الحق کا تو باپ بھی آپ جیسے عوامی لیڈر کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتا۔ لیکن میں نے بڑی کوشش سے بھٹو کو راضی کر لیا کہ وہ اپوزیشن کے مطالبات تسلیم کرلیں کیونکہ خفیہ اداروں کو رپورٹیں میرے سامنے تھیں۔ میں دیکھ رہا تھا کہ چند ہفتوں کے اندر کیا ہونے والا ہے لیکن بدقسمتی سے سیاستدانوں نے ہی جمہوری عمل کو تباہ کروا دیا۔ بعض اپوزیشن رہنما فوج سے مل گئے اصغرخان' شیرباز مزاری اور نسیم ولی خاں نے ایک سازش کے تحت بھٹو کو اقتدار سے محروم کروا دیا۔ لیکن پھر خود ان کو کیا ملا؟ میں سمجھتا ہوں کہ بھٹو نے بروقت اپوزیشن سے مذاکرات نہ کرکے غلطی کی۔ جون 1977ء کے آخری دونوں میں بطور ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو ممکنہ خطرات کا اندازہ کر چکا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو میرے خیالات سے متفق تھے کہ فوج ان کے خلاف سازش مکمل کر چکی ہے۔ میری فوج سے مراد چند جرنیل ہیں کیونکہ جرنیلوں کا فیصلہ بھٹو کے خلاف تھا اس لئے آئی بی نے بھٹو کو سیاسی حل کے لئے آخری حربہ استعمال کرنے کے لئے تیار کیا۔ بھٹو نے اپوزیشن کے تمام مطالبات تسلیم کر لئے۔ لیکن جیسا کہ ہمیں خطرہ تھا اصغرخان نے عین وقت پر مذاکرات کی کامیابی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ضیاء الحق کا خیال تھا کہ بھٹو اور اپوزیشن کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ چند ہفتے مزید چلے گا لیکن جب اس نے دیکھا کہ کھیل بگڑ رہا ہے تو اس نے ہنگامی بنیادوں پر ملک میں مارشل لا لگا دیا۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ بھٹو اگر چاہتے تو جولائی 1977ء کے شروع میں بھی ضیاء الحق کو برطرف کر سکتے تھے۔ لیکن ایسے فیصلے اس وقت ہوتے ہیں جب حکمران کو عوام کی تائید حاصل ہو اور ملکی نظم و نسق پر اس کا مکمل کنٹرول ہو۔ یہاں تو حالات ہی مختلف تھے۔ عوام سڑکوں پر نکل آئے تھے' سیاستدان بھٹو کے خلاف تھے اور ضیاء الحق تمام کور کمانڈروں کو اپنے خیالات سے آگاہ کر چکا تھا۔ ان حالات میں بھٹو کے نزدیک ضیاء الحق کو ہٹانا آسان کام نہ تھا۔ ویسے بھی بھٹو اس بات سے مطمئن تھے کہ انہوں نے اپوزیشن کو راضی کر لیا ہے۔ اگر بھٹو اور اپوزیشن میں سمجھوتہ ہو جاتا تو ضیاء الحق زیادہ دیر تک COAS کے عہدے پر فائز نہ رہتا۔ کیونکہ ذوالفقار علی بھٹو بھی بہت ذہین شخص تھے۔ ان کے ذہن میں لازمی طور پر کوئی نہ کوئی تو منصوبہ بندی ہوگی۔ ویسے یہ ایک حقیقت ہے کہ بھٹو نے خفیہ اداروں کی تنظیم نو کا فیصلہ کر لیا

تھا اور اس سلسلے میں ایک جامع پلان تیار کر لیا گیا تھا۔ لیکن بد قسمتی سے حالات نے بھٹو کو اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہ دیا۔ راؤ عبدالرشید نے فیڈرل سیکورٹی فورس کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ خفیہ ادارہ بھٹو نے قائم کیا تھا کیونکہ وہ فوج کو بیرکوں کی حد تک رکھنا چاہتے تھے۔ چونکہ ان دنوں اپوزیشن نے بھٹو کے خلاف احتجاجی تحریک شروع کر دی تھی اس لئے انہوں نے مسعود محمود کے تیار کردہ بلیو پرنٹ کی منظوری دے دی اور یوں FSF کا قیام عمل میں آگیا جس نے فوری طور پر اپنا ایک خفیہ سیل بھی قائم کر لیا۔ ایف ایس ایف کے قیام کا جیسا کہ میں نے کہا کہ فلسفہ یہ تھا کہ فوج کو سیاست میں کم سے کم آنے کا موقع دیا جائے اس لئے FSF نے اپوزیشن کو کچلنے کے لئے سخت اقدامات کئے۔ بلکہ بے وقوفی بھی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ احتجاجی تحریک میں پہلے سے زیادہ زور آگیا۔ مسعود محمود نے FSF کو ایک Terrorist فورس میں تبدیل کر دیا۔ جس نے ملک میں بموں کے دھماکے بھی کئے' احتجاجی جلسوں میں گڑ بڑ بھی کروائی مخالفین کے جلسوں میں سانپ بھی چھوڑے گئے' مخالفین پر گولیاں بھی چلائی گئیں۔ یہ سارا کام FSF نے کیا۔ ہم نے FSF کے ایک ایسے اہلکار کو گرفتار کیا تھا جس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ اصغر خاں کو قتل کرے FSF کے اس فیصلے کا انٹیلی جنس بیورو کو بروقت علم نہ ہوتا تو اصغر خان بم کے دھماکہ میں ہلاک ہو چکے ہوتے۔ ویسے تو زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن آئی بی کے جاسوسوں نے FSF کے مذکورہ اہلکار کو پکڑ لیا جو بم چلانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ چونکہ FSF کا عملہ تربیت یافتہ نہ تھا اس لئے اس کے تمام "جرائم" منظر عام پر آگئے ورنہ خفیہ اداروں نے بعد میں کیا کچھ نہ کیا۔

ہاں! یہ بات درست ہے کہ بھٹو کو 1970ء میں اقتدار دلوانے میں فوج اور خفیہ اداروں کا بھی ہاتھ تھا۔ جنرل گل حسن اور جنرل عمر کو اس بات کا بہت رنج تھا کہ یحییٰ خان نے فوج کا وقار مجروح کیا ہے۔ چونکہ سانحہ مشرقی پاکستان کی وجہ سے لوگوں کے دل میں فوج کے خلاف نفرت پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی اس لئے چند جرنیلوں نے یہی بہتر سمجھا کہ یحییٰ خاں کو اقتدار سے محروم کر کے فوج کی ساکھ کو بچا لیا جائے۔ اس ضمن میں ملٹری انٹیلی جنس اور آئی ایس آئی نے اہم کردار ادا کیا۔ خفیہ اداروں نے یحییٰ خاں کو ملک کے ناگفتہ بہ حالات کے بارے میں ایسی خوفناک رپورٹیں ارسال کیں کہ وہ پریشان ہو گیا۔ یحییٰ خاں اس بات سے خوفزدہ تھا کہ کہیں فوج اس کے خلاف سخت ایکشن نہ لے لے۔ اس لئے اس نے انتہائی بے بسی کے عالم میں خود کو اقتدار سے الگ کر لیا۔ دوسری طرف بھٹو کو خفیہ اداروں اور فوج پر مکمل طور پر یقین تھا۔

بھٹو کو یقین نہ تھا کہ امریکہ سے واپسی پر ان کو اقتدار ملے گا یا نہیں گرفتار کرلیا جائے گا۔ بھٹو میں ایک خوبی یہ تھی کہ وہ جمہوری اداروں کو تباہ ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے دوران اقتدار جمہوری اداروں کو مضبوط کرنے کی کوشش کی لیکن نااہل مشیروں نے ان کو ناکام کرایا۔ بھٹو اگر نااہل مشیروں کے چنگل سے نکل جاتے تو وہ ایک طویل عرصہ تک اقتدار میں رہتے۔ اور دیکھیں تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ بے نظیر بھٹو بھی انہی غلطیوں کی وجہ سے حکومت سے محروم ہوئیں جو ان کے والد سے سرزد ہوئیں تھیں یعنی انہوں نے اپنے گرد خوشامد کرنے والوں کو جمع کرلیا۔

راؤ عبدالرشید نے بے نظیر دور حکومت میں خفیہ اداروں کے درمیان چپقلش کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے درمیان چپقلش دونوں اداروں کے سربراہوں کے درمیان نہ تھی بلکہ یہ جھگڑا دونوں اداروں کے بعض افسران کے درمیان تھا۔ بے نظیر نے اقتدار میں آنے کے بعد آئی ایس آئی کا سربراہ جنرل ریٹائرڈ شمس الرحمن کلو کو مقرر کردیا۔ جبکہ آئی بی کا سربراہ نور محمد لغاری کو بنا دیا گیا۔ بدقسمتی سے دونوں خفیہ اداروں کو ابھی تک اس بات کا شک ہے کہ سانحہ مشرقی پاکستان کی ذمہ داری بھٹو خاندان پر عائد ہوتی ہے۔ دونوں خفیہ ادارے پیپلز پارٹی کو ملک دشمن جماعت سمجھتے ہیں۔ جب بے نظیر بھٹو نے آئی ایس آئی اور آئی بی میں اپنے وفادار ساتھیوں کو تعینات کیا تو جھگڑا شروع ہو گیا بے نظیر نے آئی ایس آئی کا سیاسی کردار ختم کرنے کی کوشش کی تو آئی ایس آئی کے حکام پیپلز پارٹی کی حکومت کے درپے ہو گئے۔ اس کے علاوہ بے نظیر نے آئی ایس آئی کے مقابلے میں آئی بی کے لئے فنڈز کی تعداد میں اضافہ کردیا۔ آئی بی کو جدید آلات خریدنے کے لئے دل کھول کر پیسے دیئے گئے۔ چنانچہ آئی ایس آئی اور آئی بی کے درمیان جھگڑا بڑھتا چلا گیا۔ اپریشن مڈنائٹ جیکال کے حوالے سے آئی ایس آئی کا موقف یہ ہے کہ انہیں یہ مشن سونپا گیا تھا کہ ان ارکان اسمبلی کا پتہ چلایا جائے جو پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف سازش میں ملوث ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اپریشن مڈنائٹ جیکال میں حصہ لینے والے دو اہم کرداروں بریگیڈئر امتیاز اور میجر عامر کو نواز شریف کی حکومت نے اعلیٰ عہدوں پر فائز کردیا جس سے پیپلز پارٹی کے دعووں کو سچ ثابت کرنے میں مدد ملی کہ بے نظیر کے خلاف سازش میں آئی ایس آئی کے بعض افسران ملوث ہیں۔ اس کے علاوہ بے نظیر بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد حمید گل کو آئی ایس آئی سے نکال دیا۔ حمید گل اس وقت آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل تھے اور ان کا ایک مقام تھا۔ جہاد

افغانستان کے حوالے سے ان کے کارنامے مشہور تھے۔ اس لئے آئی ایس آئی کے ایک گروپ نے بے نظیر بھٹو کے اس اقدام کو پسند نہ کیا۔ جنرل کلو بھی بے نظیر بھٹو کی اپنی Choice تھی۔ اس کے علاوہ بے نظیر بھٹو کی بعض حرکتوں نے خفیہ اداروں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا۔ راجیو گاندھی کے ساتھ ان کی گفتگو کو خفیہ اداروں نے ٹیپ کر لیا۔ جبکہ اعتزاز احسن پر الزام ہے کہ "انہوں نے بھارتی حکومت کو آئی ایس آئی کے لئے کام کرنے والے سکھوں کی ایک فہرست فراہم کر دی تھی۔ ان الزامات کا ابھی تک پیپلز پارٹی نے Convincing جواب نہیں دیا۔

سابق ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو راؤ رشید کا خیال ہے کہ بعض سیاسی جماعتوں میں ملک دشمن عناصر شامل ہو چکے ہیں اس لئے ایک حد تک خفیہ اداروں کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال ضرورت بن گیا ہے لیکن جو ریت چل نکلی ہے کہ حکومتوں کو بچانے اور اپوزیشن کو کچلنے کے لئے آئی ایس آئی' ایم آئی' آئی بی اور سپیشل برانچ کا غیر ضروری استعمال کیا جائے' اس ریت کو ختم کرنا ہو گا۔ مجھے یاد ہے کہ یحیٰی خان کے دور حکومت میں آئی بی کے ڈائریکٹر این اے رضوی نے کاروباری طبقے سے فنڈز اکٹھے کئے تھے تاکہ یحیٰی خاں کے اقتدار کو بچایا جا سکے۔ یحیٰی خاں نے انٹیلی جینس بیورو کے ذریعے کاروباری طبقے سے لاکھوں روپے حاصل کرنے کے بعد قیوم خاں اور مولانا بھاشانی کو فنڈز فراہم کئے تھے۔ این اے رضوی نے قیوم خاں اور جنرل عمر نے مولانا بھاشانی کو فنڈز دیئے تھے تاکہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن اور مغربی پاکستان میں بھٹو کو اقتدار میں نہ آنے دیا جائے۔ لیکن یحیٰی خاں کے دونوں مقاصد پورے نہ ہو سکے۔ اس میں خفیہ اداروں کی نالائقی بھی شامل ہے کیونکہ خفیہ اداروں کو حالات کا اندازہ نہ ہو سکا۔ چنانچہ ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار میں آنے کے بعد ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو این اے رضوی اور یحیٰی خاں کے بھائی آغا محمد علی کو گرفتار کر لیا گیا۔ آغا محمد علی اور این اے رضوی نے بھٹو کے خلاف ایک سازش کی تھی۔ انہوں نے آئی بی کے بعض افسران کے ذریعے بھٹو کے خلاف جعلی رپورٹیں تیار کروائی تھیں۔ لیکن جب بھٹو اقتدار میں آئے تو انہوں نے ان رپورٹوں کو ضائع کر دیا۔ لیکن پھر بھی این اے رضوی پر یہ الزام ثابت ہو گیا کہ وہ کاروباری طبقے سے فنڈز حاصل کر کے دو اپوزیشن جماعتوں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کو اقتدار سے محروم رکھنے کی سازش کر رہے تھے۔ چنانچہ بھٹو نے این اے رضوی کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کر لیا مگر شاہ ایران نے مداخلت کی اور درخواست کی کہ این اے رضوی کو معاف کر دیا جائے اور ان کو ایران میں سفیر

بھی مقرر کر دیا جائے۔ این اے رضوی چونکہ شیعہ تھے اس لئے ایرانی خفیہ ایجنسی "ساوک" نے ان کا ساتھ دیا۔ ہاں! ایک اور بات یہ ہے کہ یحییٰ خان نے 1970ء کے انتخابات میں دھاندلی کروانے کی بھی کوشش کی تھی لیکن اس کے باوجود مجیب اور بھٹو کامیاب ہو گئے اور یحییٰ خاں کا قیوم لیگ کو ایک بڑی سیاسی جماعت بنوانے کا ارادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ یحییٰ خان نے ایوب خان کے خلاف سازش کے لئے اس وقت کے وزیر داخلہ اے آر خاں (A. R. Khan) کو بھی استعمال کیا تھا۔ این اے رضوی کو یحییٰ خاں نے A. B. Awan کی جگہ تعینات کیا تھا۔ یحییٰ خاں کا خیال تھا کہ 1970ء کے انتخابات کے نتیجے میں دونوں صوبوں کے اندر ایک کمزور حکومت قائم ہو گی اس لئے اسے کچھ ہی عرصہ بعد مداخلت کا موقع مل جائے گا لیکن اس کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکی۔ جن خفیہ اداروں پر وہ بھروسہ کر رہا تھا وہ اس کے خلاف ہو گئے نتیجتاً" اسے اقتدار بھٹو کے حوالے کرنا پڑا۔ یحییٰ خاں کے دور حکومت میں ایک لطیفہ یہ بھی ہوا کہ ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ آئین کا مسودہ تیار کریں۔ چنانچہ ایک عجوبہ یہ بھی ہوا کہ این اے رضوی نے یحییٰ خاں کو آئین کا مسودہ بنا کر پیش کر دیا۔ یحییٰ خاں کے ذہن میں جو منصوبہ تھا اس کے تحت کمزور مجیب اور منقسم مغربی پاکستان اس کو مسند صدارت پر فائز رکھنے میں اہم کردار ادا کریں گے یحییٰ خاں جانتا تھا کہ سیاستدان کا رویہ بالکل ایسے ہو گا جیسے جوتوں میں دال بٹ رہی ہو لیکن انتخابات کے نتائج اس کی توقع کے مطابق نہ نکلے۔ خود بھٹو کو اندازہ نہ تھا کہ اس کو اس قدر کامیابی حاصل ہو گی۔ بھٹو نے مجھے بتایا کہ وہ 30 یا 40 نشستیں جیتنے کی توقع کر رہے تھے لیکن انہیں 85 نشستیں حاصل ہو گئیں۔ اس کی وجہ بھٹو کی پر کشش شخصیت اور ان کا انداز بیان تھا۔ غریب عوام ان کے روپ میں اپنے مسائل کا حل دیکھ رہے تھے۔ لیکن جب مشرقی پاکستان میں Surrender ہو گیا تو یحییٰ خاں کے خلاف فوج میں بغاوت ہو گئی۔ بعض جرنیلوں نے آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کی رپورٹوں کی روشنی میں فیصلہ کیا کہ فوج کو فوری طور پر اقتدار سے الگ ہو جانا چاہئے۔ اور اقتدار سویلین حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔ جنرل گل حسن اور جنرل رحیم کی بھٹو سے پرانی دوستی تھی چنانچہ انہوں نے بھٹو سے رابطہ قائم کر لیا۔ لیکن یحییٰ خاں آخری وقت تک ڈٹا رہا۔"

خفیہ اداروں کے کام کرنے کے طریقہ کار کے بارے میں راؤ رشید نے کہا کہ "میں بعض ایسے معاملات کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا جو ملکی سلامتی کے لئے خطرناک ہو سکتے ہیں لیکن عموماً تمام خفیہ اداروں کے کام کرنے کا طریقہ کار ایک جیسا ہے یعنی خفیہ اداروں کے

مختلف محکموں ' سیاسی جماعتوں اور غیر ملکی سفارتخانوں میں اپنے آدمی داخل کرتے ہیں۔ پاکستان میں موجود تمام ممالک کے سفارتخانے بشمول امریکہ ' برطانیہ ' بھارت ' افغانستان ' روس ' جاپان ' چین ' فرانس ' سعودی عرب وغیرہ کے سفارتی عملے میں ان کے جاسوس بھی شامل ہیں۔ بعض ممالک یعنی امریکہ ' روس ' اسرائیل اور بھارت نے پاکستان میں خفیہ مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ ان ممالک کے جاسوس کسی نہ کسی اہم سیاسی جماعت میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ دشمن ممالک کے جاسوس وزیراعظم ہاؤس ' ایوان صدر ' پارلیمنٹ ہاؤس ' ٹی اینڈ ٹی ' پوسٹ آفس اور پاکستانی سفارتخانوں میں بھی کام کر رہے ہوں۔ خفیہ اداروں کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ اپنے "ذرائع" تلاش کرتے ہیں۔ بد قسمتی سے ہمارے ہاں بعض سیاستدان اور بیورو کریٹس بکنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ چنانچہ ملک کے اہم اور خفیہ راز دوسرے ممالک تک منتقل ہو جاتے ہیں۔ اگر دوسرے ممالک یہ کام کرتے ہیں تو ہم بھی تو مولوی نہیں ہیں۔ ہمارے خفیہ اداروں کے کام کرنے کا طریقہ کار بھی کم وبیش ایسا ہی ہے۔ ویسے میں سمجھتا ہوں کہ امریکی سی آئی اے اس وقت اس پوزیشن میں ہے کہ وہ صدر اور وزیراعظم کے ٹیلی فون سمیت ہر پاکستانی کا ٹیلی فون ٹیپ کر سکے۔ کیونکہ امریکہ کے پاس مواصلات کا جدید نظام موجود ہے۔ اس طرح برطانیہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک نے بھی یہ ٹیکنالوجی حاصل کرلی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے خفیہ ادارے سیٹلائٹ سسٹم کے ذریعے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات ' دفاعی نوعیت کے ٹھکانوں ' ایوان صدر ' وزیراعظم ہاؤس غرض ملک کے کسی بھی حصہ کی تصویر لے سکتے ہیں اور انہوں نے لازمی طور پر ایسا کیا ہوگا۔ آپ یہ مت سمجھیں کہ ہمارا کوئی بھی منصوبہ دشمن کی دسترس سے محفوظ ہے۔ ہمارے ہاں میر جعفر اور میر صادق جیسے افراد کی نہ کمی ماضی میں تھی اور نہ آج ہے۔ میں آپ کو یہ بات وثوق سے بتا دیتا ہوں کہ پاکستان کے ہر سیاستدان کا ٹیلی فون ٹیپ ہوتا ہے ممکن ہے کہ بعض سیاستدانوں کے گھریلو ملازم اور ٹیلی فون آپریٹر بھی خفیہ ایجنسیوں کے لئے کام کر رہے ہیں۔ میرا اپنا ٹیلی فون بھی ٹیپ ہوتا ہوگا۔ لیکن یہ فخر کی نہیں بلکہ رونے کی بات ہے۔ کتنی بد قسمتی ہے کہ ہمارے خفیہ ادارے سیاستدانوں کی جاسوسی کرتے ہیں اور ہم لوگ یہ جانتے ہوئے بھی اس کا برا نہیں مناتے۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ ہمیں علم ہوتا ہے کہ خفیہ والے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں اور کوئی سیاستدان ان کو روک نہیں سکتا یہ پوچھنے کی جرات نہیں کرتا کہ "بھائی تم میرے نجی معاملات میں کس قانون کے تحت مداخلت کر رہے ہو۔" میں یہ جانتا ہوں کہ بعض حکمرانوں کو مخالف سیاستدانوں کے ٹیلی فون سننے کا شوق ہوتا ہے۔ یہ دور ایسا

ہے کہ ہم اکثر معاملات ٹیلی فون پر طے کرتے ہیں۔ اگر کسی سیاستدان کا معاشقہ ہے یا وہ اپنے کسی "چاہنے والے" سے بات کر رہا ہے تو سمجھو کہ اس کی گفتگو ٹیپ ہو کر خفیہ ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے اور پھر اس معاملے میں حکومت مخالفین کو بلیک میل کرتی ہے۔ یہ گھٹیا انداز ہے سیاست کا! امریکی صدر نکسن کو محض اس لئے استعفیٰ دینا پڑا تھا کہ اس نے کسی کی جاسوسی کرائی تھی لیکن ہمارے ہاں یہ شعور ہی نہیں ہے کہ اپنے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ راؤ عبدالرشید نے کہا کہ آئی ایس آئی کے حکام انٹیلی جینس بیورو کے اوپر اور انٹیلی جینس بیورو کے حکام آئی ایس آئی پر سبقت لے جانے کے لئے بے تاب ہیں۔ ایک ایجنسی دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے کام کر رہی ہے کسی سیاستدان کی نجی زندگی محفوظ نہیں ہے۔ خصوصی طور پر سیاستدانوں کی ڈاک ہمیشہ کی طرح آج بھی سنسر ہوتی ہے۔ اہم خطوط کی فوٹو کاپی حاصل کر کے اسے دوبارہ بند کر دیا جاتا ہے اور یہ کام ایسی مہارت سے طے پاتا ہے کہ کسی کو کانوں کان پتہ بھی نہیں چلتا۔ اب آپ دیکھیں کہ ایف آئی اے کا سیاست سے کیا تعلق ہے لیکن یہ ادارہ بھی ایک خفیہ ادارے کی شکل میں تبدیل ہو کر حکمرانوں کے لئے جاسوسی کا کام کر رہا ہے۔ اپوزیشن کو دبانے کے لئے ایف آئی اے اور اینٹی کرپشن کا استعمال اس قدر زیادہ ہے کہ آپ یقین نہیں کریں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خفیہ ادارے ایک ایسا بھی کام کرتے ہیں جس کا حکمرانوں کو علم نہیں ہوتا یعنی خود حکمرانوں کے خلاف مواد پر مبنی بھی ایک فائل تیار ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے ہاں صدر صاحب کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ وزیراعظم کے خلاف کچھ حاصل کر لیں جبکہ وزیراعظم صاحب ہر لمحہ صدر پاکستان کے خلاف جاسوسی کروانے میں مصروف رہتے ہیں۔ جبکہ دوسرے خفیہ ادارے بھی ایک دوسرے پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ سلسلہ برسوں کی طرح آج بھی جاری ہے۔ اب دیکھیں جس دن ضیاء الحق کو شک ہوا کہ بھٹو ان کے ٹیلی فون ٹیپ کروا رہا ہے اور اس کی پل پل جاسوسی کی جا رہی ہے' وہ بہت برہم ہوا اور بھٹو صاحب سے نہایت منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شکوہ کیا کہ انٹیلی جینس بیورو کے حکام میری جاسوسی کر رہے ہیں۔ ضیاء الحق نے اس سلسلے میں بھٹو کو ثبوت فراہم کئے چنانچہ مئی 1977ء میں بھٹو نے اکرم شیخ کو آئی بی کے ڈائریکٹر کے عہدے سے ہٹا دیا۔ ضیاء الحق نے بھٹو کو کہا تھا کہ جناب اگر آپ کو مجھ پر یقین اور اعتماد نہیں ہے اور میری وفاداری آپ کے نزدیک مشکوک ہو گئی ہے تو مجھے بطور COAS فارغ کر دیں۔ لیکن بھٹو مرحوم چونکہ یہ کام کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے اس لئے انہوں نے اکرم شیخ کو ان کے عہدہ سے ہٹا دیا اور بظاہر احکامات جاری کر دیئے کہ ضیاء الحق کی

جاسوسی نہ کی جائے لیکن یہ سلسلہ 4 اور 5/ جولائی کی درمیانی شب تک جاری رہا۔ جہاں تک قومی معاملات کا تعلق ہے کوئی بھی آفیسر جسے ملک سے محبت ہو وہ اس سے روگردانی نہیں کرتا۔ میں نے ضیاء الحق پر کڑی نظر رکھی اور مجھے معلوم تھا کہ ضیاء الحق "ملٹری آپشن" استعمال کرے گا۔ میں نے بھٹو کو اس بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن اپوزیشن کے عدم تعاون کی وجہ سے جمہوریت کا پودا اکھڑ گیا۔ بھٹو مرحوم اگر چاہتے تو ایوب خاں کی طرح اقتدار فوج کے حوالے کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ضیاء الحق کو کہہ دیا تھا کہ "میں ایوب خاں یا یحییٰ خاں نہیں بنوں گا۔" بھٹو نے آئین کی حفاظت کے لئے اپنی حکومت کو خطرے میں ڈال دیا۔ بھٹو پر دباؤ تھا کہ وہ اقتدار فوج کے حوالے کر دیں اور خصوصی طور پر آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس نے سول حکومت کے خلاف سازش تیار کر لی تھی جس کا مرکزی کردار ضیاء الحق خود تھا۔ اور آپ دیکھیں آج کیا ہے؟ آج بھی سول حکومت سیاستدانوں کی جاسوسی کروا رہی ہے۔ میرا نہیں خیال کہ خفیہ اداروں کی سیاسی امور میں مداخلت اب اتنی آسانی سے ختم ہو گی۔"

ذوالفقار رپورٹ

بے نظیر بھٹو جب اقتدار میں آئیں تو انہوں نے ایک اہم کام یہ کیا کہ آئی ایس آئی کے سربراہ حمید گل کو تبدیل کر کے ان کی جگہ شمس الرحمن کلو کو آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر جنرل مقرر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ کو تبدیل کر کے نور لغاری کو ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو مقرر کر دیا۔ چونکہ راؤ عبدالرشید ان دنوں بے نظیر بھٹو کے مشیر برائے اسٹیبلشمنٹ ڈویژن تھے اس لئے بے نظیر بھٹو نے ان کی صلاحیتوں کا فائدہ اٹھانے کی غرض سے انہیں سیکرٹ سروس میں اہم عہدہ دینے کی پیشکش کی جسے راؤ عبدالرشید نے ٹھکرا دیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ماضی کی طرح پی پی پی کی حکومت بھی خفیہ اداروں سے سیاسی کام لے گی جو وہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ تاہم راؤ عبدالرشید نے بے نظیر بھٹو کو اس بات پر قائل کر لیا کہ وہ خفیہ سروس کے اداروں کی تنظیم نو کریں۔ اس مقصد کے لئے راؤ عبدالرشید نے بے نظیر بھٹو کو متعدد تجاویز پیش کیں جن سے محترمہ نے اتفاق کیا اور یوں ائرمارشل ذوالفقار احمد کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ راؤ عبدالرشید چونکہ خود بھی ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو رہ چکے تھے اس لئے انہوں نے ایم اے کے چوہدری سے رابطہ قائم کیا جو بھٹو دور حکومت میں سیکریٹری داخلہ تھا اور بعد ازاں ضیاء الحق کے دور حکومت میں انہیں ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو مقرر کیا گیا۔ جن دنوں ایم اے کے چوہدری کو ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو کے عہدے پر تعینات کیا گیا اس وقت ان کے بھائی جسٹس یعقوب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس تھے۔

ایم اے کے چوہدری نے آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے ہیڈ آفس میں بیٹھ کر

دونوں اداروں کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ انہوں نے شمس الرحمن کلو اور نور لغاری سے جو ان دنوں بالترتیب آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ تھے' ملاقاتیں کیں۔ اس کے علاوہ ذوالفقار کمیٹی کے ارکان نے خفیہ سروس کے حاضر اور ریٹائرڈ افسران و ملازمین سے گفت و شنید کرکے ان کے مسائل کے بارے میں آگاہی حاصل کی۔ دوسری طرف ائرمارشل ذوالفقار علی ملٹری انٹیلی جینس نیول انٹیلی جینس' ائرفورس اور بری فوج کی انٹیلی جینس ایجنسیز کی کارکردگی کا جائزہ لے کر ان اداروں کی تنظیم نو کے لئے سفارشات مرتب کیں۔ اس کے علاوہ ائرپورٹ سیکورٹی فورس' سپیشل برانچ اور سی آئی اے کی کارکردگی کو بہتر بنانے اور ان کا سیاسی کردار محدود کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ذوالفقار کمیٹی کے ارکان کی تجاویز کو ایم اے کے چوہدری نے ایک رپورٹ کی شکل میں ترتیب دیا۔ یہ رپورٹ بعد ازاں وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو پیش کی گئی۔ ذوالفقار رپورٹ میں ملک کی تمام خفیہ سروس کے اداروں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے بعد ان اداروں کی تنظیم نو کے لئے انقلابی اقدامات تجویز کئے گئے تھے۔ ذوالفقار کمیٹی نے خفیہ سروس کے اداروں کے سیاسی کردار کو ختم کرنے کی سفارش کی تھی۔ خصوصی طور پر کمیٹی کا موقف تھا کہ ملٹری انٹیلی جینس' آئی ایس آئی اور فوج کے دیگر اداروں کو سیاست سے دور رہنا چاہئے۔ جبکہ سیاستدانوں کی جاسوسی کرنا اگر مقصود بھی ہے تو یہ کام انٹیلی جینس بیورو اور سپیشل برانچ سے لیا جائے۔ لیکن ان اداروں کا بھی سیاسی کردار محدود ہونا چاہئے۔ تاہم گل حمید کا کہنا ہے کہ وہ آئی ایس آئی کے سیاسی کردار کو ختم کرنے کے حق میں تھے جبکہ جنرل نصیراللہ بابر نے انہیں کہا تھا کہ ایسا مت کریں۔

ذوالفقار کمیٹی کی سفارشات میں یہ بھی شامل تھا کہ خفیہ سروس کے اداروں کو دشمن کے خلاف استعمال کیا جائے اور اپوزیشن کو دشمن سمجھنے کی روش ترک کردی جائے کیونکہ مجموعی طور پر اپوزیشن ملک دشمن نہیں ہے۔ اگر سیاسی جماعتوں میں چند غیر ملکی ایجنٹ داخل ہو گئے ہیں تو ان کے خلاف انفرادی حیثیت میں ایکشن لینا چاہئے۔ کمیٹی نے سفارش کی تھی کہ خفیہ سروس کے اداروں کا اپنے ہی آدمیوں کے خلاف سیاسی مقاصد کے لئے استعمال ختم ہونا چاہئے۔ آئی ایس آئی' ملٹری انٹیلی جینس اور انٹیلی جینس بیورو کے تنظیمی ڈھانچے میں تبدیلی کے لئے جو سفارشات پیش کی تھیں ان میں سے 2 فیصد پر بھی ابھی عمل درآمد نہیں ہوا تھا کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کا بستر گول کردیا گیا کیونکہ تینوں خفیہ سروس کے ادارے' ملٹری انٹیلی جینس' آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو حکومت کے اقدامات کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ذوالفقار

کمیٹی نے ملٹری انٹیلی جینس ' آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کی سیاسی معاملات میں مداخلت کی تصدیق کی تھی اور کمیٹی کی یہ متفقہ رائے تھی کہ خفیہ سروس کے تینوں اداروں نے ماضی میں الیکشن کے نتائج پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی تھی۔ ذوالفقار کمیٹی نے ایک سنٹرل سیکریٹریٹ قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی تاکہ خفیہ سروس کے ادارے اپنی رپورٹیں سنٹرل سیکریٹریٹ کو ارسال کریں اور سینٹرل سیکریٹریٹ کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ کون سا خفیہ ادارہ کس مشن پر کام کر رہا ہے۔ کمیٹی کی رائے تھی کہ خفیہ سروس کے اداروں کو اپنے ٹارگٹ مقرر کرنا چاہئیں اور کچھ عرصہ بعد سنٹرل سیکریٹریٹ کو یہ بات جاننے کا اختیار حاصل ہونا چاہئے کہ جس خفیہ ادارے کو جو ٹارگٹ دیا گیا تھا وہ پورا ہوا ہے یا نہیں۔ اور اگر کوئی ٹارگٹ پورا نہیں ہو سکا تو اس کی وجہ کیا ہے۔ وہ کون سے عوامل ہیں جو مذکورہ ٹارگٹ کی تکمیل میں ناکامی کا سبب بنے۔ اس تجویز کا مقصد یہ تھا کہ خفیہ اداروں پر "چیک" رہے۔ اور وہ شتر بے مہار کی طرح اپنی مرضی سے کاروائی نہ کرتے پھریں۔

تاہم تینوں خفیہ سروس کے اداروں نے ذوالفقار کمیٹی کی رپورٹ کو مسترد کر دیا اور حد تو یہ ہے کہ آئی ایس آئی' ملٹری انٹیلی جینس اور انٹیلی جینس بیورو کے اعلیٰ حکام ذوالفقار کمیٹی میں شامل افراد کے خلاف ہو گئے۔ خصوصی طور پر ائر مارشل ذوالفقار کے بارے میں آئی ایس آئی کے ایک سینئر آفیسر کا موقف ہے کہ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ ذوالفقار کمیٹی کی رپورٹ کو ایک خفیہ دستاویز قرار دے کر اس کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی اور حد تو یہ ہے کہ رپورٹ مرتب کرنے والے افراد کے پاس بھی اس کی کاپی نہیں ہے۔ انٹیلی جینس بیورو نے ایم اے کے چوہدری کے پاس ذوالفقار کمیٹی کی رپورٹ کی کاپی واپس لے لی۔ ائر مارشل ذوالفقار کے پاس بھی رپورٹ کی کاپی نہیں ہے۔

ذوالفقار کمیٹی کی رپورٹ میں یہ تجویز بھی شامل تھی کہ خفیہ اداروں کی کارکردگی پر نظر رکھنے کی غرض سے قائم ہونے والی کمیٹی میں اپوزیشن سے تعلق رکھنے والے سیاستدانوں کو بھی شامل کیا جائے۔ واضح رہے کہ بھٹو مرحوم نے خفیہ سروس کے اداروں کی تنظیم نو کے لئے ایم اے کے چوہدری کی بھی خدمات حاصل کی تھیں۔ اور جن دنوں ذوالفقار علی بھٹو کے مقرر کردہ ماہرین خفیہ سروس کے اداروں پر قابو پانے کے لئے سفارشات مرتب کرنے میں مصروف تھے' ان دنوں آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل غلام جیلانی خاں' بھٹو کو اس بات پر آمادہ کرتے رہے کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ بھٹو نے اپنی کتاب "اگر مجھے قتل کر دیا گیا" میں لکھا ہے کہ غلام

جیلانی خاں ان سے خفیہ سروس کے اداروں کی تنظیم نو کے حوالے سے گرما گرم بحث کیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ذوالفقار علی بھٹو نے خفیہ سروس کے اداروں کی تنظیم نو کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا' غلام جیلانی خاں ان کے ساتھ تھے۔ ذوالفقار کمیٹی یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ خفیہ سروس کے ادارے حکومت پر اعتبار کیوں نہیں کرتے! کمیٹی نے آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل سے بھی اس ضمن میں تجاویز طلب کی تھیں۔ جنرل حمید گل نے ایم اے کے چوہدری اور ائر مارشل ذوالفقار کو آئی ایس آئی کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے اپنی تجاویز سے آگاہ کیا تھا۔ جنرل حمید گل خفیہ سروس کے اداروں کو ایک سنٹرل سیکرٹیریٹ کی نگرانی میں دینے کے خلاف تھے اور ان کا خیال تھا کہ خفیہ سروس کے اداروں کو براہ راست وزیر اعظم کے ماتحت کام کرنا چاہئے۔ ذوالفقار کمیٹی نے خفیہ سروس کے اداروں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے جو تجاویز پیش کی تھیں ان میں ان اداروں سے منسلک جاسوسوں کی پیشہ ورانہ اہلیت میں اضافے کے لئے ان کی جدید طرز پر ٹریننگ کو لازمی قرار دینا بھی شامل تھا کیونکہ موجودہ حالات میں روایتی طریقے سے جاسوسی کرنا مناسب نہیں۔ اور ٹیلی فون کے ذریعے رابطوں کو سب سے کمزور طریقہ جاسوسی سمجھا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب خفیہ سروس کے ادارے سائنسی آلات کے ذریعے جاسوسی کرواتے ہیں۔ کمروں کے اندر انتہائی چھوٹے سائز کے ایسے آلات نصب کر دیئے جاتے ہیں جن کی مدد سے وہاں ہونے والی گفتگو کو باآسانی سنا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ متعلقہ شخص کی مصروفیات کے حوالے سے ویڈیو فلم بنانا بھی کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ ڈیجیٹل ٹیلی فون سروس کی وجہ سے آپ دنیا کے کسی بھی ملک میں بیٹھ کر کوئی بھی ٹیلی فون کال سن سکتے ہیں۔ ٹرانسیٹر یا وائرلیس کے ذریعے ہونے والی گفتگو کو باآسانی سنا جا سکتا ہے۔ سیٹلائٹ نظام کے ذریعے کسی بھی ملک کی کسی بھی سڑک یا گلی سے گزرنے والی کار میں بیٹھے ہوئے افراد پر نظر رکھی جا سکتی ہے۔ غرض جاسوسی کا نظام انتہائی جدید ہو گیا ہے لیکن ہمارے خفیہ سروس کے بعض ادارے آج بھی جلسے جلوسوں میں ہاتھ میں قلم کاغذ پکڑے تقریریں نوٹ کرتے نظر آئیں گے۔ حالانکہ وہ انتہائی فاصلے پر بھی بیٹھ کر یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ سپیشل برانچ اور حتیٰ کہ انٹیلی جینس بیورو میں ایسے افراد بکثرت موجود ہیں جن کی شکل سے دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ ان کا تعلق خفیہ سروس یا پولیس سے ہے۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ذوالفقار کمیٹی نے اس امر کی سفارش کی تھی کہ خفیہ سروس کے اداروں میں بھرتی کا معیار بہتر بنایا جائے اور ان

اداروں سے منسلک افراد کی ٹریننگ کا بندوبست کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک انتہائی اہم یہ تجویز بھی تھی کہ خفیہ سروس کے اداروں میں "ڈیپوٹیشن پر بھجوا دیا جاتا ہے۔ انٹیلی جینس بیورو کے رولز میں ذکر ہے کہ اس ادارے کا سربراہ پولیس سروس میں سے لیا جائے گا اور اگر مجبوراً کسی آدمی آفیسر کا بطور ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو تقرر کرنا ضروری ہے بھی تو یہ تقرری ایک سال کے لئے ہوگی۔ لیکن جب اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت معرض وجود میں آئی تو بریگیڈئر امتیاز انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر بنا دیئے گئے۔ ذوالفقار کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں انٹیلی جینس بیورو کے اعلیٰ عہدوں پر افسران کی تعیناتی کے مسئلہ کو بہتر بنانے پر بھی غور کیا تھا۔ ذوالفقار کمیٹی کی ایک اور انتہائی اہم سفارش یہ تھی کہ خفیہ سروس کے سول اداروں کو سول معاملات کے لئے استعمال کیا جائے اور فوج کے خفیہ اداروں سے سول نوعیت کے کام نہ لئے جائیں۔ لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ آئی ایس آئی پر سول حکومت کا کنٹرول ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ملٹری انٹیلی جینس جو ایک چھوٹا سا ادارہ ہوتا تھا' آج ایک ٹھیک ٹھاک خفیہ سروس کے ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے اور یہ ادارہ اپنے کاموں سے ہٹ کر سیاسی امور میں بھی مسلسل مداخلت کر رہا ہے۔ عملی طور پر ذوالفقار کمیٹی کی سفارشات کو ایک فائیل میں محفوظ کر کے کسی الماری میں بند کیا جا چکا ہے اور اس کمیٹی کی سفارشات پر عمل درآمد کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

سپیشل برانچ

1957ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے ایک خفیہ ادارے کے قیام کی ضرورت محسوس کی۔ 1835ء میں انگریزوں نے ٹھگوں کی سرگرمیوں پر قابو پانے کے لئے ”اینٹی ٹھگی“ ڈکیتی ڈیپارٹمنٹ قائم کیا۔ کیونکہ ان دنوں ٹھگوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور وہ سادہ لوح افراد کو بہلا پھسلا کر لوٹ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اینٹی ٹھگی ڈکیتی ڈیپارٹمنٹ کے عملے نے سادہ کپڑوں میں ملک کے مختلف حصوں میں گشت شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے ٹھگوں پر قابو پانے میں مدد ملی۔ 1902ء میں ایک انگریز آفیسر فریزر نے خفیہ معلومات کے حصول کے لئے ایک الگ محکمہ قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ حکومت کو باغیوں اور سرکش افراد کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں۔ چنانچہ 1907ء میں سی آئی ڈی کے نام سے ایک خفیہ ادارے کا قیام عمل میں آگیا۔ اس وقت سی آئی ڈی کو زیادہ تر مجرموں کے بارے میں تفتیش کرنا ہوتی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا اور یوں سی آئی ڈی کے جاسوس برصغیر کی سیاسی جماعتوں میں شامل ہو کر اندر کی خبریں حاصل کرنے لگے۔ قیام پاکستان کے بعد سی آئی ڈی کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔ 1955ء میں اس کے دو حصے کر دیئے گئے۔ ایک حصے کا نام سپیشل برانچ اور دوسرے کا کرائمز برانچ رکھ دیا گیا۔

سپیشل برانچ ایک صوبائی خفیہ ادارہ ہے جس کا سربراہ ایڈیشنل آئی جی پولیس ہوتا ہے جو کہ آئی جی پولیس کے سامنے جوابدہ ہے۔ اس لحاظ سے سپیشل برانچ پولیس کی ایک برانچ ہے۔

سپیشل برانچ کے چار شعبے ہیں۔ڈی آئی جی کی سطح کا آفیسران کا سربراہ ہوتا ہے۔ان میں ڈی آئی جی سپیشل برانچ ہیڈکوارٹر' ڈی آئی جی سیکورٹی' ڈی آئی جی اینٹی ٹیررسٹ سیل اور ڈائریکٹر ریسرچ شامل ہے۔ سپیشل برانچ پنجاب میں 4 ریجن ہیں جبکہ ایک ذیلی ریجن بہاولپور ہے جو ملتان ریجن کے ماتحت کام کرتا ہے۔ ہر ریجن کا سربراہ ایک ایس پی ہوتا ہے۔لاہور ریجن میں گوجرانوالہ' سیالکوٹ' قصور' اوکاڑہ اور نارووال شامل ہیں۔ راولپنڈی ریجن میں پنڈی' جہلم' گجرات' کیمبل پور' چکوال اور اسلام آباد شامل ہیں ملتان ریجن میں ساہیوال' خانیوال' وہاڑی' ملتان' مظفر گڑھ۔ فیصل آباد ریجن میں سرگودھا' فیصل آباد جھنگ' ٹوبہ ٹیک سنگھ' میانوالی' بھکر اور خوشاب شامل ہیں۔

سپیشل برانچ : نئے دور میں پرانے انداز

دنیا بدل گئی' انسان کو چاند پر پہنچے زمانے گزر گئے' لیکن نہ بدلا تو سپیشل برانچ کا انداز جاسوسی نہ بدلا۔ حکومتی پارٹی یا اپوزیشن کی کسی سیاسی جماعت کا جلسہ ہو یا کسی مزدور تنظیم یا سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی تقریب' غرض موقع کوئی بھی ہو اگر آپ کو وہاں کالی یا سانولی رنگت کے افراد ہاتھ میں کاغذ قلم لئے یا پولیس کی روایتی رعونیت چہرے پر سجائے سادہ کپڑوں میں ملبوس کھڑے نظر آئیں تو سمجھ لیں کہ وہ سپیشل برانچ کے ملازمین ہیں جن کو ایک میل کے فاصلے سے پہچانا جا سکتا ہے۔ جاسوسی کے کام کرنے کے یہ ماسٹر ہیں۔ میں نے انہیں لاہور کی سب سے زیادہ معروف سڑک شاہراہ قائداعظم پر احتجاجی مظاہروں کے دوران لوگوں کو پکڑتے دیکھا ہے لیکن اس کے برعکس سپیشل برانچ کے سربراہ کو دیکھیں تو آپ کو گمان بھی نہیں گزرے گا کہ اس شخص کا پولیس کے کسی محکمہ سے تعلق ہو سکتا ہے۔ ایڈیشنل آئی جی سپیشل برانچ ضیاء الحسن کو ہی لے لیں۔ سپریم کورٹ میں مرزا اسلم بیگ کے خلاف توہین عدالت کے کیس میں جب عدالت نے لاہور کے صحافیوں کو سپریم کورٹ راولپنڈی طلب کیا تو تب اتفاق سے ضیاء الحسن بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن کسی کو ان کے چہرے کو دیکھ کر علم نہ ہو سکا کہ یہ شخص سپیشل برانچ کا سربراہ ہے۔ حیرت ہے کہ ایک ہی محکمہ کے سربراہ اور نچلے درجے کے ملازمین میں کس قدر تضاد ہے۔

سپیشل برانچ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ خفیہ سروس کا یہ ادارہ انگریزوں نے برصغیر پر قبضہ کرنے کے بعد 1907ء میں قائم کیا تھا۔ اس سے قبل مغل حکمرانوں نے بھی جاسوسی کا شعبہ قائم کر رکھا تھا جس میں معمولی ردو بدل کر کے انگریزوں نے اسے سپیشل برانچ کی شکل دے دی۔ ان دنوں سپیشل برانچ کو جو چارٹر دیا گیا تھا اس کا واحد مقصد انگریزوں کے خلاف ہونے والی سازشوں کا پتہ چلانا اور ان سازشوں میں مصروف افراد کے خلاف انتہائی سخت ایکشن لینا تھا۔ چونکہ انگریزوں کا مقصد برصغیر پاک وہند پر زیادہ سے زیادہ دیر تک حکومت کرنا تھا اس لئے انہوں نے ہر وہ اقدام کیا جس سے ان کے اقتدار کو طوالت مل سکے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سپیشل برانچ میں جو ملازمین بھرتی کئے ان کی پہلے اچھی طرح برین واشنگ کی۔ سپیشل برانچ کے زیادہ تر افسران انگریز ہوتے تھے جبکہ دیگر ملازمین میں ہندوؤں' سکھوں اور اٹوٹ بھارت کے حامی مسلمان شامل تھے۔ لیکن حیرت ہے کہ سپیشل برانچ میں آتے ہی ہندو' مسلمان اور سکھ ملازمین تاج برطانیہ کے وفادار بن جاتے تھے اور وہ ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کے لئے اپنے ہی ملک کے باسیوں کے خلاف ظالمانہ اقدامات کرنے میں ذرا سا بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان لوگوں نے محض شک کی بنیاد پر اپنے بے شمار ہم وطنوں کو پھانسی پر چڑھا دیا یا انہیں طویل عرصے تک قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار رکھا۔

سپیشل برانچ کے ملازمین وافسران کی انگریزوں کے دور میں سوچ یہ تھی کہ جس شخص کو کسی خفیہ اطلاع کی بنیاد پر پکڑا جائے' اس سے اعتراف جرم کروانے کے لئے ہر قسم کا حربہ استعمال کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تشدد سے بچنے کے لئے بعض افراد ایسے جرائم بھی قبول کر لیتے تھے جن کا ارتکاب تو کجا انہوں نے ان کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہوتا تھا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی طاقت کو کچلنے کے لئے سپیشل برانچ کا بھرپور استعمال کیا۔ انگریز اس دور میں کمیونسٹوں سے خوفزدہ تھے۔ انہوں نے کمیونسٹوں کو ہندوستان سے نکالنے اور ان کے کمیونسٹ ممالک کے ساتھ رابطوں کا پتہ چلانے کے لئے جو اقدامات کئے وہ ایک طویل اور لمبی داستان ہے اور سپیشل برانچ کا ریکارڈ اس ضمن میں دستاویزات سے بھرا پڑا ہے۔ تاہم افسوس کی بات یہ ہے کہ جب انگریزوں نے مغلیہ سلطنت کے آخری حکمران بہادر شاہ ظفر کو بھی قید کر کے انہیں جلاوطن کر دیا اور مغل خاندان کو بے آبرو کر دیا تو انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن لوگوں نے انگریزوں کے خلاف مغلوں کا ساتھ دیا تھا' ان کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ چاندنی چوک اور ہندوستان کے دیگر مقامات پر حریت پسندوں کو سرعام پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ غرض

انگریزوں کے دور حکومت میں مسلمانوں پر اس قدر ظلم ہوئے جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی جدوجہد لازمی طور پر کامیاب ہو جاتی مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کے جاسوسوں نے اس ضمن میں اہم کردار ادا کیا اور مسلم افواج کے پاس موجود جنگی ہتھیاروں وغیرہ کے بارے میں انگریزوں کو ایسی معلومات فراہم کر دیں جس کے بعد انگریز فوج کے حوصلے بڑھ گئے اور دہلی پر مسلمانوں کا قبضہ ختم ہو گیا۔ بعد ازاں جب ہندوستان میں تحریک آزادی شروع ہوئی تو اس کو کچلنے میں سپیشل برانچ نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ ریشمی رومال کی تحریک ہو یا سر سید احمد خاں کے منصوبے' قائداعظم محمد علی جناح کی منصوبہ بندی ہو یا کانگریس کی چالیں' غرض انگریز ہر معاملے سے محض اس لئے آگاہ ہو جاتے تھے کہ انہوں نے اپنے جاسوس اہم شخصیات کے ارد گرد پھیلا رکھے تھے۔ حریت پسندوں کی تنظیموں میں انگریزوں کے جاسوس گھس گئے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے باشندوں کو ایک لمبے عرصہ تک آزادی کی جنگ لڑنا پڑی۔

تقسیم ہند کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ سپیشل برانچ جسے سی آئی ڈی کے نام سے جانا جاتا تھا' کی تنظیم نو ہوتی اور اس سے منسلک ملازمین کی اس طور پر تربیت کی جاتی کہ وہ عوام کو انگریزوں کی طرح اپنا دشمن نہ سمجھتے۔ دوسری طرف ظلم یہ ہوا کہ قائداعظم کو صرف ایک سال تک امور مملکت چلانے کا موقع ملا۔ اس کے بعد وہ شدید بیمار ہو گئے اور بیماری کی حالت میں وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ قائداعظم کی وفات کے بعد جتنے بھی حکمران آئے انہوں نے خفیہ سروس کے اداروں بشمول سپیشل برانچ' اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے استعمال کیا۔ خفیہ سروس کے اس ادارے کے سربراہ حکمران وقت کے پٹھو بنے رہے۔ سپیشل برانچ کا کردار صرف حکمرانوں کے مفادات کے تحفظ تک محدود ہو کر رہ گیا۔ یہ صورت حال بگڑتے بگڑتے بھٹو کے دور حکومت میں اس قدر خراب ہوئی کہ سپیشل برانچ کے اہلکاروں نے اپوزیشن سے تعلق رکھنے والے کارکنوں اور سیاسی رہنماؤں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ بھٹو کا دور حکومت اس لحاظ سے بدنام ترین دور حکومت تھا کہ اس دور میں سپیشل برانچ نے مخالف سیاسی کارکنوں کو گرفتار کیا' سیاسی کارکنوں اور رہنماؤں کے اہل خانہ کو شرمناک تشدد کا نشانہ بنایا' ہر سیاسی جماعت میں سپیشل برانچ کے کارندے گھس گئے۔ غرض ہر طرف قیامت بپا تھی اور سپیشل برانچ بھٹو کے اقتدار کو بچانے کے لئے کوشاں تھی۔ رہی سہی کسر ضیاء الحق کے مارشل لا نے پوری کر دی۔ ضیاء دور حکومت میں سپیشل برانچ نے تشدد بربریت کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ

دیئے کسی میں اتنی جرات نہ تھی کہ ضیاء کے خلاف کوئی بات کرتا۔ سرکاری محکمہ ہو یا نجی ادارہ' سیاسی پارٹی ہو یا ضلاعی تنظیم' تعلیمی ادارے ہوں یا ہسپتال غرض کوئی ایسا شعبہ نہ تھا جہاں سپیشل برانچ کے کارندوں کو جاسوسی کے لئے معمور نہ کیا گیا ہو۔ لیکن بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ ضیاء الحق کا تمام تر تشدد عوام کی آواز کو نہ دبا سکا۔ ایم آر ڈی نے مزاحمتی تحریک شروع کی ملک میں مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چاروں صوبوں میں موجود سپیشل برانچ کے اہلکار سیاسی کارکنوں کا پیچھا کرتے رہے۔ لیکن اس تحریک کو جتنا دبایا گیا' یہ تحریک اتنی ہی بڑھتی چلی گئی۔ اگر بھٹو سپیشل برانچ کے ذریعے پی این اے کی تحریک کو نہیں دبا سکا تھا تو ضیاء الحق ایم آر ڈی کی تحریک کو نہ کچل سکا۔ ایم آر ڈی کی تحریک تو کامیاب ہو گئی لیکن تحریک سے منسلک ایک بڑی جماعت پی پی پی کے دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ اختلافات نے اس کے ثمرات کو ضائع کر دیا۔ یوں ایم آر ڈی کی تحریک کامیاب ہونے کے باوجود بھی ناکام رہی۔ ایم آر ڈی میں جماعتوں نے 1985ء کے انتخابات میں حصہ نہ لیا اور یوں جونیجو اقتدار میں آ گئے۔

سپیشل برانچ کا جب برطانوی دور حکومت میں قیام عمل میں آیا تو اس کے چارٹر میں مخصوص باتیں رائج تھیں۔ لیکن بعد ازاں وقت کے ساتھ ساتھ اس ادارے نے جو سیاسی کردار ادا کیا' وہ اس کے چارٹر کا حصہ نہ تھا۔ سپیشل برانچ کے اہلکار انگریز آقاؤں کو ہر مشکوک شخص کی حرکات و سکنات سے باخبر رکھتے تھے۔ غرض اگر کوئی مسلمان حج پر جاتا یا کوئی ہندو یا سکھ اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے اپنے شہر سے باہر نکلتا تو اس کا پیچھا کیا جاتا۔ اور حکومت کو متعلقہ شخص کی پل پل کی مصروفیات سے باخبر رکھا جاتا۔ اس دور حکومت میں سپیشل برانچ کے ایجنٹ کانگریس' مسلم لیگ اور دوسری مذہبی جماعتوں میں گھسے ہوئے تھے یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض ایسے سیاسی کارکن اور رہنما جن کے بارے میں یہ عام تاثر ہے کہ انہوں نے اپنی جماعت کی خاطر قید وغیرہ کی صعوبتیں برداشت کی تھیں' وہ حقیقت میں سپیشل برانچ کے ایجنٹ تھے اور ایک طے شدہ منصوبے کے تحت انہیں جیل میں پہنچایا گیا تھا۔

سپیشل برانچ کا سیاسی کردار

سپیشل برانچ واحد خفیہ ادارہ ہے جو صوبوں کی براہ راست تحویل میں ہے اور متعلقہ صوبے کا وزیر اعلیٰ اس ادارے سے مختلف کام لیتا ہے۔ سپیشل برانچ کے قیام کی جتنی اشد ضرورت برطانوی دور حکومت میں تھی' اس کی موجودگی اس سے کچھ زیادہ ضروری آج کے دور میں ہے کیونکہ دشمن ملک کے جاسوسوں کی پاکستان کے اندر سرگرمیاں خطرناک حد تک بڑھ چکی ہیں۔ موجودہ حالات میں جبکہ سپیشل برانچ کو ملکی سلامتی کے حوالے سے اہم منصوبوں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ حکمران وقت اسے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

سپیشل برانچ کیا ہے؟ اس کے کام کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟ کیا یہ کوئی سیاسی کردار ادا کر رہی ہے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے جب میں نے سپیشل برانچ کے ایک ڈی آئی جی تنویر حمید کے ساتھ رابطہ قائم کیا تو انہوں نے اس موضوع پر بات کرنے کی بجائے بین الاقوامی امور پر گفتگو شروع کردی۔ اور کافی وقت ضائع کیا۔ اس کا مطلب صاف تھا کہ وہ میری پسند کے موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتے۔ اس لئے جب میں بوریت کا شکار ہو کر اٹھنے لگا تو انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی یہ کہہ دیا کہ آپ بور ہو رہے ہیں۔ میرا فوری جواب یہ تھا کہ آپ نے اپنے ادارے کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ تنویر حمید کے بارے میں میں نے سنا ہوا تھا کہ وہ بہت پڑھے لکھے اور تجربہ کار آفیسر ہیں۔ لیکن ایک خامی جو میں نے ان میں محسوس کی وہ یہ تھی کہ وہ بلاوجہ مشرق و مغرب کے تناظر میں گفتگو کا سلسلہ دیتے ہیں۔ تنویر حمید سے تو سپیشل برانچ کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا لیکن ایسے بے شمار لوگ تھے جنہوں نے مجھے سپیشل برانچ کی

کارکردگی، خصوصاً اس کے سیاسی کردار کے بارے میں آگاہ کیا۔ اور ان افراد کی یہ خواہش تھی کہ سپیشل برانچ حکمرانوں کے چنگل سے آزاد ہو جائے اور جس بری طرح اس ادارے کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، یہ سلسلہ ختم ہو جائے۔

بہر حال سپیشل برانچ کے سیاسی کردار کے بارے میں ایک بات بہت واضح ہے کہ ادارہ ملکی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ہر سیاسی جماعت میں اس کے ایجنٹ موجود ہیں۔ بلدیاتی انتخابات سے لے کر قومی اسمبلی کے انتخابات تک کے معاملات میں اس ادارے سے مدد لی جاتی رہی ہے اور مدد لی جا رہی ہے۔ ہر انتخابات سے قبل سپیشل برانچ کو حکم مل جاتا ہے کہ ان امیدواروں کا پتہ چلایا جائے۔ انتخابات میں حصہ لینے کے خواہش مند ہیں اور خصوصی طور پر یہ کہ کونسا امیدوار ایسا ہے جو کامیاب ہو سکتا ہے۔ یوں سپیشل برانچ جس امیدوار پر انگلی رکھ دے عموماً اسے حکمران جماعت پارٹی ٹکٹ الاٹ کر دیتی ہے جبکہ مخالف امیدوار کو سی آئی اے اور پولیس کے ذریعے ہراساں کرنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور سپیشل برانچ کے اہلکار بھی اس ضمن میں اپنا مقدور بھر کردار ادا کرتے ہیں۔

سپیشل برانچ کا سیاسی کردار قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ چونکہ قائداعظم کی وفات کے بعد صوبوں میں مستحکم حکومتیں قائم نہ ہو سکیں اور سیاستدان ہر صوبائی حکومت کی ٹانگ کھینچنے میں مصروف رہے اس لئے صوبائی حکومت سپیشل برانچ کو اپنے تحفظ کے لئے استعمال کرتی رہی۔ پنجاب میں واقع سپیشل برانچ کا ہیڈ آفس پرانی انارکلی کے قریب واقع ہے جسے رابرٹ کلب کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے سپیشل برانچ کی اس عمارت میں انتہائی اہم نوعیت کے قومی راز دفن ہیں۔ سپیشل برانچ میں ہر قابل ذکر سیاسی جماعت کی اعلیٰ قیادت اور اس جماعت کے سرگرم کارکنوں کا ریکارڈ موجود ہے۔ اس کے علاوہ سپیشل برانچ میں بعض سیاستدانوں کے معاشقوں کی داستانیں بھی موجود ہیں۔ نجانے حکومت نے مخالف سیاستدانوں کے معاشقوں اور ان کی رنگین راتوں کی تفصیلات کو کس مقصد کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ سپیشل برانچ میں صرف حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے افراد کا ہی ریکارڈ موجود نہیں ہے بلکہ حکومتی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی رنگین شاموں کا ریکارڈ بھی موجود ہے۔ یہ ریکارڈ اگر منظر عام پر آجائے تو ایک تہلکہ مچ جائے کیونکہ اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔ صوبے اور ملک کی اہم شخصیات سے لے کر مذہبی رہنماؤں تک سب ہی رنگین مزاج واقع ہوئے ہیں۔ مولانا سمیع الحق کے متعلق کچھ عرصہ قبل جو قصے مشہور ہوئے تھے وہ بھی ایک خفیہ

ادارے کی کارکردگی کا ثبوت تھا۔ اگرچہ مولانا سمیع الحق انکاری ہیں کہ ان کے کسی خاتون کے ساتھ روابط نہیں رہے لیکن اس سارے معاملے میں اگر تھوڑا افسانہ ہے تو کچھ حقیقت بھی ہے۔ اسی طرح سابق وزیراعلیٰ غلام مصطفیٰ کھر کے بارے میں سپیشل برانچ میں اس قدر مواد موجود ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ ریکارڈ بھی ابھی تک صیغہ راز میں ہے۔ ویسے تو غلام مصطفیٰ کھر پر غداری کا مقدمہ قائم کرنے کے لئے ان کی سابقہ بیوی تہمینہ درانی کی کتاب "مینڈا سائیں" ہی کافی ہے جس میں کھر کے بھارتی جاسوس ادارے "را" کے ساتھ روابط کی تفصیلات موجود ہیں۔

سپیشل برانچ نے سب سے زیادہ ترقی اس وقت کی جب سردار محمد چوہدری اس کے سربراہ تھے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے جب بطور وزیراعظم سردار محمد چوہدری کا سپیشل برانچ سے تبادلہ کرکے انہیں مرکز رپورٹ کرنے کو کہا تو سردار صاحب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور بعد ازاں پنجاب حکومت نے انہیں محکمہ انسداد رشوت ستانی کا سربراہ مقرر کر دیا۔ سردار صاحب نے اس عہدے پر بیٹھ کر بھی میاں صاحب کی خوب خدمت کی اس لئے جب پنجاب اسمبلی نے ایک کانسٹیبل اور ایم پی اے کے درمیان ہونے والے جھگڑے کے بعد وزیراعلیٰ غلام حیدر وائیں سے مطالبہ کیا کہ آئی جی پولیس چوہدری منظور کو تبدیل کر دیا جائے تو قرعہ فال سردار محمد چوہدری کے نام نکلا جنہیں آئی جی پولیس مقرر کر دیا گیا۔ بہرحال سردار محمد چوہدری کی ذہانت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے بلاشبہ سپیشل برانچ کو ایک بہترین سیکرٹ سروس میں تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی۔

سپیشل برانچ نے محترمہ بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش ہونے سے قبل نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔ سپیشل برانچ کے اہلکار سائے کی طرح اسلامی جمہوری اتحاد اور پی پی پی کے ارکان اسمبلی کے ساتھ چپٹے رہے۔ 90-1988ء کے دوران سپیشل برانچ نے جو سیاسی کردار ادا کیا، اس کا ریکارڈ آج بھی موجود ہے۔ سپیشل برانچ کی فائلیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس ادارے کو سیاسی فوائد حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ اور اس سلسلے میں ادارے کے لئے مختص فنڈز میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا گیا۔

سابق وزیراعظم میاں نواز شریف کو اس عہدے تک لے جانے میں جہاں بے نظیر بھٹو کی غلطیوں کا بہت زیادہ عمل دخل ہے، وہیں پر یہ ایک حقیقت ہے کہ سپیشل برانچ نے نواز شریف کو عوامی لیڈر بنانے کے سلسلے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ میاں صاحب نے 90-

1988ء کے دوران مرکز سے محاذ آرائی کا سلسلہ سپیشل برانچ کے ذریعے کیا۔ بریگیڈئر امتیاز بھی ان دنوں اس ادارے کے ساتھ کسی نہ کسی طور منسلک رہے اس لئے یہ ادارہ ان ایام میں اہم سیکرٹ سروس بن کر ابھرا۔ سپیشل برانچ نے پی پی پی کے وزراء کی بدعنوانیوں کا پتہ چلایا۔ اس کے علاوہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے تمام ارکان قومی وصوبائی اسمبلی سے سرزد ہونے والے جرائم کی تفصیل اکٹھی کی گئی جسے سیاسی بلیک میلنگ کے لئے استعمال کیا گیا۔

سپیشل برانچ کی خوش قسمتی ہے کہ اسے ضیاء الحسن جیسا سربراہ ملا ہے جس نے خفیہ سروس کے ادارے کو جدید آلات سے آراستہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ سعادت اللہ خاں نے بطور ایڈیشنل آئی جی سپیشل برانچ اس کام کا آغاز کیا تھا۔ امید ہے کہ آنے والے دنوں میں سپیشل برانچ کی بھی حالت بہتر ہو جائے گی کیونکہ اس ضمن میں اہم پیش رفت ہو چکی ہے اور ادارے کے ریکارڈ کو کمپیوٹرائزڈ کر دیا گیا ہے۔

سپیشل برانچ اور صحافی

یہ حقیقت تسلیم کرتے ہوئے انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ صحافیوں کی ایک بڑی تعداد سپیشل برانچ کے لئے بطور ایجنٹ یا ٹاؤٹ کام کر رہی ہے۔ اس وقت ایسا کوئی اخبار یا رسالہ نہیں جس کا کوئی نہ کوئی رپورٹر یا سب ایڈیٹر سپیشل برانچ کے ساتھ منسلک نہ ہو۔

سپیشل برانچ کے ملازم اخبارات میں گھس چکے ہیں۔ یوں وہ اپنے ادارے اور اخبارات سے بیک وقت تنخواہیں وصول کر رہے ہیں سپیشل برانچ کو صحافیوں کی خدمات اس لئے حاصل کرنا پڑتی ہیں کہ اس ادارے کے ملازم اپنی شکلوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت کی خواہش ہوتی ہے کہ بعض شخصیات سے خاص قسم کے سوالات پوچھ کر اپنے کام کی بات معلوم کی جائے اور یہ فریضہ صحافی سے بہتر کون انجام دے سکتا ہے۔ ہر پریس کانفرنس یا اہم تقریب میں چند ایسے صحافی ضرور نظر آئیں گے جنھوں نے اپنے اخبار میں خبر تو فائل نہیں کرنا ہوتی لیکن وہ اس تقریب میں ضرور موجود رہتے ہیں۔ حقیقت میں وہ اپنے ادارے کے لئے کم اور سپیشل برانچ کے لئے زیادہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں لاہور سے "سیاسی لوگ" نامی ایک ہفت روزہ کا آغاز ہوا تھا۔ یہ اخبار سپیشل برانچ کی فراہم کردہ خبروں کو بڑے اہتمام سے شائع کیا کرتا تھا سپیشل برانچ کے حکام اپنے مقاصد کے لئے ہمیشہ چھوٹے بڑے اخبارات کو استعمال کرتے ہیں۔ اس کتاب کی تیاری کے دوران میرے علم میں ایسے متعدد صحافیوں کے نام آئے جو سپیشل برانچ کے لئے کام کر رہے ہیں لیکن بطور صحافی مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ بعض صحافی

اپنے عظیم پیشے کی تذلیل کا باعث بن رہے ہیں۔ قلم بکنے کے لئے نہیں لکھنے کے لئے ہوتا ہے!

سی آئی اے سٹاف

پاکستان میں جہاں ملکی سطح پر آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو جیسے خفیہ سروس کے ادارے اور صوبے کی سطح پر سپیشل برانچ موجود ہے وہیں پر اضلاع کی حد تک سی آئی اے بھی قائم ہے۔ لیکن یہ ادارہ رشوت، ظلم و بربریت اور سنگدلی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سی آئی اے کے قیام کا مقصد جرائم پیشہ افراد اور ملک دشمن عناصر کا پتہ چلانا تھا لیکن اس ادارے نے اب تک عام قسم کے مجرموں اور شریف لوگوں کے ساتھ جس قدر ظلم کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ سابق وزیر اعلیٰ سندھ جام صادق کے دور حکومت میں سی آئی اے نے کراچی میں وحشت و بربریت کی انتہا کر دی۔ صدر غلام اسحاق خاں کے داماد عرفان اللہ مروت نے سی آئی اے کراچی کو مخالفین کو دبانے کے لئے استعمال کیا۔ سی آئی اے کراچی کے حکام نے معصوم خواتین کو گینگ ریپ کا نشانہ بنایا۔ وینا حیات کی عصمت تار تار کرنے کا الزام بھی سی آئی اے پر لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مخالفین کو پکڑ کر ان کی ٹانگیں توڑ دینا سی آئی اے کا معمول بن چکا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے سابق وزیر اعظم میاں نواز شریف نے سی آئی اے کراچی کے ظلم و جبر کے دور کا خاتمہ کیا اور سمیع اللہ مروت سمیت سی آئی اے سے منسلک اعلیٰ حکام کو معطل اور ٹرانسفر کر دیا۔ کراچی کے ایک انگریزی جریدے کے مطابق سی آئی اے کراچی دراصل نظر نہ آنے والی حکومت کا روپ اختیار کر چکی تھی اور جام صادق نے عرفان اللہ مروت کے ذریعے اس ادارے کو امریکی سی آئی اے کی طرح کھلا چھوڑ دیا تھا۔ سی آئی اے کراچی کے حکام نے با اثر شخصیات اور صنعت کاروں کو بلیک میل کیا، شہر کی خوبرو لڑکیوں کو اعلیٰ حکام کی

خدمت میں پیش کیا اور عام مجرموں کو عادی مجرم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سی آئی اے کراچی کے ہاتھوں ظلم و تشدد کا نشانہ بننے والے بعض نوجوان سندھ کے جنگلوں میں جاکر ڈاکوؤں کے گروہوں میں شامل ہو گئے اور ان میں سے کچھ تو ملک سے متنفر ہو کر غیر ملکی ایجنٹ بن گئے۔ یہ سارا سلسلہ حکمرانوں کی غفلت اور ان کے اقتدار سے چمٹے رہنے کی خواہش کی وجہ سے شروع ہوا تھا اور آج یہ سلسلہ جاری ہے۔ سی آئی اے کسی بھی شہر کی ہو' اس کے اکثر ملازمین انتہائی جابر اور رشوت خور واقع ہوئے ہیں۔ اخبارات میں آئے روز خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ سی آئی اے نے فلاں نوجوان کو پکڑ کر تشدد کا نشانہ بنایا اور اسے مفرور کر دیا۔ فلاں شخص کو اتنی رشوت لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اور فلاں شخص کو زدو کوب کیا گیا اس لحاظ سے سی آئی اے کے اکثر ملازمین معاشرے کے لئے ناسور کی سی حیثیت رکھتے ہیں کم سن لڑکوں اور نوجوانوں کو بدترین تشدد کا نشانہ بنا کر اور ان کے والدین سے رشوت وصول کر کے انہیں چھوڑ دینا سی آئی اے کا معمول ہے۔

کراچی سی آئی اے اور لاہور سی آئی اے میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ سی آئی اے کسی بھی ضلع کی ہو وہ "سی آئی اے" ہی ہے' یعنی ظالم اور راشی۔ لیکن ان باتوں کے علاوہ سی آئی اے کو بھی ہر دور حکومت میں سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ حکومت کی مخالفت کرنے والے کارکن اور سیاسی رہنما سی آئی اے کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ یہ سلسلہ ماضی کی طرح آج بھی جاری ہے۔

خفیہ سروس کے اداروں کے "سیاسی جرائم"

مہاجر قومی مومنٹ (ایم کیو ایم) کے گاڈ فادر الطاف حسین کا کہنا ہے کہ آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس نے فوج کے سابقہ سربراہ مرحوم آصف نواز کی ہدایت پر ان کی جماعت کو توڑنے کا منصوبہ بنایا اور انہیں قتل کروانے کی سازش کی گئی۔ پی پی پی کے مرکزی سیکریٹری اطلاعات سلمان تاثیر کا دعویٰ ہے کہ انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ بریگیڈیئر نے نواز شریف کے کہنے پی پی پی میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کی اور پی ڈی اے کی قیادت کے خلاف جھوٹے مقدمات قائم کیے۔ این پی پی کے سربراہ غلام مصطفیٰ جتوئی بھی خفیہ اداروں سے ناخوش ہیں۔ جمیعت علماء اسلام کے رہنما مولانا سمیع الحق کے خلاف "سیکس سکینڈل" کے منظرعام آنے کے بعد مولانا نے الزام لگایا تھا کہ ایک خفیہ ادارے نے ان کو بدنام کرنے کے لئے بدکردار عورتوں کا سہارا لیا۔ این پی پی کے مرکزی رہنما دوست محمد بابر نے 10/ مارچ 1991ء کو خفیہ سروس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں پر الزام لگایا تھا کہ انہوں نے ان پر بے پناہ تشدد کرکے یہ تحریری بیان حاصل کرنے کی کوشش کی تھی کہ غلام مصطفیٰ جتوئی اور مولانا فضل الرحمن کے غیر ملکی سفارتکاروں کے ساتھ تعلقات ہیں اور وہ ان سے فنڈز حاصل کرتے رہے ہیں۔ پی پی پی کا دعویٰ ہے کہ سنگاپور طیارے کے اغوا کا ڈرامہ انٹیلی جینس بیورو نے رچایا۔ پختون خوا ملی عوامی پارٹی کے رہنما سینیٹر عبدالرحیم مندوخیل نے الزام لگایا ہے کہ ان کی جماعت کے سیکریٹریٹ پر حملہ آئی ایس آئی نے کیا۔ بے نظیر بھٹو کا دعویٰ ہے کہ ملک کا کنٹرول وزیراعظم کے پاس نہیں بلکہ صدر اور خفیہ اداروں کے پاس ہے۔ صدر کے داماد عرفان اللہ

مروت پر الزام ہے کہ انہوں نے سی آئی اے کراچی کے ذریعے پی پی پی کے رہنماؤں اور کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ آئی ایس آئی اسلام آباد کے سابق سربراہ میجر عامر اور بریگیڈیر امتیاز پر پی پی پی کی حکومت کے خلاف سازشیں کرنے کا الزام ہے۔ سانحہ ٹنڈو بہاول اور شاہ بندر کیس میں خفیہ اداروں کی بری طرح بدنامی ہوئی اور حقائق نے ثابت کیا کہ حکومت نے الذوالفقار کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے بے گناہ افراد کو ہلاک کر دیا اور ڈاکوؤں کے خلاف اپریشن کے نام پر نامعلوم افراد کا قتل عام ہوا۔

ملک کے خفیہ سروس کے اداروں پر اس طرح کے بے شمار الزامات عائد کئے جا چکے ہیں اور ان میں سے کئی الزامات بظاہر درست بھی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً شاہ بندر کیس میں حکومت نے دعویٰ کیا تھا کہ خفیہ سروس اور نیول حکام کو معلوم ہوا تھا کہ الذوالفقار کے ایجنٹ ملک میں داخل ہونے والے ہیں۔ اس اطلاع پر قانون نافذ کرنے والے ادارے حرکت میں آ گئے اور ایک رات کھلے سمندر میں نیول حکام کا الذوالفقار کے ارکان کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ جس کے نتیجے میں متعدد افراد مارے گئے اور باقی گرفتار ہوئے اس خبر کو اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کروایا گیا۔ تاہم اخبار نویسوں کو الذوالفقار کے مبینہ ایجنٹوں کے ساتھ ملاقات کرنے کا موقع نہ دیا گیا۔ ان میں سے جو افراد ہلاک ہو گئے تھے ان کے جسم پر انتہائی بدترین تشدد کے نشانات پائے گئے اور لاشوں سے آنے والی بدبو نے یہ راز کھول دیا کہ جن نوجوانوں کو الذوالفقار کا ایجنٹ قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے ان کی موت اس تاریخ سے بھی پہلے واقع ہو چکی تھی جس تاریخ کو قانون نافذ کرنے والے حکام نے انہیں گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا۔ پی پی پی نے اس سارے واقعہ کا ذمہ دار انٹیلی جینس بیورو کو قرار دیا۔

اس طرح ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین کی جانب سے آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس پر مسلسل یہ الزام عائد کیا گیا کہ خفیہ سروس کے ان اداروں نے ان کی جماعت کو کچلنے کی منصوبہ بندی کی۔ ایم کیو ایم کے رہنما اور الطاف حسین کے دست راست سینیٹر اشتیاق اظہر نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ فوج کی خفیہ سروس کے اداروں سے ایم کیو ایم میں پھوٹ ڈلوائی اور کراچی میں مصنوعی ٹارچر سیل قائم کر کے ایم کیو ایم کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ سینیٹر اشتیاق اظہر فوج کو غیر سیاسی قوت کا نام دیتے ہیں اور وہ عموماً فوج یا خفیہ سروس کے اداروں کا نام لے کر بات نہیں کرتے۔ خفیہ سروس کے اداروں اور ایم کیو ایم کے درمیان جاری سرد جنگ کے حوالے سے تفصیلات جاننے کے لئے سینیٹر صاحب سے اسلام آباد

کے فیڈرل لاج میں بات چیت ہوئی۔ سینٹر اشتیاق اظہر نے کھل کر کہا کہ ایم کیو ایم کو ختم کرنے کی سازش خفیہ سروس کے اداروں نے کی تھی اور غیر سیاسی قوت (فوج) نے اس کو عملی جامہ پہنایا۔ انہوں نے کہا کہ غیر سیاسی قوت اور ایم کیو ایم کے درمیان جھگڑے کا آغاز اس وقت ہوا جب ہماری جماعت کے بعض کارکنوں نے ایک ایسے شخص کو پکڑا جو کلاشنکوف چھپا کر کہیں جا رہا تھا۔ اس شخص نے شروع میں تو اپنی شناخت نہ کروائی لیکن جب اس کی مرمت کی گئی تو اس نے خود کو فوج کا افسر ظاہر کیا۔ چونکہ یہ فوجی آفیسر یونیفارم میں نہ تھا' اور اس نے اپنا تعارف بھی نہیں کروایا تھا' اس لئے وہ بعض نوجوانوں کے ہاتھوں پٹ گیا مگر اس دن سے فوج نے اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا۔ ہم نے لاکھ کوشش کی کہ یہ غلط فہمی دور ہو جائے لیکن فوج نے ایم کیو ایم کے خلاف کاروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور آصف نواز کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے ہمارے خلاف ایکشن ہوا۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اپریشن کلین اپ کا بہانہ بنا کر ہماری جماعت کو تشدد کا نشانہ بنایا اور الطاف حسین کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسی دوران الطاف حسین کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو انہیں علاج کی غرض سے لندن جانا پڑا۔ الطاف حسین کی عدم موجودگی میں ان پر جھوٹے مقدمات قائم کئے گئے' انہیں اشتہاری مجرم قرار دیا گیا اور ایم کیو ایم کو ہر ممکن طریقے سے تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور عظیم طارق کو قتل کروا دیا۔

بہرحال سینیٹر اشتیاق اظہر کا اپنا موقف ہے۔ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جماعت کا دفاع کریں اور الطاف حسین کو اپنا ہیرو قرار دیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین اتنے ہی معصوم ہیں جس قدر ان کی معصومیت سینیٹر صاحب نے بیان کی ہے۔ ممکن ہے کہ انہیں الطاف حسین کے کردار کا دوسرا رخ معلوم نہ ہو۔ کیا ایم کیو ایم کے پاس اس بات کا کوئی جواب ہے کہ ایم کیو ایم کے لیڈر سلیم شہزاد کا بھارت کے خفیہ ادارے "را" کے ساتھ تعلق تھا اور جب ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بھارت فرار ہو گئے۔ کیا ایم کیو ایم کے بعض سرکردہ رہنماؤں اور کارکنوں نے بھارتی قونصل جنرل کراچی کے پاس پناہ حاصل نہیں کی تھی؟ کیا ایم کیو ایم کے بعض رہنما گرفتاری سے بچنے کے لئے بھارت نہیں گئے تھے؟ یہ صرف الزامات ہی نہیں بلکہ خفیہ سروس کے اداروں کے پاس اس کے ٹھوس شواہد موجود ہیں۔

ممکن ہے کہ الطاف حسین کی شروع میں نیت نیک ہو۔ لیکن اگر ان کے ساتھ زیادتی

ہوئی تھی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ ملک دشمن عناصر کا ساتھ دینا شروع کردیتے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ایک ہی وقت میں دو مختلف اداروں کی ایم کیو ایم کے بارے میں سوچ مختلف تھی۔ ایک خفیہ سروس کے اعلیٰ افسر نے الطاف حسین کی لندن روانگی کے لئے انتظامات کروائے تھے اور جب الطاف حسین لندن جانے کے لئے روانہ ہوئے تو خفیہ سروس کے ایک ادارے کا یہ اعلیٰ آفیسران کو الوداع کہنے کے لئے موجود تھا جبکہ فوج کا ایک ادارہ الطاف حسین کے ملک سے فرار کو روکنے کے لئے آخری وقت تک کوشاں رہا۔ مگر حکومت کی اس وقت اپنی ترجیحات تھیں۔ یوں وہی الطاف حسین جس کی گرفتاری کے آج وارنٹ جاری ہو چکے ہیں' وہ ایک خفیہ سروس کے تعاون سے "علاج کی غرض سے" لندن پہنچ گئے۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فوج کی خفیہ سروس کے اداروں نے ایم کیو ایم کے مظالم سے عوام کو آگاہ کرنے میں ایک نہایت اہم کردار ادا کیا۔ یہ کریڈٹ جنرل آصف نواز مرحوم کو جاتا ہے کہ انہوں نے ایک بہت خطرناک مشن کو مکمل کیا اور اس ضمن میں وہ کسی قسم کی مصلحت کا شکار نہ ہوئے۔ ورنہ فوج کے ایک سابق سربراہ مرزا اسلم بیگ پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ایم کیو ایم کو مضبوط بنانے میں مگن رہے اور انہوں نے اس دہشت گرد جماعت کی سرپرستی کی۔

ایم کیو ایم کے خلاف مواد حاصل کرنے میں آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس نے نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔ ملٹری انٹیلی جینس کی ایک خفیہ رپورٹ کو محترمہ بے نظیر بھٹو نے 1991ء میں اس وقت "لیک" کیا تھا جب جام صادق مرحوم سندھ کے وزیر اعلیٰ تھے۔ یہ بھی عجیب تماشہ تھا کہ وہی جام صادق جس کے بارے میں خفیہ سروس کے اداروں کے پاس ثبوت موجود تھے کہ وہ بھارتی جاسوس ادارے "را" کا ایجنٹ ہے' اسے سندھ کا وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا۔ میاں نواز شریف نے 1990ء کے انتخابات کے بعد یہ اقدام محض پی پی پی کی حکومت کے قیام سے بچنے کے لئے کیا تھا۔ آج کل ایم کیو ایم کے بھارت کے ساتھ تعلقات کے قصے عام ہیں' لیکن ملٹری انٹیلی جینس نے جون 1991ء کو وزیر اعظم کو ایک خفیہ رپورٹ ارسال کی تھی جس میں اس بات کا انکشاف کیا گیا تھا کہ سندھ حکومت نے ایم کیو ایم کے وائس چیرمین سلیم شہزاد کو اسلحہ کے 6000 لائسنس جاری کئے ہیں۔ ملٹری انٹیلی جینس کی رپورٹ میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔ وزیر اعلیٰ سندھ پولیس تصدیق کے بغیر اسلحہ لائسنس جاری کر رہے ہیں اور اس مقصد کے لئے اضافی سٹاف کی بھرتی کی گئی ہے۔ ڈپٹی کمشنر کے پاس موجود اسلحہ لائسنس جاری کرنے کے اختیار میں وزیر اعلیٰ سندھ نے 100 فیصد اضافہ کر دیا تھا۔ ملٹری انٹیلی جینس کا

حکومت کو مشورہ تھا کہ وہ اس صورت حال کا فوری نوٹس لے تاکہ حکومت کی بدنامی نہ ہو سکے۔ ملٹری انٹیلی جینس کی مذکورہ رپورٹ میں اس امر کا کھلے الفاظ میں اظہار کیا گیا تھا کہ جام صادق نے اسلحہ لائسنس جاری کرنے کے اپنے اختیار کا ناجائز استعمال کیا اور اس نے اندرون سندھ میں 7500 اسلحہ لائسنس جاری کئے ہیں جبکہ عرفان اللہ مروت نے پنجابی پختون اتحاد کو 1400 لائسنس جاری کئے ملٹری انٹیلی جینس کی یہ رپورٹ وزیراعظم کے اس وقت کے پرنسل سیکریٹری انور زاہد کو بھجوائی گئی تھی۔ تاہم اس کے منظرعام پر آنے سے حکومت کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ایک انتہائی اہم اور حساس قسم کا واقعہ عوام کے سامنے آ گیا تھا اور بے نظیر بھٹو نے ملٹری انٹیلی جینس کی اس رپورٹ کی کاپیاں کروا کر صحافیوں میں تقسیم کر دیں۔ اس طرح ملٹری انٹیلی جینس کی جس رپورٹ پر انتہائی سیکرٹ کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر بکھری ہوئی تھی۔ یہ رپورٹ ملٹری انٹیلی جینس کے دفتر سے غائب ہوئی تھی یا وزیراعظم سیکریٹریٹ سے اس کا تاحال علم نہیں ہو سکا۔

ایک خفیہ سروس کے ذمہ دار آفیسر کے مطابق جونیجو دور حکومت میں جو نقاب پوش نوجوان کاروں پر سوار ہو کر اندھا دھند فائرنگ کر کے اور بے شمار معصوم لوگوں کی جان لے کر فرار ہو جایا کرتے تھے' ان کا تعلق بھی ایم کیو ایم سے تھا۔ چونکہ ایم کیو ایم کے رہنماؤں نے اپنے علاقوں کو آہنی گیٹ لگا کر ایک قلعہ میں تبدیل کر رکھا تھا' اس لئے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لئے نقاب پوشوں کی گرفتاری بہت مشکل کام بن گئی۔ خفیہ سروس کے اداروں اور فوج نے مل کر ایم کیو ایم کے ایسے مبینہ ٹھکانوں کا پتہ چلایا ہے جہاں ایم کیو ایم کے دہشت گرد گروپ نے اسلحہ دفن کر رکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین نے اپریشن کلین اپ شروع ہونے سے قبل صدر غلام اسحاق خان کو خطوط لکھ کر اس خدشے سے آگاہ کیا تھا کہ بعض خفیہ سروس کے ادارے ایم کیو ایم کو بدنام کرنے کی منصوبہ بندی مکمل کر چکے ہیں۔ الطاف حسین نے صدر کو فون کر کے یہ بھی بتایا تھا کہ انہیں اپنی جان کا خطرہ ہے۔ جس پر صدر غلام اسحاق خاں نے سابق وزیراعظم میاں نواز شریف کو اس صورتحال سے آگاہ کیا۔ جس پر میاں صاحب نے بنفس نفیس الطاف حسین سے ملاقاتیں کیں۔ الطاف حسین ایک مرتبہ قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہو گئے تھے اور ایک اطلاع کے مطابق ان کی ٹانگ میں گولی لگی تھی جس کے بعد انہیں عباسی شہید ہسپتال داخل کروانا پڑا جہاں وہ کافی عرصے تک زیر علاج رہے۔ عام لوگوں نے دیکھا کہ 1990ء کے بعد الطاف حسین نے اپنی زندگی کا کافی اہم دور عباسی

شہید ہسپتال میں گزارا۔ حقیقت میں یہ ہسپتال ان کے لئے ایک محفوظ قیام گاہ تھی جہاں متعدد کمروں کو ان کے لئے خالی کروا لیا گیا تھا اور وہاں ایم کیو ایم کے جیالے ان کی حفاظت کے لئے موجود رہتے تھے۔ یہ بات سب کے علم میں تھی کہ عباسی شہید ہسپتال کا ایک بڑا حصہ الطاف حسین کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے جس کی وجہ سے مریضوں کو جگہ کی کمی کا سامنا ہے' لیکن اس حقیقت کے متعلق کسی کو لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ تو بھلا ہو آفاق احمد اور عامر احمد کا جنہوں نے ہمت کر کے الطاف حسین کے خلاف بغاوت کر دی۔ خواہ انہیں اس کام کے لئے ایک خفیہ ادارے نے ہی تیار کیا تھا' لیکن بہرحال یہ ایک اہم اقدام تھا اور دونوں نے اس وقت الطاف حسین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا جب ایم کیو ایم کے تمام وزراء اور ارکان اسمبلی لاہور میں پریس کانفرنس کر کے یہ اعلان کر رہے تھے کہ اگر وہ الطاف حسین سے دھوکہ یا غداری کریں تو وہ اپنی ماں بہن کے ساتھ یہ قسم اٹھانے والوں میں اسلام نبی صاحب بھی شامل تھے لیکن جب ایم کیو ایم کے کچھ ارکان نے اپنے قائد کے حق میں اسمبلی کی نشست سے استعفیٰ دیا تو اسلام نبی وزیر پیداوار کی حیثیت سے بیرون ملک دورے پر چلے گئے۔ نجانے اسلام نبی کو آواری ہوٹل کی وہ پریس کانفرنس یاد بھی ہے یا نہیں۔

یہ واقعہ 1992ء کا ہے۔ ہمیں ایک دن اطلاع ملی کہ ایم کیو ایم کے کچھ رہنما آواری ہوٹل میں پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔ چنانچہ فرنٹیئر پوسٹ کی طرف سے میں رپورٹنگ کے لئے ہوٹل پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا کہ شاید عامر یا آفاق پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔ مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ایم کیو ایم کی تمام قیادت وہاں پر جمع ہے۔ ان میں ایم کیو ایم کے وفاقی و صوبائی وزراء کے علاوہ تمام ارکان اسمبلی موجود تھے جو یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ الطاف حسین کا پارٹی پر مکمل کنٹرول ہے اور جن چند ایک احباب نے پارٹی سے غداری کی ہے ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ مگر الطاف حسین کے ساتھ وفاداری کے اظہار کا جو انداز ایم کیو ایم کے وزراء اور ارکان اسمبلی نے اپنایا' وہ انتہائی مضحکہ خیز اور تکلیف دہ تھا۔ کیونکہ ہر وزیر اور رکن اسمبلی کی خواہش تھی کہ وہ الطاف حسین سے وفاداری کا اعلان کرے کیونکہ الطاف حسین عباسی شہید ہسپتال میں بیٹھ کر ٹیلی فون پر پریس کانفرنس سن رہے تھے۔ شروع میں جب چند ایک ارکان اسمبلی نے الطاف حسین سے غداری کو اپنی ماں بہن کے ساتھ زنا کے مترادف قرار دیا تو صحافی برداشت کر گئے کیونکہ لاہور کے صحافی ایسی باتیں سننے کے عادی نہ تھے۔ مگر جب ہم نے دیکھا کہ تین درجن رہنما ایک ہی فقرہ کہنا چاہتے ہیں تو ہم نے ایم کیو ایم کے رہنماؤں پر واضح کیا

کہ وہ اس طرح خود کو گالیاں نہ دیں اور مختصر بات کریں۔ چنانچہ سندھ سے ایم کیو ایم کا ایک رکن اسمبلی جوش میں کھڑا ہو گیا اور اس نے الطاف حسین کو اپنا قائد اور خانہ کعبہ (نعوذ باللہ) قرار دینے کے بعد دھمکی دی کہ ایم کیو ایم جلد ہی پنجاب میں بھی اپنی تنظیم سازی کرے گی اور کراچی کے صحافیوں کی طرح لاہور کے صحافیوں کو بھی اعلان کرنا پڑے گا کہ اگر وہ قائد تحریک الطاف حسین کے ساتھ غداری کریں تو اپنی ماں بہن کے ساتھ زنا کریں۔ ابھی اس رکن کے منہ سے یہ بات نکلی ہی تھی کہ چند ایک صحافیوں نے کرسی اٹھا کر ایم کیو ایم کے ان افراد کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جو کلاشنکوف کی نمائش کر کے انہیں مرعوب کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ غرض ایم کیو ایم کی پریس کانفرنس کا بائیکاٹ کر دیا گیا اور صحافی ہوٹل سے باہر آ گئے۔ ادھر ایم کیو ایم کی قیادت کا الطاف حسین سے رابطہ تھا اور قائد تحریک کی طرف سے انہیں حکم ملا کہ صحافیوں کو ہر صورت میں منا کر لاؤ۔ چنانچہ وفاقی وزیر اسلام نبی' طارق محمود اور دوسرے وزراء نے سڑک پر آ کر صحافیوں سے معافی مانگی اور بڑی منت ساجت سے اپنی پریس کانفرنس کا بائیکاٹ ختم کروایا۔ لیکن اس کے بعد ایم کیو ایم (الطاف گروپ) کو کبھی بھی لاہور میں پریس کانفرنس کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ویسے تو الطاف گروپ کی لاہور میں یہ پہلی پریس کانفرنس تھی اور پہلی پریس کانفرنس ہی انتہائی تلخ یادوں کے ساتھ اختتام پزیر ہوئی۔ اور الطاف حسین پنجاب میں ایم کیو ایم کی تنظیم سازی کی خواہش دل میں لئے رہ گئے۔

ان حالات میں جبکہ ایم کیو ایم کا ایک گروپ ملک دشمن عناصر کے ساتھ ملا ہوا تھا اور کراچی اور حیدر آباد میں کسی شخص کو قائد تحریک سے غداری کرنے کی جرات نہ تھی' خفیہ سروس کے اداروں نے ایک نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اگرچہ خفیہ سروس کے اداروں کا یہ کام نہ تھا ایم کیو ایم کو تباہ کرتے لیکن چونکہ یہ کام حکومت بعض مصلحتوں کی وجہ سے کرنے کو تیار نہ تھی' اس لئے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اس کام کو احسن انداز میں پورا کیا۔ اسے اگر کوئی جرم سمجھے بھی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن شاہ بندر کیس میں معصوم لوگوں کو الذوالفقار کا ایجنٹ ثابت کرنے کے لئے جو بدترین کام کیا گیا وہ انتہائی قابل مذمت ہے۔

اسی طرح جولائی 1991ء میں سی آئی اے کراچی نے دعویٰ کیا تھا کہ اس نے ایک ایسی سازش کا پتہ چلا کر الذوالفقار کے بعض ایسے ایجنٹوں کو گرفتار کیا ہے جن کا مقصد صدر غلام اسحاق خاں' وزیر اعظم میاں نواز شریف' وزیر اعلیٰ جام صادق' عرفان اللہ مروت اور الطاف حسین کو قتل کرنا تھا۔ سی آئی اے کراچی کے اس دعویٰ پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کیونکہ یہ

ادارہ عرفان اللہ مروت کے مکمل طور پر کنٹرول میں تھا اور عرفان اللہ مروت قبل ازیں ایسے اقدامات کر چکے تھے جو انہیں زیب نہیں دیتے۔ ان کے دور میں سی آئی اے کراچی نے دہشت و بربریت کے لئے ریکارڈ قائم کئے اور الذوالفقار کا بہانہ بنا کر پی پی کے سینکڑوں کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ سی آئی اے کراچی کی زیادتیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اگر خفیہ سروس کے کسی ادارے نے واقعی لوگوں کو تنگ کیا تو وہ سی آئی اے کراچی ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ادارہ جام صادق کے دور میں ایک متوازی حکومت کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ بعض لوگ اسے نظر نہ آنے والی حکومت کہتے ہیں۔

این پی پی کے ایک رہنما دوست محمد بابر کو خفیہ سروس کے ایک ادارے نے اس بات پر مبینہ طور پر مجبور کیا تھا کہ وہ غلام مصطفیٰ جتوئی اور مولانا فضل الرحمن پر الزام لگائے کہ دونوں غیر ملکی سفار تکاروں سے رقوم وصول کرتے ہیں۔ دوست محمد بابر کو ایک خفیہ ادارے نے 5 ماہ تک زیر حراست رکھا اور اسے ضیاء الحق کے جہاز کی تباہی کے حوالے سے ایک اہم بیان دینے اور اقرار جرم کرنے پر مجبور کیا اس سے یہ اعتراف کروانے کی کوشش کی گئی کہ وہ دہشت گردی کی کاروائیوں میں ملوث ہے دوست محمد بابر کو بتایا گیا کہ اس کے خلاف قتل کے 70 مقدمات درج ہیں۔ ایک ایس پی نے انہیں مبینہ طور پر مجبور کیا کہ وہ یہ اقرار کریں کہ وہ عراق' بھارت' روس' اور افغانستان کے سفارتخانوں سے رقوم حاصل کرتے رہے ہیں۔ دوست محمد بابر فوج کے اداروں کی تحویل میں رہا اور فوج کے خفیہ اداروں نے انہیں باعزت طور پر چھوڑ کر انہیں تمام الزامات سے بری کر دیا۔

غلام مصطفیٰ جتوئی کا واقعہ

جون 1991ء میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہوا یوں کہ 5/جون 1991ء کو غلام مصطفیٰ جتوئی اسلام آباد کے "ہالیڈے ان ہوٹل میں موجود تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ ایک خفیہ ایجنسی نے ان کے کمرے میں ایسے آلات لگا رکھے ہیں جن کا مقصد ان کی جاسوسی کرنا ہے۔

جب غلام مصطفیٰ جتوئی تک یہ اطلاع پہنچی تو ان کا رنگ اڑ گیا کیونکہ وہ اس سے قبل بعض سیاستدانوں کے ساتھ ہوٹل کے کمرہ نمبر 355 میں نہایت اہم ملاقاتیں کر چکے تھے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کو بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے بعد نگران وزیر اعظم بنایا گیا تھا۔ جتوئی کے دور حکومت میں ہی 1990ء کے انتخابات منعقد ہوئے جن کے متعلق اب خود جتوئی کا یہ کہنا ہے کہ یہ انتخابات منصفانہ نہ تھے۔ اور میاں نواز شریف نے دھاندلی سے پنجاب میں اکثریت حاصل کی تھی۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کا خیال تھا کہ انتخابات کے بعد بھی وہی وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز رہیں گے لیکن انٹیلی جینس بیورو اور آئی ایس آئی کے ذریعے جتوئی کو اطلاع ملی کہ میاں نواز شریف نے 1990ء کے انتخابات کے نتیجہ میں حکومت بنانے کے لئے منصوبہ بندی کر لی ہے۔ آئی بی اور آئی ایس آئی نے جتوئی کو یہاں تک رپورٹ دے دی تھی کہ میاں نواز شریف نے اپنی آئندہ کابینہ کا خاکہ بھی تیار کر لیا ہے لیکن جتوئی' جب بطور نگران وزیر اعظم میاں نواز شریف سے ملاقاتیں کی تو میاں صاحب صاف مکر گئے کہ انہوں نے وزیر اعظم کا عہدہ حاصل کرنے کے لئے سوچا تک نہیں ہے۔ جتوئی نے میاں نواز شریف کی باتوں پر یقین تو نہ کیا

لیکن ان کا خیال تھا کہ وہ 1990ء کے انتخابات کے بعد میاں نواز شریف کو پنجاب تک محدود رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ ان دنوں ان کا ستارہ عروج پر تھا۔ لیکن انتخابات کے بعد جب نتائج قوم کے سامنے آئے تو جتوئی کو شک پڑا کہ میاں نواز شریف پنجاب کارڈ استعمال کریں گے کیونکہ میاں صاحب نے نو منتخب ارکان اسمبلی کے ساتھ ساتھ دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ رابطے شروع کر دیئے تھے تاکہ وہ انہیں بطور وزیر اعظم اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ ڈلوانے کی کوشش کریں۔ اسی اثناء میں غلام مصطفیٰ جتوئی نے بھی اپنے کارڈ استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ لیکن آخر کار جتوئی کو نہ چاہتے ہوئے بھی میاں صاحب کے لئے جگہ خالی کرنا پڑی۔ چونکہ غلام مصطفیٰ جتوئی کو میاں صاحب کی "بے وفائی" کا بہت رنج تھا اس لئے انہوں نے میاں نواز شریف کے وزیر اعظم بننے کے بعد پیپلز پارٹی کی قیادت سے پینگیں بڑھانا شروع کر دیں اور انہوں نے بے نظیر بھٹو کو پیغام بھجوایا کہ آپ (بے نظیر بھٹو) میاں صاحب کے خلاف میرا ساتھ دیں کیونکہ مستقبل قریب میں ہم دونوں (پی پی پی اور این پی پی) وزیر اعظم سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں لیکن جتوئی کے پی پی پی کے ساتھ خفیہ رابطہ زیادہ دن تک خفیہ نہ رہ سکے اور انٹیلی جنیس بیورو کے ڈائریکٹر بریگیڈئر امتیاز نے مبینہ طور پر ان کی نگرانی شروع کروا دی۔ آئی بی کو اپنے مشن میں کافی حد تک کامیابی حاصل ہو گئی تھی اور جتوئی کے پی پی پی کی قیادت کے ساتھ رابطوں کی تصدیق ہو گئی تھی۔ لیکن جب جتوئی کو علم ہوا کہ ان کے کمرے میں خفیہ آلات لگائے گئے ہیں تو انہوں نے اپنے بیٹے مرتضیٰ جتوئی سے مشورہ کیا اور ایسے آلات کا بندوبست کیا جن سے آئی بی کے خفیہ آلات کا پتہ چلایا جا سکے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی ان دنوں "ہالیڈے ان ہوٹل" کے کمرہ نمبر 356 اور 357 میں مقیم تھے جبکہ خفیہ ایجنسی کے حکام کمرہ نمبر 354 اور 355 میں بیٹھ کر ان کی گفتگو کو ٹیپ کر رہے تھے۔ "ہوٹل ہالیڈے ان" کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ کمرہ نمبر 354 اور 355 میں جو لوگ موجود تھے وہ جتوئی کے کمرے سے خفیہ آلات برآمد ہونے کے فوراً بعد کمرہ چھوڑ کر نکل گئے۔

غلام مصطفیٰ جتوئی نے 6/ جون 1991ء کو ایک ہنگامی پریس کانفرنس طلب کر کے صحافیوں کو وہ آلات دکھائے جن سے کوئی خفیہ ایجنسی ان کی نگرانی کروا رہی تھی۔ جتوئی اپنی پریس کانفرنس کے دوران انتہائی جذباتی ہو گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں میں آنسو لا کر کہا کہ ایک سیاستدان جو 40/ سال سے ملک کی فلاح و بہبود کے لئے سیاست کر رہا ہے اور جو نگران وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز رہ چکا ہے موجودہ حکومت اس کی بھی نگرانی کروا رہی ہے۔ جتوئی نے

شکوہ کیا کہ انہوں نے جس شخص کو اپنے ہاتھوں سے اقتدار سونپا تھا۔ وہی ان کی محب وطنی پر شک کر رہا ہے۔ میری اس طرح جاسوسی کروا کر حکومت کیا ثابت کرنا چاہتی ہے۔ کیا میں غدار ہوں؟ کیا میں محب وطن نہیں ہوں؟ کیا حکومت کو میری وفاداری پر شک ہے؟

انہوں نے کہا کہ " بگنگ" ایک انتہائی سنگین جرم ہے اور حکومت نے میرے کمرے میں ایسے آلات نصب کرائے تھے جن سے میری تمام گفتگو ٹیپ کی جا سکتی تھی۔ جتوئی کا دعوٰی تھا کہ انہوں نے بطور نگران وزیراعظم سیاستدانوں کی نگرانی کا سلسلہ ختم کرا دیا تھا۔ ممکن ہے کہ جتوئی کو اس بات کا علم نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ جتوئی کے دور میں بھی آئی بی اور آئی ایس آئی نے سیاستدانوں کی جاسوسی کا سلسلہ جاری رکھا تھا اور ان کے دور حکومت میں ارکان قومی و صوبائی اسمبلی کی نگرانی کی جاتی تھی جس طرح جتوئی کو اس بات کا دیر سے "علم" ہوا کہ 1990ء کے انتخابات میں دھاندلی ہوئی تھی اسی طرح انہیں کبھی یہ بھی علم ہو جائے گا کہ انہوں نے بطور نگران وزیراعظم آئی ایس آئی اور آئی بی کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا تھا یا نہیں !

بہرحال جتوئی کے کمرے سے جاسوسی کے آلات برآمد ہونے کے بعد آئی ایس آئی نے اس بات کی سختی سے تردید کر دی کہ وہ اس "جرم" میں ملوث ہے۔ بات صاف ظاہر تھی کہ انٹیلی جینس بیورو نے غلام مصطفٰی جتوئی کے کمرے میں خفیہ آلات نصب کرائے تھے۔ لیکن ایک خفیہ ایجنسی نے یہ دعوٰی کیا کہ جس کمرے میں جتوئی مقیم تھے وہاں کچھ عرصہ قبل بھارتی اداکار دلیپ کمار نے Stay کیا تھا اور یہ آلات ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کے لئے نصب کئے گئے تھے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر خفیہ ایجنسی نے انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اور اپنی "پراپرٹی" کو کمرے میں ہی چھوڑ دیا ویسے بھی یہ دلیپ کمار والی بات دل کو نہیں لگتی۔ بہرحال 7/ جون 1991ء کو آئی بی کے ڈائریکٹر بریگیڈیئر امتیاز نے غلام مصطفٰی جتوئی سے ملاقات کر کے انہیں یقین دلایا کہ وہ یا ان کی ایجنسی اس واقعہ میں ملوث نہیں ہے مگر جتوئی نے بریگیڈیئر امتیاز کی بات پر یقین نہ کیا اور انہوں نے صدر غلام اسحاق خاں سے مطالبہ کیا کہ وہ اس واقعہ کی تحقیقات کرائیں۔ جتوئی نے میاں نواز شریف کو بھی اس واقعہ سے آگاہ کیا جس پر وزیراعظم میاں نواز شریف نے وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین کو ہدایت کی کہ وہ اس سارے معاملے کی چھان بین کر کے انہیں رپورٹ ارسال کریں۔ کیا خوب مذاق تھا۔ ایک طرف حکومت خود ہی جتوئی کی نگرانی کروا رہی تھی جبکہ دوسری طرف نگرانی کرانے والوں کو تلاش کیا جا رہا تھا۔

وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین نے جتوئی کو یقین دلایا کہ وہ اس معاملے کی چھان بین کریں گے نتیجہ کیا نکلا کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ ان کی جاسوسی کیوں کی جارہی تھی لیکن اس چھان بین کا نتیجہ کیا نکلا کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے صدر غلام اسحاق خاں کے لئے بھی یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ خفیہ ایجنسیاں ایک سابقہ وزیر اعظم کے کمرے میں آلات جاسوسی نصب کر کے ان کی نگرانی کر رہی ہیں کیونکہ بطور سربراہ مملکت یہ بات ان کے علم میں تھی کہ اصل حقیقت کیا ہے مگر اس کے باوجود صدر غلام اسحاق خاں نے جتوئی کو یقین دلایا کہ اس واقعہ کی ”غیر جانبدارنہ“ تحقیقات کرائیں گے۔

جتوئی کے کمرے سے خفیہ آلات برآمد ہونے کے بعد بعض حلقوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ چونکہ آئی بی اور آئی ایس آئی کے درمیان چپقلش جاری ہے اس لئے آئی ایس آئی نے آئی بی کے لئے مشکلات کھڑی کرنے کے لئے جتوئی کو آگاہ کیا تھا کہ ان کے کمرے میں جاسوسی کے آلات نصب کئے گئے ہیں جبکہ یہی الزام آئی ایس آئی نے لگایا ہے کہ آئی بی نے جتوئی کو آگاہ کیا تھا کہ ان کے کمرے میں جاسوسی کے آلات نصب کرنے میں آئی ایس آئی کا ہاتھ ہے۔ لیکن یہ دونوں باتیں بظاہر بے وزن نظر آتی ہیں

مارچ 1991ء میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے ایک مرتبہ پھر 1981ء میں اغواء ہونے والے پی آئی اے کے طیارے کے واقعہ کی یاد تازہ کر دی۔ ہوا یوں کہ مارچ 1991ء میں اچانک لوگوں نے یہ خبر سنی کہ سنگاپور کے ایک طیارے کو پاکستانی ہائی جیکروں نے اغوا کر لیا ہے اور وہ آصف زرداری سمیت پی پی پی کے متعدد افرد کی رہائی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ طیارہ اغوا کرنے والوں نے خصوصی طور پر بے نظیر بھٹو کے ساتھ بھی گفتگو کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن پی پی پی کی اعلیٰ قیادت نے سنگاپور طیارے کے اغواء کو انٹیلی جینس بیورو کا ایک کارنامہ انجام دے دیا جس کا مقصد پی پی پی کو بدنام کرنا تھا۔ سردار فاروق لغاری نے اس واقعہ کی تحقیقات کرنے کے لئے اعلیٰ سطحی کمیشن کے قیام کا مطالبہ کر دیا۔ معراج محمد خاں نے بھی اس الزام کا اعادہ کیا کہ سنگاپور طیارے کے اغواء میں ایجنسیاں ملوث ہیں۔ اور آخر کار پی پی پی کی قیادت اس نتیجے پر پہنچی کہ یہ سارا ڈرامہ جام صادق نے رچایا تھا جس کا مقصد سوائے اس کے کچھ اور نہ تھا کہ پی پی پی کو عوام میں غیر مقبول بنایا جاسکے۔

بہرحال بدقسمتی سے طیارے کو اغواء کرنے والے کردار کمانڈو اپریشن میں مارے گئے اور حکومت نے ہائی جیکروں کی خواہش پر جب ان کی ٹیلی فون پر بے نظیر بھٹو کے ساتھ بات

کروانے کی کوشش کی تو اسے مایوسی ہوئی کیونکہ بے نظیر بھٹو' جو اس وقت سندھ میں موجود تھیں' کے ملازمین نے ایک ضلعی انتظامیہ کے ایک آفیسر کو بتایا کہ محترمہ سے ان کی بات نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ سو چکی ہیں۔ سنگا پور طیارے کے اغواء کا واقعہ عوام میں مقبول نہ ہو سکا اور لوگ اس شک میں مبتلا ہو گئے کہ کہیں یہ کسی خفیہ ادارے کی سازش ہی نہ ہو۔ سنگا پور طیارے کے اغواء کی تفصیل کچھ یوں ہے یہ طیارہ 26/ مارچ کو صبح 9 بجکر 38 منٹ پر روانہ ہوا اور پرواز کے 15 منٹ بعد اس کو اغواء کر لیا گیا۔ حکومت پاکستان کو جب طیارے کے اغواء کا علم ہوا تو فوری طور پر ایک ٹیم سنگاپور بھجوائی گئی تاکہ ہائی جیکروں سے بات چیت کر کے ان کے مطالبات معلوم کئے جا سکیں۔ ہائی جیکروں میں زاہد حسین والد رحیم بخش' جاوید اختر ولد عبدالعزیز' محمد یوسف مغل اور فدا احمد خاں جدون شامل تھے۔ چاروں کے چاروں کمانڈوز اپریشن میں مارے گئے اور 27/ مارچ کو ان کی لاشیں پاکستان پہنچ گئیں۔

ایف آئی اے کے ڈائریکٹر جنرل وجاہت لطیف کی سربراہی میں قائم ہونے والی ایک کمیٹی نے سنگاپور طیارے کے اغواء کے معاملے کی تحقیقات کیں اور غلام عباس چانڈیو کو 25/ اپریل 1991ء کو گرفتار کر لیا گیا کیونکہ اس شخص کے ہائی جیکر زاہد حسین کے ساتھ مراسم تھے اور وہ سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ کا مشیر رہ چکا تھا۔ تاہم غلام عباس چانڈیو سے ایف آئی اے کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ طیارہ کس نے اغواء کروایا تھا۔ غلام عباس چانڈیو مارچ 1993ء میں ضمانت پر رہا ہوئے۔ یہ سوال ابھی تک لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے کہ کیا سنگاپور طیارہ پی پی پی نے اغوا کروایا تھا یا اس کی ذمہ داری خفیہ اداروں پر عائد ہوتی ہے۔

پاکستان میں شاید ہی ملک کی کوئی اہم شخصیت ایسی ہو جس کے ٹیلی فون ٹیپ نہ ہوتے ہوں۔ ہمیں اس بات پر حیرت نہیں کرنا چاہئے کہ کسی کے ٹیلی فون ٹیپ ہوتے ہیں۔ بلکہ اگر کسی شخص کا ٹیلی فون ٹیپ نہیں ہو رہا' تو اس پر حیرت کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے محترمہ بے نظیر بھٹو کا جنہوں نے اپنے دور حکومت میں انٹیلی جینس بیورو کو خصوصی طور پر اس قدر جدید آلات فراہم کئے جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ محترمہ نے انٹیلی جینس بیورو کو ٹیلی فون ٹیپ کرنے اور کمروں میں ہونے والی گفتگو کی آڈیو اور وڈیو ریکارڈنگ کے لئے جدید ترین سہولتیں فراہم کیں اسی طرح آئی ایس آئی کے اس وقت کے سربراہ شمس الرحمن کلو کی سفارش پر حکومت نے خفیہ سروس کے اس انتہائی اہم ادارے کو جدید سہولتوں سے آراستہ کیا۔

صدر غلام اسحاق خاں نے 18/ اپریل 1993ء کی دوپہر کو میاں نواز شریف کی حکومت ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے محترمہ بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں یقین دلایا کہ ان کا دل بھٹو خاندان کے متعلق صاف ہے۔ غلام اسحاق خاں نے بے نظیر بھٹو کو بتایا تھا کہ ان کے دور حکومت میں خفیہ اداروں نے انہیں غلط اطلاعات فراہم کی تھیں جس کی وجہ سے انہوں نے 6/ اگست 1990ء والا اقدام کیا۔ صدر غلام اسحاق خاں نے 18/ اپریل 1993ء کو اسمبلیاں توڑنے کے متعلق قوم سے خطاب کے دوران اشارتاً کہا تھا کہ خفیہ ادارے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر رہے تھے اور ایسا نواز شریف کے کہنے پر کیا جا رہا تھا۔ یہ لمحہ فکریہ ہے اور ہمیں فوری طور پر ایسے اقدامات کرنا ہوں گے جن کی مدد سے خفیہ اداروں پر قابو پایا جا سکے۔ نیز ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے نہ تو حکومت خفیہ اداروں کا غلط استعمال کر سکے اور نہ ہی خفیہ ادارے حکومتوں کو بنوانے اور تڑوانے کا عمل دہرا سکیں۔

کیا خفیہ سروس کے ادارے حکومت کے کنٹرول میں ہیں؟

آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل حمید گل کا دعویٰ ہے کہ ان کے دور میں آئی ایس آئی نے امریکی سی آئی اے کا مقابلہ کرنے کی اہلیت حاصل کرلی تھی۔ اگر یہ دعویٰ درست ہے تو پھر ہمیں خوش ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا ہمارے خفیہ ادارے امریکی سی آئی اے کی طرح کہیں حکومت کے کنٹرول سے باہر تو نکلنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ امریکہ میں تو پھر بھی جمہوریت ہے اور وہاں پر عوام کی طاقت حکومتوں کو بنانے اور بگاڑنے میں ایک اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ امریکی پریس آزاد ہے جس کی وجہ سے خفیہ اداروں کی بے ضابطگیوں کو بھی بے نقاب کیا جا سکتا ہے۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا پاکستان کے عوام میں اتنا شعور ہے۔ جتنا احساس امریکی باشندوں کو ہے۔ ہمارے ہاں تو صورت حال یہ ہے کہ سیاسی جماعتوں کے قائدین بڑے فخر سے ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ خفیہ ادارے ہمارے فون ٹیپ کرتے ہیں۔ کیا اگر یہی حرکت کسی مہذب ملک میں کی جائے اور اس کا متعلقہ شخص کو علم ہو جائے تو اس کا حشر صدر نکسن جیسا نہیں ہوگا۔ ایک سابق وزیر داخلہ سے جب میں نے سیاستدانوں کی جاسوسی کے حوالے سے سوال کیا تو اس نے ہنس کر کہا چھوڑو یار تم عام سیاستدانوں کے فون ٹیپ ہونے کا رونا رو رہے ہو یہاں تو وزیر اعظم کے فون ٹیپ ہوتے ہیں۔ یہ تو ہماری حالت ہے کہ ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ حکومت ہماری جاسوسی کروائے۔

اگر ہم امریکی سی آئی اے کا ہم پلہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا

کہ سی آئی اے کی طرح ہمارے خفیہ سروس کے ادارے بھی خفیہ منصوبوں پر عمل در آمد کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ چونکہ امریکی سی آئی اے کا ہمارے خفیہ اداروں سے اکثر موازنہ کیا جاتا ہے اس لئے بہتر ہو گا کہ ہم ایک مختصر سا جائزہ امریکی سی آئی اے کا بھی لے لیں۔

1945ء میں ٹرومین امریکہ کے صدر بنے تو اس وقت وہاں کوئی جاسوسی تنظیم نہیں تھی۔ اس دور میں اگر صدر کو کسی اطلاع کی ضرورت ہوتی تو وہ دو یا تین محکموں سے رجوع کرتا تھا۔ ٹرومین کے مطابق یہ صورت حال اس قدر خراب تھی کہ اسے ایک دفعہ معمولی سی اطلاع حاصل کرنے کے لئے 3 ماہ تک انتظار کرنا پڑا۔ قبل ازیں امریکی صدر روزویلٹ کو بھی اسی قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اسی لئے 1942ء میں فنی اور جنگی نوعیت کی معلومات جمع کرنے کے لئے ایک محکمہ قائم کیا گیا۔ صدر روزویلٹ کے کہنے پر 1944ء میں مسٹر ڈونووان نے سی آئی اے کا "بلیو پرنٹ" تیار کیا۔ بعد ازاں جب ٹرومین صدر بنا تو اس نے سی آئی اے کے قیام میں دلچسپی لی۔ اس کے پہلے مرحلے میں 12/ جنوری 1946ء کو نیشنل انٹیلی جینس اتھارٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس اتھارٹی کے تحت سنٹرل انٹیلی جینس گروپ تشکیل دیا گیا۔ یہ گروپ سی آئی اے کا پیش رو تھا۔ آخر کار 13/ ستمبر 1947ء کو نیشنل سیکورٹی ایکٹ کے تحت سی آئی اے کا قیام عمل میں آگیا اور سی آئی اے کو مندرجہ ذیل کام کرنے کا اختیار دیا گیا:

① نیشنل سیکورٹی کونسل کو حکومت کے محکموں اور مختلف اداروں کی جاسوسی سرگرمیوں کے متعلق مشورے دینا جو قومی سالمیت کے لئے ضروری ہوں۔

② جاسوسی سرگرمیوں کی رابطہ بندی کے لئے نیشنل سیکورٹی کونسل کو سفارشات دینا۔

③ قومی سالمیت کے پیش نظر جاسوسی سرگرمیوں کا تجزیہ کرتے رہنا۔

④ دوسرے جاسوسی اداروں کے فائدے کے لئے ایسے امور انجام دینا جو نیشنل سیکورٹی کونسل کہے اور جن امور کو یہ ادارہ بہتر طور پر انجام دینے کا اہل ہو۔

⑤ نیشنل سیکورٹی کونسل کی ہدایت پر ایسے دوسرے جاسوسی امور انجام دینا جو قومی سالمیت کے لئے ضروری ہوں۔

بظاہر تو سی آئی اے کا کام جاسوسی اطلاعات حاصل کرنا تھا لیکن اپنے قیام کے کچھ عرصہ بعد ہی سی آئی اے نے دوسرے ملکوں میں داخل ہو کر وہاں حکومتوں کے تختے الٹوانے شروع کر دیئے اور امریکی صدر ٹرمین کو 1963ء میں اعتراف کرنا پڑا کہ "سی آئی اے اپنے اصل مقاصد سے ہٹ کر جس انداز میں کام کر رہی ہے' اس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ یہ ادارہ حکومت کے

لئے پالسیاں مرتب کر کے انہیں عملی جامہ پہنانے کا کام بھی انجام دینے لگا ہے۔ جب میں نے یہ ادارہ (سی آئی اے) قائم کیا تھا تو مجھے ہرگز گمان نہ تھا کہ یہ ادارہ امن کے زمانے میں بھی اپنی آستین کے اندر خنجر چھپائے پھرے گا۔ یہی ادارہ ہماری بعض الجھنوں اور پریشانیوں کا باعث بن گیا ہے اور ہمارے لئے بدنامی کی علامت بنتا جا رہا ہے۔"

1949ء میں سی آئی اے ایکٹ منظور ہونے سے سی آئی اے کو حکومت کے تمام قوانین سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا۔ اور کسی کو حق نہ تھا کہ وہ ادارے کے امور، منصوبوں، افسروں کے نام، ان کی تنخواہوں اور سی آئی اے کے ملازمین کی تعداد کے بارے میں پوچھ گچھ کرے۔ اسی ایکٹ نے ڈائریکٹر سنٹرل انٹیلی جینس کو حکومت کے فنڈز اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے کا اختیار دیا تھا۔ بعد ازاں امریکی سی آئی اے کا امور مملکت میں کردار اس حد تک بڑھا کہ اسے "نظر نہ آنے والی حکومت" کہا جانے لگا۔ امریکہ کے حالیہ انتخابات میں بل کلنٹن بھی امریکی سی آئی اے کی حمایت کی وجہ سے صدر منتخب ہوئے امریکی سی آئی اے صدر بش کی پالیسیوں سے متفق نہ تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ سی آئی اے کی طاقت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا ور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سی آئی اے نے حکومت کی منظوری کے بغیر دوسرے ممالک میں دہشت گردی شروع کرا دی۔ امریکی جاسوس چین، روس، پاکستان اور بھارت سمیت دنیا کے دیگر ممالک میں گھس گئے۔ چین نے تو ایک موقع پر امریکی جاسوسوں کا وہ طیارہ مار گرایا جو خفیہ طریقے سے جاسوسی کا مشن انجام دے رہا تھا۔ اسی طرح سی آئی اے نے یو۔ٹو طیارے کے ذریعے روس کی جاسوسی کا سلسلہ جاری رکھا اور آخر کار ایوب خاں کے دور حکومت میں جب یو۔ٹو پاکستان کے علاقے سے پرواز کرتا ہوا روس کی سرحد میں داخل ہوا تو اسے مار گرایا گیا۔ یوں امریکی سی آئی اے کا یہ راز فاش ہوا کہ وہ روس کی جاسوسی میں مصروف تھی اور اس ضمن میں سی آئی اے نے ایک خفیہ معاہدے کے ذریعے ایوب خاں سے پاکستان کی سرزمین کو یو۔ٹو کے استعمال کے لئے اجازت حاصل کی تھی۔ ایوب خاں مبینہ طور پر اس معاہدے کے عوض امریکی سی آئی اے سے 14 لاکھ ڈالر سالانہ تاحیات وصول کرتے رہے۔

شاید کچھ لوگوں کے لئے یہ بات حیرت کا باعث ہو کہ امریکی سی آئی اے اور آئی ایس آئی کے قیام میں صرف ایک سال کا فرق ہے۔ سی آئی اے کا قیام 1947ء اور آئی ایس آئی کا قیام 1948ء میں عمل میں آیا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سی آئی اے مضبوط سے

مضبوط تر ہوتی گئی جبکہ ہمارے ہاں حکمران صرف اپنے اقتدار کو بچانے کی فکر میں پڑے رہے۔ ملٹری انٹیلی جینس آئی ایس آئی' انٹیلی جینس بیورو اور خفیہ سروس کے دیگر اداروں نے جب دیکھا کہ ہر آنے والا حکمران ریاست کی بجائے اپنی کرسی مضبوط کرنے کے چکر میں ہے تو ان اداروں سے وابستہ بعض نیشنلسٹ حکام نے بعض اہم ملکی رازوں سے حکمران وقت کو بے خبر رکھنا شروع کر دیا۔ ابتداء میں تو یہ سلسلہ نیک نیتی سے شروع ہوا تھا لیکن بعد ازاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خفیہ سروس کے اداروں نے پالیسی کے تحت حکمرانوں سے اہم ملکی رازوں کو چھپانا شروع کر دیا۔ اس قسم کی روش کا آغاز قائد ملت لیاقت علی خاں کے دور میں ہی شروع ہو گیا تھا۔

فوج اور آئی ایس آئی کے بعض اعلیٰ حکام کشمیر کے بارے میں لیاقت علی خاں کی پالیسی سے متفق نہ تھے۔ خصوصی طور پر امور کشمیر کے نگران کمانڈر میجر جنرل اکبر خاں کو لیاقت علی خاں سے کشمیر پالیسی پر شدید اختلاف تھا اور انہوں نے ایک موقع پر آئی ایس آئی کے سربراہ میجر جنرل شاہد حامد کو اعتماد میں لے کر کہا تھا کہ لیاقت علی خاں کو گرفتار کر کے عبوری حکومت قائم کی جائے گی جو بعد ازاں مناسب وقت پر انتخابات کروائے گی۔ میجر جنرل اکبر خاں کا مقصد کشمیر کو فتح کرنا تھا کیونکہ انہیں اس بات کا قوی یقین تھا کہ پاکستان کشمیر کے مقبوضہ علاقوں کو آزاد کروا سکتا ہے۔ اس ضمن میں میجر جنرل اکبر خاں نے لیاقت علی کو جو منصوبہ پیش کیا تھا اسے حکومت نے مسترد تو نہ کیا لیکن ان کی تجاویز کو سرد خانے میں ضرور ڈال دیا گیا اور یہ حقیقت ہے کہ آئی ایس آئی کی وجہ سے موجودہ آزاد کشمیر بھارت کے قبضے میں جانے سے بچا ہوا ہے۔ اگر آئی ایس آئی کشمیر کے متعلق اہم منصوبہ بندی نہ کرتی تو کشمیر 1948ء میں ہی ہم سے چھن جاتا۔ 1948ء میں مسلمانوں نے کشمیر کی آزادی کے لئے جو جنگ لڑی تھی اس میں آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ملکی سلامتی کے حوالے سے اس ضمن میں تفصیلات میں جانا مناسب نہیں۔ بہرحال اتنا ضرور ہے کہ کشمیر' جسے قائداعظم نے پاکستان کی شہ رگ کہا تھا' اگر ابھی تک مکمل طور پر ہندوستان کے قبضے میں نہیں گیا تو اس کا تمام تر کریڈٹ افواج پاکستان اور فوج سے وابستہ خفیہ سروس کے اداروں کو جاتا ہے۔ 1948ء کے بعد آنے والے کسی حکمران نے خفیہ سروس کے اداروں کی کشمیر پالیسی سے اتفاق کیا ہو یا نہیں' لیکن یہ پالیسی کم و بیش تبدیل نہ ہوئی۔ بھارت آج بھی چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ پاکستان کشمیر میں مداخلت کر رہا ہے اور پاکستان کی طرف سے تربیت یافتہ افغان گوریلوں اور کمانڈوز کو کشمیر بھیجا

جارہا ہے۔ اس کے علاوہ آئی ایس آئی پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ خفیہ سروس کے اس ادارے میں باقاعدہ ایک "سکھ سیل" قائم ہے جو خالصتان کے قیام کے لئے جدوجہد میں مصروف سکھوں کو گوریلا ٹریننگ دے رہا ہے۔ خالصتان تحریک سے وابستہ سکھوں نے متعدد مواقع پر اس الزام کی تردید کی ہے۔ لیکن جو بات سکھ چھپاتے رہے وہی بات ہمارے سیاستدانوں کے دل میں نہ رہ سکی اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے اس وقت کے وزیر داخلہ اعتزاز احسن پر الزام لگایا کہ انہوں نے راجیو گاندھی کو بے نظیر بھٹو کے کہنے پر ایک خفیہ دورے کے دوران ان سینکڑوں ایسے سکھوں کی فہرست فراہم کی تھی جو آئی ایس آئی کے لئے کام کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے بھارتی حکومت نے ان سکھوں کو یا تو گرفتار کر لیا یا انہیں قتل کر دیا گیا۔ یہ معاملہ اگر یہیں تک رہتا تو اور بات تھی لیکن ظلم یہ ہوا کہ بھارت نے پاکستان اخبارات میں شائع ہونے والی ان خبروں کو خوب اچھالا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امریکہ نے پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دینے کی دھمکی دے دی ہے۔ امریکہ نے مئی 1993ء کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دیا جائے یا نہیں۔ اس دوران بھارتی حکام کی تمام تر کوشش یہ رہی کہ کسی نہ کسی طرح ایسے شواہد حاصل کئے جائیں جن سے یہ الزام ثابت ہو سکے کہ پاکستان کا خفیہ ادارہ آئی ایس آئی' بھارت کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔

گذشتہ چند برس کے دوران خفیہ سروس کے اداروں کی سوچ میں تبدیلی آئی ہے۔ اب یہ ادارے حساس قسم کے بعض معاملات کے متعلق حکومت کو بھی اعتماد میں نہیں لیتے۔ اس ضمن میں خفیہ سروس کے اداروں کے بعض اہم منصوبوں کی مثال دی جا سکتی ہے لیکن چونکہ یہ دفاعی نوعیت کے منصوبے تھے اس لئے ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ خفیہ سروس کے بعض حکام کا دعویٰ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کو امریکی سی آئی اے نے قتل کرایا تھا۔ اس ضمن میں بعض افراد کا اعتراض ہے کہ اگر سی آئی اے نے ضیاء الحق کو قتل کرانا تھا تو پھر امریکی سفیر رافیل اور دیگر امریکی کمانڈروں کو کیوں نہ بچایا گیا۔ اگر یہ درست ہے کہ سی آئی اے ضیاء الحق کے طیارے کی تباہی کی ذمہ دار ہے تو پھر ہمیں اس بات پر حیرت نہیں کرنا چاہئے کہ سی آئی اے نے اپنے ہم وطنوں کو کیوں نہیں بچایا۔ امریکی سی آئی اے کا ریکارڈ جس دن عوام کے سامنے آیا تب یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ سی آئی اے نے دہشت گردی اور تخریب کاری کا نشانہ صرف غیر ملکیوں کو ہی نہیں بلکہ بعض ایسے امریکیوں کو بھی بنایا تھا جن کا خاتمہ "امریکی مفاد"

میں تھا۔ اس لئے اگر امریکی سی آئی اے نے ضیاء الحق کے طیارے کی تباہی کا فیصلہ کر لیا تھا تو چاہے اس طیارے میں ضیاء الحق صدر بش یا بل کلنٹن کو سوار کروا لیتے' یہ مشن طے شدہ پروگرام کے مطابق ہی پورا ہوتا۔

ملٹری انٹیلی جینس ' آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کے سیکیورٹی سیل کو آج بھی اس بات کا بہت رنج ہے کہ وہ ایک سربراہ مملکت کی جان کی حفاظت نہ کر سکے اور دشمن ان کی موجودگی میں وار کر گیا۔ یہ بات تو اکثر حلقوں میں عام ہے کہ ضیاء الحق کے طیارے کو جس کسی نے بھی تباہ کروایا' اس نے لازمی طور پر چند مقامی افراد کا تعاون حاصل کیا ہو گا اور اگر کوئی فوجی یا سویلین اس سازش میں دشمن کا آلہ کار بنا تھا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ خفیہ سروس کے تمام اداروں نے ضیاء الحق کے قتل کے حوالے سے آزادانہ طریقے سے تحقیقات کی تھیں اور ہر ادارے کی رپورٹ دوسرے ادارے سے مختلف ہے۔ لیکن تمام خفیہ سروس کے ادارے اس بات پر متفق ہیں کہ ضیاء الحق کا طیارہ کسی قسم کی فنی خرابی سے نہیں بلکہ تخریب کاری کی وجہ سے تباہ ہوا تھا۔ طیارے میں فوج کے سربراہ کے ساتھ اعلیٰ جرنیل بھی سوار تھے جو اس حادثے کا شکار ہوئے۔ بعض ذمہ دار ذرائع کا دعویٰ ہے کہ خفیہ سروس کے اداروں نے حکومت کو ضیاء الحق کے طیارے کی تباہی سے متعلق تیار کی جانے والی اصل رپورٹوں کے بعض اہم حصوں سے جان بوجھ کر آگاہ نہیں کیا۔

ہمارے حکمرانوں کو ایک غلطی ہمیشہ سے رہی ہے کہ وہ خفیہ سروس کے اداروں کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کر کے یہ سمجھتے رہے ہیں کہ ان کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ خفیہ سروس کے ادارے حکمران وقت کے خلاف بھی فائلیں تیار کرتے ہیں۔ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں ڈائریکٹر انٹیلی جینس بیورو مسٹر لغاری اور آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل کلو نے مخالف سیاستدانوں کی ذاتی کمزوریوں کے حوالے سے فائلیں تیار کروانے کے ساتھ ساتھ بے نظیر بھٹو اور ان کی حکومت میں شامل دوسرے افراد کی بھی مسلسل نگرانی کروائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خفیہ سروس کے ایک ادارے نے بے نظیر بھٹو اور راجیو گاندھی کے درمیان ہونے والی گفتگو کو ٹیپ کر لیا۔ بعد ازاں یہ ٹیپ صدر غلام اسحاق کی خدمت میں پیش کیا گیا اور انہیں قائل کیا گیا کہ وہ بے نظیر بھٹو کو ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے حکومت سے فارغ کر دیں کیونکہ وہ بھارتی حکومت کے ساتھ بعض ایسے معاملات طے کرنے والی ہیں جن سے ملکی مفادات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ غلام اسحاق خاں نے بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کرنے سے

قبل سیاستدانوں سے صلاح و مشورے کا جو عمل شروع کیا تھا اس ضمن میں وہ بعض سرکردہ اپوزیشن رہنماؤں کو بے نظیر بھٹو اور راجیو گاندھی کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی سنایا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ بات ثابت ہو گی کہ خفیہ سروس کے اداروں کی ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنی ترجیحات ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض افسران حکمران وقت کے بعض غیر قانونی احکامات پر بھی عمل کر کے انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلاتے رہتے ہیں۔ خفیہ سروس کے ایک اعلیٰ افسر کے مطابق سیاستدانوں کے بس میں اگر ہو تو وہ ملک کا بھی سودا کر لیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے برصغیر پر قبضہ کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کی پہلی کڑی بندرگاہوں کا ٹھیکہ دینا تھی۔ مغل حکمرانوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بندرگاہوں کا کنٹرول سنبھالنے کی اجازت دے کر جو غلطی کی تھی وہی غلطی ہمارے حکمران کرنے جا رہے ہیں۔ خفیہ سروس کے اداروں کی مخالفت کے باوجود کمیونیکیشن سسٹم کو پرائیوٹائز کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمیں اس حقیقت کا علم ہو جائے گا کہ خفیہ سروس کے اداروں پر حکومت کا کنٹرول کم ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے سیاستدانوں کی ذہنیت کو دیکھا جائے تو جی یہی چاہتا ہے کہ خفیہ سروس کے ادارے ملک و قوم کے وسیع مفاد میں جو بہتر سمجھیں وہ کرتے رہیں۔ لیکن خفیہ اداروں سے منسلک افراد کیا اسی معاشرے کا حصہ نہیں ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ خفیہ سروس کا کوئی ادارہ غیر ملکی جاسوسی ادارے کو خوش کرنے کیلئے بعض ایسے فیصلے کروا لے جن کا حکومت کو بھی علم نہ ہو۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ حکمران اپنی اصلاح کرنے کے ساتھ ساتھ خفیہ سروس کے اداروں کے احتساب کو بھی یقینی بنائیں۔ خفیہ سروس کے اداروں کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ انہیں اپنے اقدامات کے حوالے سے کسی کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ تاہم یہ کام انتہائی مشکل اور پیچیدہ ہے۔ حکومت خفیہ سروس کے اداروں پر اور خفیہ سروس کے ادارے حکومت پر مکمل طور پر اعتبار اور اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔ مارچ 1993ء میں بھارت کے اندر وسیع پیمانوں پر بموں کے دھماکوں کا جب سلسلہ شروع ہوا تو بھارت کے حکام نے آئی ایس آئی کو ان دھماکوں کا ذمہ دار قرار دیا۔ جبکہ پاکستان کے دفتر خارجہ کے ایک ترجمان نے اس الزام کی انتہائی سختی سے تردید کی۔ مگر سابق وزیراعظم نواز شریف نے بھارتی وزیراعظم کے نام ایک پیغام میں بموں کے دھماکوں کے نتیجے میں ہونے والی تباہی پر گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ جس پر نرسیما راؤ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن ہم نے یہ دیکھا ہے کہ بھارت میں دہشت گردی کی کوئی بھی کاروائی ہو' بھارتی حکام اس کا ذمہ دار "ایک ہمسایہ

ملک یا کھلے الفاظ میں پاکستان کو قرار دیتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

خفیہ سروس کے ایک ذمہ دار آفیسر بریگیڈئر امتیاز بعض سیاستدانوں کے سامنے اقرار کر چکے ہیں کہ آئی ایس آئی سکھوں کی امداد کرتی رہی ہے۔ اب اس بات کا کیا کیا جائے کہ بریگیڈئر امتیاز جیسے ایک ذمہ دار شخص نے یہ بات کر ڈالی۔

امریکی حکومت آج پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دینے کی دھمکی دے رہی ہے لیکن کیا امریکہ یہ بھول گیا ہے کہ اس نے امریکی سی آئی اے کے ذریعے افغانستان میں دہشت گردی کا سلسلہ جاری رکھا اور پاکستان کے توسط سے افغان مجاہدین کو گوریلا تربیت دینے کے ساتھ ساتھ انہیں وسیع پیمانے پر ہتھیار بھی فراہم کئے گئے۔ اس وقت امریکہ کو پاکستان پر دہشت گردی کا الزام لگانے کا کیوں خیال نہیں آیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ امریکہ نے اپنے فائدے کیلئے پاکستان کو استعمال کیا اور پر -سلر ترمیم کی پرواہ کئے بغیر ہماری امداد جاری رکھی۔ مگر آج جب افغان مسئلہ حل ہو چکا ہے' امریکہ ان ہتھیاروں کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے جو افغان مجاہدین استعمال نہیں کر سکے تھے۔ اوجڑی کیمپ کی تباہی کے بارے میں بھی یہ خیال ہے کہ یہ امریکی سی آئی اے کا کارنامہ تھا۔

بہرحال یہ کہنا بجا ہوگا کہ سابقہ حکومتوں نے خفیہ سروس کے اداروں کو سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کر کے ان کا انتہائی قیمتی وقت ضائع کیا۔ جس حکمران کی کرسی کو خطرہ لاحق ہوا' اس نے خفیہ سروس کا سہارا لے لیا۔ حکمرانوں کی یہ عادت بن گئی ہے کہ وہ دوران اقتدار خفیہ سروس کی بیساکھیوں کا سہارا لیتے ہیں' اور اقتدار سے علیحدگی کے بعد اس بات کا کھلم کھلا شکوہ کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ خفیہ سروس کے اداروں نے انہیں اندھیرے میں رکھا۔ یہی شکوہ لیاقت علی کو بھی تھا۔ اور خواجہ ناظم الدین بھی اپنے دوستوں سے اسی بات کا گلہ کیا کرتے تھے کہ خفیہ سروس کے اداروں نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ چوہدری محمد علی' فیروز خاں' محمد علی بوگرہ' حسین شہید سہروردی' آئی آئی چندریگر' اسکندر مرزا' ایوب خاں' یحیٰی خاں' ذوالفقار علی بھٹو' ضیاء الحق' غلام مصطفیٰ جتوئی اور محترمہ بے نظیر بھٹو کو بھی یہی شکایت رہی کہ خفیہ سروس کے اداروں نے انہیں اندھیرے میں رکھا۔ حالانکہ یہ تمام حکمران خفیہ سروس کے اداروں کا بے دریغ استعمال کرتے رہے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ خفیہ سروس کے ادارے بھی حکمرانوں پر اعتماد نہیں کرتے۔

سازشوں کے ساٹھ دن

انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ بریگیڈیئر امتیاز نے فروری 1993ء کے آخری ایام میں ہی میاں نواز شریف کی حکومت کے خلاف ایوان صدر میں ہونے والی سازشوں کا پتہ چلا لیا تھا اور انہوں نے اس ضمن میں وزیراعظم میاں نواز شریف کو اس سازش کی تفصیلات سے بھی آگاہ کیا تھا۔ چونکہ ان دنوں سپریم کورٹ آف پاکستان سابق چیف جسٹس محمد افضل ظلہ کی سربراہی میں فوج کے سابق سربراہ مرزا اسلم بیگ کے خلاف توہین عدالت کے مقدمے کی سماعت کر رہی تھی' اس لئے اکثر لوگوں کو اس سازش کا علم نہ ہو سکا جو عوام کے منتخب وزیراعظم کے خلاف تیار کر لی گئی تھی۔ ممکن ہے کہ صدر غلام اسحاق خاں قومی اسمبلی کو مارچ 1993ء میں ہی توڑ ڈالتے تاہم محمد افضل ظلہ کے خوف سے انہوں نے یہ قدم اٹھانے سے احتراز کیا اور 18/ اپریل 1993ء کا انتظار شروع ہو گیا کیونکہ اس دن محمد افضل ظلہ ریٹائر ہو رہے تھے۔ 16/ اپریل 1993ء کو صدر نے جسٹس نسیم حسن شاہ کو سپریم کورٹ کا قائم مقام چیف جسٹس بنانے کا فیصلہ کیا اور 17/ اپریل کو قوم نے دیکھا کہ محمد افضل ظلہ انتہائی آرام کے ساتھ اپنی مدت ملازمت پوری کر کے گھر چلے گئے۔

ایوان صدر اپریل 1993ء میں سازشوں کا مرکز بن چکا تھا میاں نواز شریف کے تمام مخالفین دھڑا دھڑ صدر کے ساتھ ملاقاتیں کر رہے تھے اور صدر صاحب اپنے تمام ہمدردوں اور چاہنے والوں کو یہ نوید سنا رہے تھے کہ نواز شریف کا انہوں نے بندوبست کر لیا ہے۔ حیرت کی

بات یہ ہے کہ اس مرتبہ صدر کو آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس کا تعاون حاصل نہ ہو سکا۔ خصوصی طور پر آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر نے صدر کی خواہش کے باوجود اس عظیم ادارے کو سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کرنے سے گریز کیا۔ آئی ایس آئی کا سیاسی سیل اگرچہ صدر اور وزیراعظم کے درمیان بڑھتے ہوئے اختلافات کے حوالے سے فروری 1993ء میں ہی رپورٹیں تیار کر چکا تھا لیکن جاوید ناصر نے آئی ایس آئی کو صدر غلام اسحاق خان کا آلہ کار نہ بننے دیا۔ کہتے ہیں کہ صدر نے مارچ اور اپریل 1993ء میں سیاسی حوالے سے خفیہ اطلاعات ملٹری انٹیلی جینس سے حاصل کیں۔ اس کے علاوہ آئی ایس آئی کی طرف سے بھی کچھ تجزیاتی رپورٹیں صدر کو ارسال کی گئیں مگر صدر صاحب جو جاننا چاہتے تھے وہ انہیں معلوم نہ ہو سکا۔ اس کے باوجود صدر نے منتخب حکومت کے خلاف انتہائی اقدام کا فیصلہ کر لیا اور 15/ اپریل 1993ء کو میاں نواز شریف کو آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر اور بریگیڈیئر امتیاز کی معرفت یہ اطلاع مل چکی تھی کہ صدر 19/ اپریل کو اسمبلیاں توڑ رہے ہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو نے صدر کی بجائے وزیراعظم کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ ورنہ ماضی میں ہم نے دیکھا کہ دونوں خفیہ ادارے کبھی بھی کھل کر وزیراعظم کی حمایت میں باہر نہیں نکلے تھے۔ آئی ایس آئی اور انٹیلی جینس بیورو کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ صدر کا اسمبلیاں توڑنے کا اقدام ملک کو ایک انتہائی سنگین بحران سے دوچار کر دے گا' ملکی ترقی کا عمل رک جائے گا اور بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی پوزیشن خراب ہوگی۔ اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہے کہ لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر اور بریگیڈیئر امتیاز کو میاں نواز شریف سے کوئی ذاتی محبت یا صدر سے ذاتی عداوت تھی تو یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے۔

انٹیلی جینس بیورو کے سربراہ بریگیڈیئر امتیاز نے خصوصی طور پر دن رات محنت کر کے میاں نواز شریف کی حکومت کو بچانے کی کوشش کی۔ انہوں نے وزیراعظم کو سیاسی صورت حال سے مسلسل آگاہ رکھا۔ یہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ اگر بریگیڈیئر امتیاز اپنے ادارے کے سیاسی شعبے کو فعال نہ بناتے تو نواز شریف کو بھی اپنی حکومت کے خاتمہ کا اسی طرح پتہ چلتا جس طرح مرحوم محمد خاں جونیجو کو 29/ مئی 1988ء کو ضیاء الحق کے آمرانہ اقدام کی اطلاع ملی تھی اور وہ اس وقت کچھ بھی نہ کر سکے۔ بریگیڈیئر امتیاز اس لحاظ سے بلاشبہ قوم کا ایک انتہائی قیمتی اثاثہ ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کبھی بھی ذاتی نقصانات کی پرواہ

نہیں کی۔ 1989ء میں جب وہ ایک قومی فریضہ انجام دے رہے تھے تو انہیں اطلاع ملی کہ ان کی بہن کو دل کا دورہ پڑا ہے اور وہ ہسپتال میں انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں داخل ہیں۔ بریگیڈیئر صاحب کیا سب کو اپنے بہن بھائیوں سے پیار ہوتا ہے لیکن اس عظیم مجاہد نے اپنے فرض کو پورا کیا اور جب وہ اپنے مشن کو مکمل کر کے ہسپتال پہنچے تو وہاں انہیں اپنی بہن کا جسد خاکی اٹھانا پڑا۔ ایسا شخص جو اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی زندگی کی پرواہ نہ کرے اور قومی فرائض انجام دیتا رہے وہ اس دور میں یا تو مطلب پرست ہے یا دولت کا پجاری یا پاگل کہلائے گا۔ لیکن خفیہ سروس اور فوج کی نوکری کے دوران ایسے مراحل اکثر آجاتے ہیں جب انسان کو اپنے ذاتی فائدے کو نظرانداز کر کے قومی مفادات کو ترجیح دینا پڑتی ہے اور بریگیڈیئر امتیاز نے اس ضمن میں بھاری قیمت ادا کی ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جس شخص نے بریگیڈیئر امتیاز کی صورت تک نہیں دیکھی وہ ان کے خلاف بیان بازی میں مصروف نظر آئے گا۔ لیکن جو لوگ بریگیڈیئر امتیاز سے واقف ہیں وہ ان کے مرید ہیں۔ بریگیڈیئر امتیاز کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ماتحت عملے کا اس طرح خیال رکھتے ہیں جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کا خیال رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بریگیڈیئر امتیاز کے جاں نثاروں کی ایک بڑی تعداد اس ادارے میں موجود ہے۔ خفیہ اداروں کا سیاست میں ایک حد تک ہی کردار ہونا چاہئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ خفیہ ادارے ہر ممکن طریقے سے اس تباہی کا راستہ روکیں جو ایک گھناؤنی سازش کے ذریعے قوم کی طرف بڑھ رہی ہو۔ 18/ اپریل 1993ء کا صدارتی اقدام دراصل ملک و قوم کے خلاف بھارتی خفیہ ادارے "را" اور دوسرے ملک دشمن عناصر کی طرف سے بہت پہلے تیار کی جانے والی سازش کا حصہ تھا جس کا شکار میاں نواز شریف ہوئے۔ انٹیلی جینس بیورو کی ایک تجزیاتی رپورٹ کے مطابق 1992ء کے آخری ایام میں بھارت نے اپنے ہمنوا سیاستدانوں کے ذریعے پاکستان کے خلاف سازش کا آغاز کیا تھا۔ اس سازش کا مقصد ملک میں سیاسی انتشار پھیلانا تھا تاکہ ملکی معیشت کو زبردست نقصان پہنچ سکے۔

جیسا کہ پہلے ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ موجودہ دور میں جنگ صرف ٹینکوں کے ذریعے ہی نہیں لڑی جاتی۔ بلکہ دشمن اس ضمن میں کئی ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے اور کسی ملک کی معیشت کو تباہ کر دینا ایک بہت بڑی فتح ہے۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہمیں احساس ہو گا 1990ء کے انتخابات کے بعد پاکستان ترقی کی شاہراہ پر گامزن تھا۔ دشمن قوتوں کو ہماری یہ ترقی پسند نہ تھی اور اس ترقی کا راستہ روکنے کیلئے جو سازشیں ہوئیں ان کے مہرے اور خفیہ ہاتھ

ہمارے بعض سیاستدان بنے۔ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر بھی اس سازش کے خلاف نواز شریف کا ساتھ دے رہے تھے۔ بدقسمتی سے فروری 1993ء میں جن محلاتی سازشوں کا آغاز ہوا تھا وہ مارچ کے اختتام پر اپنے عروج پر پہنچ گئیں۔ اپریل کے شروع میں وزراء نے میاں نواز شریف کی کابینہ سے دھڑا دھڑ علیحدہ ہونے کا آغاز کردیا۔ صدر غلام اسحاق خاں کے داماد انور سیف اللہ بھی حامد ناصر چٹھہ کے ساتھ مل کر نواز شریف کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ اقتدار کے حصول اور اقتدار کے بچاؤ کی کوششوں کا عمل تیز ہوگیا۔ 14/ اپریل 1993ء کو میاں نواز شریف نے اپنے والد میاں شریف کے حکم پر غلام اسحاق خاں سے ملاقات کی اور انہیں اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ صدر کی خواہش تھی کہ وہ فوج کے سابق سربراہ جنرل آصف نواز کی بیوہ کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات کے حوالے سے چوہدری نثار' شہباز شریف اور بریگیڈیئر امتیاز کے خلاف کاروائی کریں۔ دوسری طرف میاں نواز شریف کو اس بات کا قوی یقین تھا کہ بریگیڈیئر امتیاز کا جنرل آصف نواز کی موت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ جنرل آصف نواز اور بریگیڈیئر امتیاز کے درمیان بعض غلط فہمیاں موجود تھیں جن کا موجب بعض سیاستدان بنے تھے۔ کیونکہ بعض مخصوص احباب ہمیشہ اس کوشش میں مصروف رہے کہ وہ جنرل آصف نواز کو اس بات کا یقین دلا دیں کہ شہباز شریف' چوہدری نثار اور بریگیڈیئر امتیاز ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں اور ان کی جان کے درپے ہیں۔ جنرل آصف نواز مرحوم کانوں کے کچے تو نہیں تھے لیکن انہیں مسلسل ایسی اطلاعات ایک منصوبے کے تحت فراہم کی جا رہی تھیں جن سے یہ تاثر ملا کہ حکومت ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل آصف نوزا نے ملٹری انٹیلی جینس کے ذریعے اپنے خلاف ہونے والی سازش کا پتہ چلانے کا فیصلہ کیا۔

یہ تمام سلسلہ ایک منصوبہ بندی کے تحت جاری رہا حتیٰ کہ ایک دن فوج کے سربراہ آصف نواز اچانک دل کا دورہ پڑ جانے سے انتقال کر گئے اور جنرل اشرف کو فوج کا قائم مقام سربراہ بنا دیا گیا۔ صدر اور وزیراعظم کے درمیان اختلافات کی خلیج بڑھانے کیلئے مصروف عمل عناصر نے اس موقع پر بھی صدر کو غلط مشورے دیئے اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے اعتماد کے آدمی کو فوج کا سربراہ مقرر کریں۔ چنانچہ صدر نے کئی سینئر جرنیلوں کو نظرانداز کر کے جنرل عبدالوحید کو فوج کا سربراہ مقرر کردیا اور 18/ اپریل 1993ء کو جب صدر نے قومی اسمبلی توڑی تو انہوں نے اس چیز کا حوالہ دیا تھا کہ ان کے وزیراعظم کے

ساتھ فوج کے سربراہ کی تعیناتی کے حوالے سے اختلافات پیدا ہوئے تھے۔

بہر حال خوش قسمتی سے فوج نے صدر اور وزیر اعظم کے درمیان بڑھتے ہوئے اختلافات کا فائدہ نہ اٹھایا۔ تاہم اگر غور سے دیکھا جائے تو 18/ اپریل 1993ء کو جب صدر نے قومی اسمبلی توڑی تو انہیں فوج کا اعتماد حاصل تھا۔ اگر فوج کے تمام جرنیل نہیں تو اکثر جرنیلوں نے صدر کے اس اقدام کی مخالفت نہیں کی تھی۔ صدر کی خواہش کے مطابق 18/ اپریل کی سہ پہر کو فوج کے ٹرکوں نے اسلام آباد کی طرف رخ کیا اور فوج کی یہ غیر معمولی نقل و حرکت اس بات کا ثبوت تھی کہ کچھ ہونے والا ہے۔ فوج کے سربراہ کو صدر غلام اسحاق خان نے 18/ اپریل کی دوپہر کو اپنے حتمی فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ اس فیصلے کا رد عمل بھی تو ہو سکتا تھا۔

ان حالات میں جب 17/ اپریل 1993ء کی صبح طلوع ہو چکی تھی اور ایوان صدر سے نکلنے والا نواز شریف کا ہر مخالف ہونٹوں پر ہنسی لئے ہوئے تھا جو اس بات کا ثبوت تھی کہ صدر صاحب نے آٹھویں ترمیم کی تلوار پکڑلی ہے' اس وقت دو دماغ اس صورت حال کا توڑ نکالنے میں مصروف تھے۔ یہ تھے جاوید ناصر اور بریگیڈیئر امتیاز۔ خصوصی طور پر بریگیڈیئر امتیاز جن کی سیاسی بصیرت بہت زیادہ ہے بلکہ اگر انہیں پاکستان کا سب سے زیادہ ذہین سیاستدان قرار دیا جائے تو مذائقہ نہیں ہو گا یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ وزیر اعظم کو اپنا مقدمہ عوامی عدالت میں پیش کر دینا چاہیے۔ دوسری طرف صدر غلام اسحاق خان کو بھی 17/ اپریل کو علم تھا کہ میاں نواز شریف قوم سے خطاب کرنے والے ہیں۔ صدر کی لابی نے آخری مرتبہ وزیر اعظم میاں نواز شریف پر دباؤ ڈلوانے کی کوشش کی کہ اگر وہ خود بخود مستعفی ہو جائیں یا صدر کو اسمبلی توڑنے کا مشورہ دے دیں تو ان کے حق میں اچھا ہو گا اور صدر کی طرف سے ان کے اثاثوں کی تحقیقات نہیں کروائی جائیں گی۔ تاہم صدر کو اس ضمن میں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور میاں نواز شریف نے قوم سے خطاب کا فیصلہ واپس لینے سے انکار کر دیا۔ 17/ اپریل کو وزیر اعظم کے قوم سے خطاب سے چند گھنٹے پہلے صدارتی لابی نے میاں نواز شریف کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا لیکن قانون نافذ کرنے والے ادارے اس فیصلے کے حق میں نہ تھے۔ چنانچہ کافی غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ میاں نواز شریف کو قوم سے خطاب کرنے کا موقع دیا جائے۔ صدارتی لابی کو یقین تھا کہ میاں نواز شریف دباؤ میں آکر اسمبلیاں توڑ کر قوم کو نئے انتخابات کی نوید سنائیں گے۔ لیکن اس کے برعکس میاں نواز شریف نے اپنی تقریر میں صدر کا نام لئے بغیر انہیں خوب تنقید کا نشانہ بنایا اور

اعلان کیا کہ نہ تو وہ اسمبلی توڑیں گے اور نہ ہی مستعفی ہونگے۔ 17/ اپریل 1993ء کو میاں نواز شریف کے قوم سے خطاب کے بعد دو طرح کی آراء سامنے آئی تھیں۔ اول یہ کہ صدر اب کسی صورت میں نواز شریف کو معاف نہیں کریں گے اور وہ قومی اسمبلی توڑ دیں گے۔ دوم یہ کہ صدر مستعفی ہوجائیں گے لیکن تجربہ کار بیوروکریٹ اور سیاستدان غلام اسحاق خان اس دفعہ اپنے نااہل مشیروں اور خوشامدی سیاستدانوں کی وجہ سے مار کھا گئے اور انہوں نے وہ فیصلہ کرلیا جو انہیں ابھی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یعنی صدر نے 17/ اپریل کی رات اپنے وفاداروں کو اکٹھا کیا اور وزیر اعظم کے خلاف چارج شیٹ کی تیاری شروع کروا دی۔ ایک طرف عوام وزیر اعظم نواز شریف کی تقریر سن کر خوشی سے جھوم رہے تھے تو دوسری طرف ایوان صدر پر سکتہ طاری تھا اور 18/ اپریل 1993 کی سہ پہر مولانا کوثر نیازی' اجلال حیدر زیدی' روئیداد احمد خان' حامد ناصر چٹھہ اور عزیزاے منشی صدر کی تقریر کے اہم نکات تیار کرکے فارغ ہوچکے تھے۔

18/ اپریل 1993ء کا دن میاں نواز شریف اور ان کے دو بہترین دماغوں جاوید ناصر اور بریگیڈیئر امتیاز کے لئے کوئی نئی خبر لے کر طلوع نہیں ہوا تھا۔ سپیکر قومی اسمبلی نے 19/ اپریل 1993 کو قومی اسمبلی کا ہنگامی اجلاس طلب کرلیا جس میں صدر کے خلاف قرارداد منظور ہوسکتی تھی جبکہ اس کے علاوہ میاں نواز شریف نے ایوان سے اعتماد کا ووٹ لینا تھا۔ تاہم جمہوری ادارے کے گلے پر چھری چل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کل کے "مجرم" نگران کابینہ میں شامل کر لئے گئے۔ بریگیڈیئر امتیاز نے 18/ اپریل 1993ء کی رات کو ہی صدر کے غیر آئینی اقدام کے خلاف استعفیٰ دے دیا جبکہ آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر کو حکومت نے ملازمت سے فارغ کردیا اور ان کی جگہ جنرل اشرف کو آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر جنرل بنا دیا گیا۔ بریگیڈیئر امتیاز کے مستعفی ہونے کی وجہ سے جو عہدہ خالی ہوگیا تھا اسے ملک نذیر نے بھر دیا۔ یوں ایک دفعہ پھر حکومت کی تبدیلی کے ساتھ خفیہ اداروں کے سربراہوں کی جبری رخصتی کی تاریخ دہرائی گئی۔ لیکن لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر نے خالد بن ولید کی پیروی کرتے ہوئے اپنی معزولی کی خبر سن کر بھی سجدہ شکر ادا کیا۔ اور وہ فوج کی وردی اتار کر کھلم کھلا میاں نواز شریف کا ساتھ دینے کیلئے میدان میں نکل آئے۔ قومی اسمبلی کے ٹوٹنے اور اس کی بحالی تک جو واقعات پیش آئے وہ بذات خود ایک الگ کتاب مرتب کرنے کیلئے کافی ہیں۔ لیکن مختصراً یہ کہ صدر غلام اسحاق اور نگران وزیر اعظم میر بلخ شیر مزاری نے ریاستی مشینری اور خفیہ اداروں کو سیاست میں جھونک دیا۔ نگران حکومت نے نہ صرف نواز شریف کی حکومت کے سابق وزیروں کے خلاف

زہر اگلنا شروع کردیا بلکہ اس کا براہ راست ہدف میاں نواز شریف اور بریگیڈیئر امتیاز بھی بنے۔ ایک گھٹیا طریقے کے ذریعے بریگیڈیئر امتیاز کو سمگلنگ کے ایک مقدمے میں پھنسانے کی کوشش کی گئی۔ میاں نواز شریف اور چوہدری شجاعت حسین کے خاندان نے کواپریٹو سکینڈل کے منظر عام پر آنے کے بعد کون سا غلط کام کیا اور کون سا درست' یہ فیصلہ کرنا عدالت کا کام تھا لیکن سینیٹر زاہد سرفراز نے خفیہ اداروں کی مدد سے سابق حکومت کے خلاف ٹی وی پر آکر الزام تراشیوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ اسی دوران سپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب کی طرف سے قومی اسمبلی توڑے جانے کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ دائر کی جا چکی تھی اور مقدمے کی سماعت جاری تھی۔ میاں نواز شریف اور چند دوسرے احباب کی طرف سے بھی قومی اسمبلی توڑے جانے کے اقدام کو عدالت میں چیلنج کردیا گیا۔ نگران حکومت نے مختلف ہتھکنڈوں سے عدالت کے ممکنہ فیصلے پر نظرانداز ہونے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ عدالت عظمیٰ نے قوم کو مایوس نہ کیا اور قومی اسمبلی کو بحال کرکے اپنے اوپر موجود تمام پرانے داغ دھو ڈالے۔ 18/ اپریل سے 25/ مئی 1993ء تک نگران حکومت نے خفیہ سروس کے اداروں کو سیاستدانوں کو بلیک میل کرنے کے لئے جس بری طرح استعمال کیا وہ باعث شرم ہے۔ لیکن معاملہ پھر وہی ہے کہ خفیہ سروس کے ادارے آخر کب تک ایسا طرز عمل اختیار کرتے رہیں گے۔ 18/ اپریل 1993ء کی رات تک بریگیڈیئر امتیاز ایک محب وطن شخص تصور کئے جاتے تھے لیکن 18/ اپریل کے بعد نگران حکومت نے انہیں ہر ممکن طریقے سے ایک قاتل' ڈاکو اور سمگلر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر جیسے پکے مسلمان کو سنگین الزامات کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے ہی ملک کے باسی انہیں دہلی میں ہونے والے بموں کے دھماکوں کا ذمہ دار قرار دینے لگے۔ حالانکہ بھارتی وزیراعظم اعتراف کرچکے تھے کہ انہیں دہلی میں ہونے والے دھماکوں میں آئی ایس آئی کی شمولیت کے ثبوت نہیں مل سکے۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ قومی اسمبلی بحال ہوگئی ورنہ نگران حکومت نے ایوان صدر میں بیٹھ کر جو منصوبہ بندی مرتب کی تھی اس کے تحت میاں نواز شریف اور شہباز شریف کو جنرل آصف نواز کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جانا تھا اس کے ساتھ ساتھ علامہ احسان الٰہی ظہیر کا قتل بھی میاں نواز شریف کے کھاتے میں پڑتا۔ اس کے علاوہ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ کو "بین الاقوامی دہشت گرد" کا ایوارڈ ملتا اور بریگیڈیئر امتیاز کو ایک سمگلر قرار دے کر جیل میں بند کردیا جاتا۔

18/ اپریل 1993ء کو جب قومی اسمبلی توڑ دی گئی تو بریگیڈیئر امتیاز انتہائی خفیہ طریقے

سے لاہور منتقل ہو گئے اور انہوں نے قومی اسمبلی کی بحالی کی صورت میں وزیر اعظم میاں نواز شریف کو اعتماد کا ووٹ دلوانے کے حوالے سے Exercise کی۔ اس دوران انٹیلی جنس بیورو اور آئی ایس آئی کے جاسوس بریگیڈیئر امتیاز کی مصروفیات کے بارے میں جاننے کیلئے ان کے ساتھ سائے کی طرح چمٹے رہنے کیلئے ناکام کوششیں کرتے رہے۔ بریگیڈیئر امتیاز نے صوبائی دارالحکومت میں اور وفاقی دارالحکومت میں دونوں جگہوں پر بیٹھ کر اپنا کام جاری رکھا اور کوئی ایجنسی ان کی جائے رہائش کا پتہ چلانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ صدر غلام اسحاق خاں نے 18/ اپریل 1993ء کو جب قومی اسمبلی توڑی تو سب سے پہلے جس آفیسر کا ٹیلی فون کٹا وہ بریگیڈیئر امتیاز تھے۔

سیاستدانوں کو شکوہ ہے کہ ملک پر حکومت میاں نواز شریف نہیں بلکہ بریگیڈیئر امتیاز کر رہے ہیں۔ اور یہ بات کافی حد تک درست ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ بریگیڈیئر امتیاز کے اقدامات ملک و قوم کیلئے بہتر ہیں یا نہیں! بریگیڈیئر امتیاز نے قومی اسمبلی کو ٹوٹنے سے بچانے اور پھر قومی اسمبلی کی بحالی کے بعد میاں نواز شریف کو جو مفید مشورے دیئے بلاشبہ ان کی وجہ سے وقتی طور پر ایک سنگین بحران کا خطرہ ٹل گیا۔ لیکن سیاستدان آخر کار کب تک اقتدار کے حصول کی رسہ کشی کیلئے خفیہ اداروں کا سہارا لیتے رہیں گے؟ میاں نواز شریف نے دوبارہ وزیر اعظم بننے کے بعد اپوزیشن کو خلوص دل سے مذاکرات کی پیشکش کی ہے۔ سیاستدانوں نے یہ موقع گنوا دیا تو ملک ایک مرتبہ پھر سنگین بحران کا شکار ہو جائے گا اور ایمرجینسی یا مارشل لاء کا نفاذ حیرت کا باعث نہیں ہو گا۔
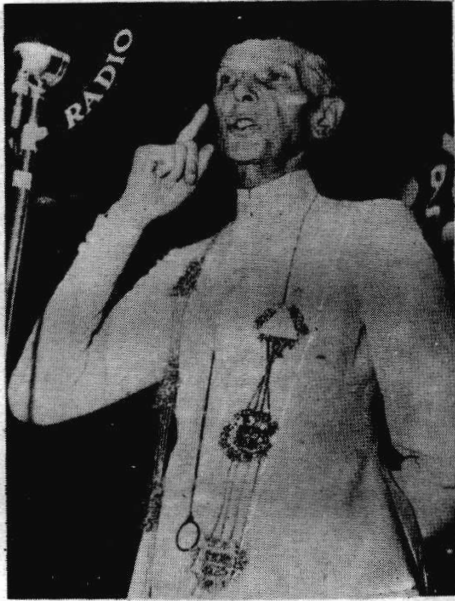
قائداعظم محمد علی جناحؒ

اسکندر مرزا

غلام محمد

ایوب خاں

خواجہ ناظم الدین

چوہدری محمد علی

یحییٰ خاں

ذوالفقار علی بھٹو کی ضیاء الحق، انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ اکرم شیخ اور ہمایوں فیض رسول کے ساتھ ایک یادگار تصویر

محترمہ بے نظیر بھٹو

ضیاء الحق کی ذوالفقار علی بھٹو سے تاریخی ملاقات کا منظر
جو مری میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ہوئی۔

جنرل محمد ضیاء الحق

محمد خاں جونیجو
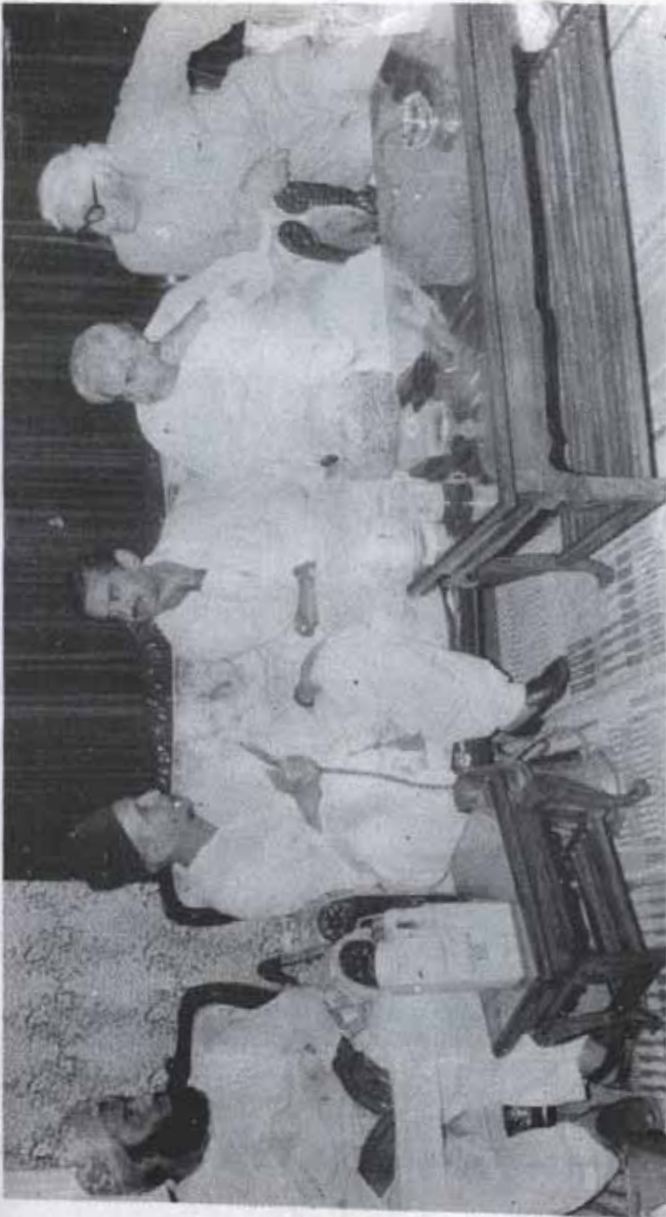
مولانا فضل الرحمٰن، نواب زادہ نصر اللہ خاں، غلام مصطفیٰ کھر، غلام مصطفیٰ جتوئی اور خاں عبد الولی خاں
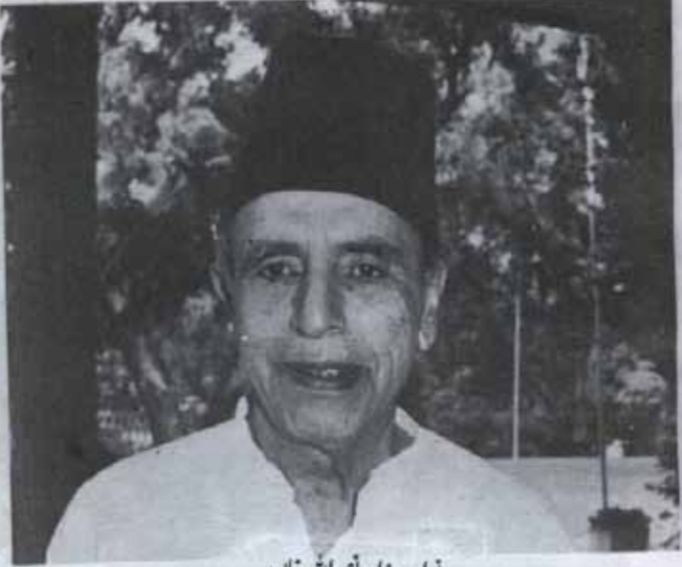
نواب زادہ نصراللہ خاں

غلام مصطفیٰ کھر

راؤ عبدالرشید

مرزا اسلم بیگ

جنرل آصف نواز جنجوعہ
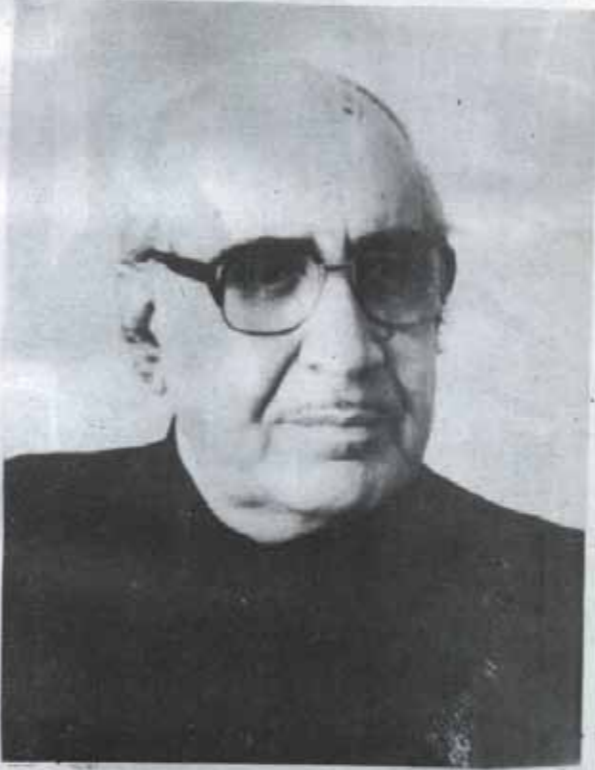
غلام اسحاق خاں
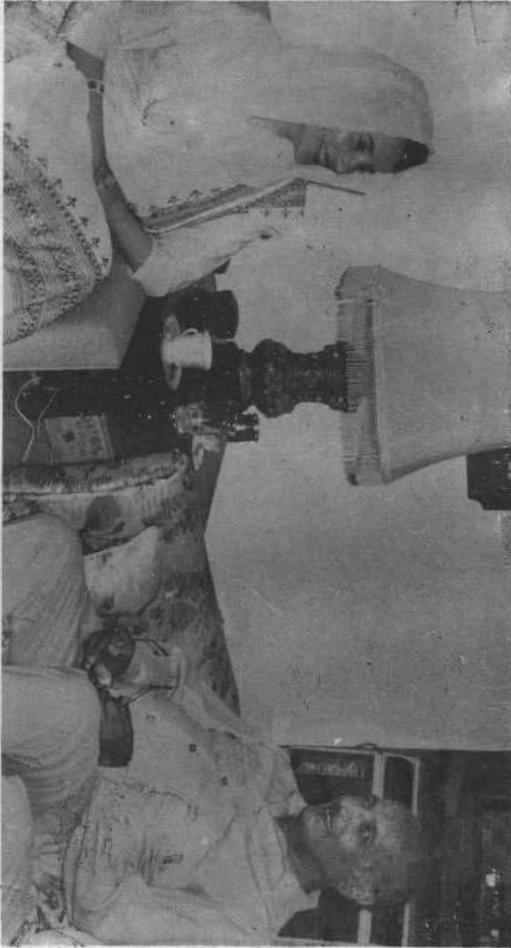
محترمہ بے نظیر بھٹو اور اصغر خاں

میاں نواز شریف

فوج کے سربراہ جنرل عبدالوحید کاکڑ
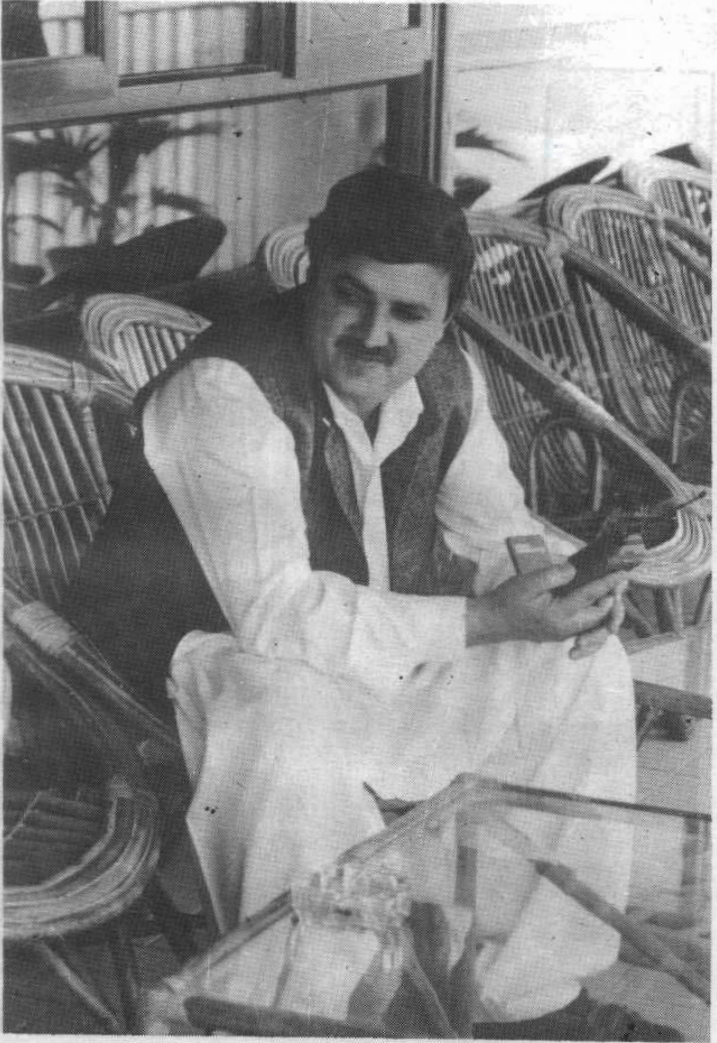
میجر عامر

چوہدری سردار احمد سپیشل برانچ کے سابق سربراہ

تنویر حمید ڈی آئی جی سپیشل برانچ

نواز حکومت کو چلانے والے دو دماغ، لفٹنٹ جنرل جاوید ناصر اور بریگیڈیئر [illegible]